ادارہ اسلامیات
کراچی — لاہور

اولیاء اللہ کے حالات، اخلاق اور اقوال پر مشتمل تصوف
کی اہم عربی کتاب تنبیہ المغترین کا اردو ترجمہ

احوال الصادقین

حضرت امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ

حضرت مولانا حبیب احمد صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ

ادارہ اسلامیات
کراچی ــ لاہور

پہلی بار : ذوالقعدۃ ۱۴۲۷ھ

اہتمام : اشرف براوران سلمہم الرحمٰن

ناشر : ادارۂ اسلامیات کراچی۔ لاہور

ملنے کے پتے

☆ ادارۂ اسلامیات : موہن روڈ، چوک اُردو بازار، کراچی (فون: ۲۷۲۲۴۰۱)

☆ ادارۂ اسلامیات : ۱۹۰، انارکلی، لاہور (فون: ۷۳۵۳۲۵۵)

☆ ادارۂ اسلامیات : دینا ناتھ مینشن، شارع قائداعظم، لاہور (۷۳۲۴۴۱۲)

☆ ادارۃ المعارف : ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

☆ مکتبہ دارالعلوم : جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

☆ دارالاشاعت : ایم اے جناح روڈ، کراچی

☆ ادارۂ تالیفات اشرفیہ : بیرون بوہڑ گیٹ ملتان شہر

☆ ادارۂ تالیفات اشرفیہ : جامع مسجد تھانیوالی ہارون آباد بہاولنگر

☆ بیت القرآن : اردو بازار کراچی

☆ بیت الکتب : نزد اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

☆ بیت العلوم : ۲۶ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور

فہرست

فہرست مضامین	صفحہ نمبر

دوسرا باب
کچھ اور اخلاق کے بیان میں

فہرست مضامین	صفحہ نمبر

فہرست مضامین	صفحہ نمبر

فہرست مضامین	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

"تنبیہ المغترّین" نامی جس کتاب کا ترجمہ "احوال الصادقین" کے نام سے اس وقت آپ حضرات کے سامنے ہے یہ امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۷۳ھ کی تصنیف ہے۔ امام عبدالوہاب شعرانیؒ اپنے زمانے کے معروف علماء اور صوفیاء میں سرفہرست تھے، اور ان کی تحریر کردہ کتابوں کے مضامین اس وقت سے لیکر آج تک کے علماء اور صوفیاء کے لئے سُرمۂ نور اور منارۂ ہدایت ہیں۔ امام شعرانیؒ علم ظاہر و باطن کے جامع تھے، ان کی کتابوں میں بھی علم ظاہر یعنی فقہ اور علم باطن یعنی تصوف کی جامعیت نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ اسی لئے ان کی کتابیں علماء اور صوفیاء دونوں طبقوں میں قابل احترام سمجھی جاتی ہیں۔

ادارہ اسلامیات کو بحمد اللہ یہ شرف حاصل ہے کہ وہ ان کی مستند کتابوں کے اردو ترجموں کی نشر و اشاعت کی خدمت انجام دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ ادارہ اسلامیات کی طرف سے اس سے قبل دو کتابیں:

۱۔ ہم سے عہد لیا گیا ترجمہ البحر المورود فی المواثیق والعهود

۲۔ آداب بندگی ترجمہ آداب العبودية

شائع ہو کر محبت کرنے والوں کے دلوں کی ٹھنڈک بن چکی ہیں، اب یہ تیسری کتاب پیش کی جا رہی ہے۔ اس کتاب کا اصل عربی نام "تنبیہ المغترّین" ہے۔

تنبیہ (تَ نْ بِ یْ ہ) = خبردار کرنا۔ تنبیہ کرنا۔

المغترّین (مُ غْ تَ رْ رِ یْ نْ) = وہ لوگ جو دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ قرآن وسنت کا صحیح علم نہ ہونے اور سلف صالحین

کے اقوال وافعال کے بارے میں درست علم نہ ہونے کی وجہ سے بعض لوگ دھوکہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں، اور اولیاء اللہ کے درست راستہ سے ہٹ کر اس دھوکہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ ہم صحیح راستہ پر ہیں۔ اگر انہیں اولیاء اللہ کے اقوال، احوال اور افعال و اعمال کا درست علم ہوتا تو وہ اس دھوکہ سے نکل کر اپنی دنیا و آخرت درست کر کے صحیح معنی میں واصل بحق ہوسکتے تھے۔

اپنے زمانے کے مجدد حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہ نے امام شعرانیؒ کی کتابوں کی طرف علماء اور صوفیاء کو متوجہ کر کے اردو میں ان کا ترجمہ کروایا تھا۔ چنانچہ اس کتاب کا ترجمہ بھی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی خصوصی کوشش اور تحریک سے حضرت مولانا حبیب احمد کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا جو ۱۳۳۹ھ میں پہلی بار شائع ہوا۔

الحمد للہ کہ اس وقت اس کی اشاعت جدیدہ ادارہ اسلامیات کے حصہ میں آئی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائیں۔ مصنف، مترجم، معاون، ناشر اور وہ تمام حضرات جنہوں نے اس کتاب میں کوئی بھی خدمت انجام دی ہے عند اللہ اجر و ثواب کے مستحق ہوں۔

احقر محمود اشرف غفر اللہ لہٗ

۲۰/۷/۱۴۲۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اوّل

اتباع کتاب وسنت

۱- اللہ والوں کے صالح اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی کتاب وسنت کے یوں ساتھ رہے جیسے سایہ (سایہ والی) شے کے ساتھ رہتا ہے' (یعنی کسی حالت میں کتاب وسنت کو نہ چھوڑے اور ہر حالت میں ان پر عمل پیرا رہے) اور مسند ارشاد پر اسی وقت متمکن ہو جبکہ علوم شرعیہ میں یوں تبحر پیدا کرلے کہ جو مذاہب مٹ چکے ہیں اور جو ہنوز رائج ہیں سب کی ادلہ پر مطلع ہو جاوے۔ اور مجالس مناظرہ میں علماء کو دلائل قطعیہ یا ظنیہ راجحہ وواضحہ سے خاموش کرسکے، اس جماعت کی کتابیں اس مضمون سے لبریز ہیں، اور یہی مضمون ان کے اقوال وافعال سے بھی ظاہر ہے۔

سید الطائفہ امام ابوالقاسم جنیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری کتاب یعنی قرآن سب کتابوں کی سردار اور سب سے جامع تر ہے اور ہماری شریعت سب شریعتوں سے زیادہ واضح اور سب سے زیادہ دقیق ہے، اور ہمارا طریقہ یعنی اہل تصوف کا طریقہ کتاب وسنت سے مؤید ہے) اس لئے (اس طریق کی رہنمائی کا وہی شخص مستحق ہے جو کتاب وسنت سے واقف ہو اور) جو نہ قرآن پڑھا ہوا ہے اور نہ حدیثوں کا حافظ ہے اور نہ ان کے معانی سمجھتا ہے اس کا اتباع صحیح نہیں ہے۔ نیز وہ فرماتے تھے کہ جو علم بھی آسمان سے نازل ہوا ہے اور غیر نبی کو اس کی طرف راہ ہوئی ہے اس میں مجھے بھی خدا نے ایک معتد بہ حصہ ضرور عطا فرمایا ہے، نیز وہ اپنے احباب سے یہ بھی فرمایا کرتے تھے

کہ اگر تم کسی کو ہوا پر پلوتھی مارے دیکھو تب بھی اس کا اتباع نہ کرو یہاں تک کہ تم دیکھ لو کہ وہ امر و نہی کے موقع پر کیا کرتا ہے۔ اب اگر تم دیکھو کہ وہ تمام اوامر الہیہ کا منہیات سے احتراز کرتے ہوئے اتباع کرتا ہے تو اس کے معتقد ہو جاؤ اور اس کا اتباع کرو۔ اور اگر تم اس کو دیکھو کہ وہ مامورات کو عمل میں نہیں لاتا اور منہیات سے احتراز نہیں کرتا تو اس سے احتراز کرو۔ انتہی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ خلق اس زمانہ کے صوفیوں میں نادر ہو گیا ہے۔ اور اب تصوف کا یہ حاصل ہو گیا ہے کہ ایک شخص ایسے شخص کی صحبت اختیار کرتا ہے جس کو طریق میں کچھ بھی دخل نہیں۔ اور اس سے فنا و بقا و شطح کے ایسے کلمات سیکھ لیتا ہے جس کی کتاب وسنت تائید نہیں کرتی - پھر وہ ایک جبہ پہن لیتا ہے اور ایک بڑا سا شملہ چھوڑ لیتا ہے، اس کے بعد وہ بلاد روم وغیرہ کا سفر کرتا ہے اور (وہاں جا کر) خاموشی اور بھوک ظاہر کرتا ہے۔ (یعنی نہ کچھ بولتا ہے، نہ کچھ کھاتا ہے تا کہ لوگ معتقد ہو جاویں اور اس کی شہرت امراء تک پہنچ جاوے) پس وہ (اس ڈھونگ سے) اپنے لئے وظیفہ یا حق حقوق کا طالب ہوتا ہے اور اس میں وزراء امراء سے توسل کرتا ہے۔ (اور ان تک رسائی کے لئے خاموشی وگرسنگی کا ذریعہ اختیار کرتا ہے۔ پس یہ حاصل ہے اس کی ریاضت کا) اور نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ (دھوکے میں آ کر) اس کے لئے کچھ مقرر کر دیتے ہیں، اور وہ اس کو حرام طور پر کھاتا ہے، کیونکہ اس نے اس مال کو حکام کو دھوکہ دے کر اور ان کے اس کو نیک سمجھنے کی وجہ سے حاصل کیا ہے (جو کہ خلاف واقع ہے، لہٰذا وہ مال حرام اور اس کا کھانا ناجائز ہوا۔ پس یہ حاصل ہے اس زمانہ کے تصوف اور اس کی غایت کا۔ (إنا للّٰه وإنا إليه راجعون)

ان لوگوں میں کا ایک شخص جو کہ بغیر علم اور بدون ذوق کے فناء وبقا کے مباحث میں گھستا تھا اور اس کے ساتھ اس کے معتقدین کی بھی ایک جماعت تھی، میرے پاس آیا اور چند روز تک برابر میرے پاس آتا رہا۔ ایک روز میں نے اس سے کہا کہ آپ بتلایئے کہ وضو اور نماز کی شرطیں کیا کیا ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے تو کچھ

بھی علم نہیں پڑھا، تب میں نے اس سے کہا کہ بھائی عبادات کو کتاب وسنت کے مطابق صحیح کرنا بالاجماع واجب ہے، اور جو شخص واجب اور مستحب میں فرق نہ کرے اور نہ حرام اور مکروہ میں امتیاز کرے وہ جاہل ہے، اور جاہل کی پیروی نہ طریق ظاہر میں جائز ہے اور نہ طریق باطن میں۔ اس پر وہ بالکل خاموش ہو گیا اور کچھ جواب نہیں دیا، اور اس روز سے میرے پاس آنا چھوڑ دیا۔ اس شخص نے مجھے اپنے سوءادب سے بری طرح تباہ کیا تھا، سو خدا نے مجھے اس سے نجات دی۔ (والحمد للہ علی ذلک)

اور سیدی علی الخواص فرمایا کرتے تھے کہ اس جماعت کا طریقہ کتاب وسنت پر (پیش کر کے) یوں منقح کیا ہوا ہے جیسے سونے اور جواہر کو پر کیا جاتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ ان کی حرکت وسکون میں معیار شرعی کے موافق ٹھیک نیت ہوتی ہے (اور ان کی کوئی حرکت اور کوئی سکون جو حدود طریق میں ہو، خلاف شریعت نہیں ہوتا۔ احیاناً کسی معصیت کا صادر ہو جانا بحث سے خارج ہے) مگر (یہ بات ہر ایک کو نہیں معلوم ہو سکتی ہے بلکہ) اسی کو معلوم ہوتی ہے جو علوم شریعت میں تبحر رکھتا ہو، کیونکہ بعض اوقات ان کے افعال ایک امام کے خلاف ہوتے ہیں اور دوسرے کے موافق، اور ان کے نزدیک اس مسئلہ میں اس امام کی رائے راجح ہوتی ہے، اس لئے ان کا فعل حد شریعت کے اندر ہوتا ہے، مگر جن لوگوں کو دوسرے امام کا قول معلوم نہیں، وہ ان کے فعل کو خلاف شریعت سمجھ کر بدظن ہو جاتے ہیں، برخلاف متبحر کے وہ سمجھتا ہے کہ ان کا یہ فعل حد شریعت کے اندر ہے۔ علی ہذا ان کے بعض افعال ایسے ہوتے ہیں جو بعض حالات میں جائز اور بعض میں ناجائز ہیں، اور کم علموں کو ان کے بعض حالات میں جائز ہونے کا علم نہیں ہوتا، اس لئے وہ ان کے فعل پر خلاف شرع ہونے کا حکم کر دیتے ہیں مگر متبحر سمجھتا ہے کہ یہ فعل مطلقاً ناجائز نہیں ہے بلکہ بعض حالات میں جائز بھی ہے، اس لئے وہ سمجھتا ہے کہ ان کا فعل خلاف شریعت نہیں۔ وہکذا)

میں کہتا ہوں (کہ جب واقعہ یہ ہے) تو جو شخص کہتا ہے کہ طریق صوفیہ کو نہ کتاب لائی ہے اور نہ سنت، وہ جھوٹ کہتا اور افتراء کرتا ہے، اور اس کا یہ قول اس کے

بہت بڑے جاہل ہونے کی بڑی علامات میں سے ہے، کیونکہ جماعت صوفیہ کے نزدیک صوفی کی حقیقت صرف یہ ہے کہ وہ عالم ہے جو اپنے علم پر محض اخلاص سے (اور بلا کسی نفسانی غرض کے) عمل کرتا ہو، اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ علی ہذا اس کا انتہائی مقصود جو وہ اپنے مریدین سے بذریعہ مجاہدات یعنی روزہ، بیداری، گوشہ نشینی، خاموشی، ورع زہد وغیرہ وغیرہ حاصل کرنا چاہتا ہے، صرف یہ ہے کہ وہ عبادات کو اس طریق پر عمل میں لائیں جس پر ان کے سلف صالح تھے، اور اس کے سوا ان کا کچھ مقصود نہیں تو ایسی حالت میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ان کا طریق کتاب وسنت سے ثابت نہیں، لیکن جبکہ سلف کا طریق اس پر چلنے والوں کے مٹ جانے سے مٹ گیا (اور نا اہلوں نے اس میں بدعتیں اختراع کر کے اس کو ایک طریق محدث بنا دیا) تو بعض لوگوں نے اسی کو طریق تصوف سمجھ کر اور بوجہ ان لوگوں کی کمی کے جو اہل طریق کی صفات سے متصف ہوں، یہ سمجھ لیا کہ طریق صوفیہ شریعت سے خارج ہے جیسا کہ ہم نے اس مبحث کو بسط کے ساتھ اپنی کتاب "المنهج المبين في بيان اخلاق العارفين" میں بیان کیا ہے۔

پس اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے (اور نہ بے ہوئے صوفیوں کے قول وفعل سے دھوکہ کھانا چاہئے اور نہ ناواقفوں کے طریق تصوف کو خلاف شریعت کہنے پر التفات کرنا چاہئے بلکہ طریق تصوف کو اس معیار پر حاصل کرنا چاہئے جو پیچھے بتلایا ہے (یعنی اتباع کتاب وسنت کے ذریعہ سے)۔ والحمد لله رب العالمين

اہمیت اتباع سلف

۲- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اس وقت تک کسی قول اور کسی فعل کے اختیار پر جرات نہیں کرتے جب تک کہ وہ اس کی حیثیت کو کتاب وسنت یا عرف (یعنی تعامل سلف) کے مطابق (بخوبی) نہ سمجھ لیں، (اور نہ جان لیں کہ آیا کتاب وسنت یا تعامل سلف کی بناء پر اس کا اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ پس جبکہ وہ اس طرح جانچ کر خوب اطمینان کر لیتے ہیں اس وقت اس کے اختیار پر جراءت کرتے

ہیں۔ کتاب وسنت کے ساتھ ہم نے عرف کا بھی ذکر کیا ہے سو) اس کی وجہ یہ ہے کہ عرف (یعنی تعامل) بھی منجملہ (ادلۂ) شریعت ہے۔ **قال اللہ تعالیٰ: ﴿خذ العفو وأمر بالعرف﴾** یعنی عفو کو اختیار کرو اور عرف کے مطابق حکم کرو، (اور چونکہ عرف سے مراد ہر عرف نہیں ہے بلکہ وہی عرف ہے جو خلافِ کتاب وسنت نہ ہو) لہٰذا معلوم ہوا کہ صوفیہ اپنے اقوال وافعال میں محض اپنے زمانہ کی رواج پر اکتفاء نہیں کرتے، کیونکہ اس قول وفعل رائج میں بھی یہ احتمال ہے کہ وہ منجملہ ان بدعات کے ہوں جن کی نہ کتاب شہادت دیتی ہے اور نہ سنت، اور (اس بناء پر وہ بدعت مردودہ ہو جو کہ تعامل شرع کے مشابہ ہوگئی ہے۔) حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک کہ سنت (اپنے متروک ہو جانے کے سبب لوگوں کی نظر میں) بدعت نہ ہو جائے اور یہ حالت نہ ہو جائے کہ جب کوئی بدعت چھوڑی جائے تو لوگ کہیں کہ سنت چھوڑ دی گئی (اور ایسا ہونا ممکن ہے) کیونکہ اولاد اپنے ماں باپ سے ایک بدعت کو لیتی رہتی ہے، پھر جبکہ بدعتوں کے تعامل کا زمانہ دراز ہو جاتا ہے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ایک سنت انہی سنتوں میں سے ہے جن کو جناب رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا ہے، (اور اس لئے سنت متروکہ بدعت سمجھی جاتی ہے، اور بدعت مروجہ سنت۔ پس یہ لوگ محض رواج کو کوئی شے نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس کی تحقیق کرتے ہیں کہ آیا یہ بدعاتِ مروجہ میں سے ہیں یا سنن متوارثہ میں سے؟ اور صوفیہ میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جس کا طرزِ عمل یہ ہے کہ جب اس کو ایک عمل کی دلیل کتاب سے اور اس سنت سے جو کتب حدیث وسیر وغیرہ میں ثابت ہے، نہیں ملتی تو وہ اپنے قلوب کے ذریعہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوتی ہے، پس جبکہ وہ (بحضور روحانی وکشفی) آنحضور کے سامنے حاضر ہوتی ہے تو آپ سے اس فعل کی نسبت استفسار کرتی ہے، اور جو آپ اسے کو حکم کر دیتے ہیں اس پر عمل کرتی ہے، مگر یہ بات بڑے لوگوں کے ساتھ خاص ہے، سب کے لئے نہیں ہے۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ کیا اس مقام والے بزرگ کے لئے یہ گنجائش ہے کہ

وہ لوگوں کو اس بات کا حکم دیں جس کا جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کو امر فرمایا ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو ایسا نہ کرنا چاہئے، کیونکہ یہ امر سنت صحیحہ ثابتہ من طریق النقل سے زائد ہے۔ اور جو شخص لوگوں کو ایسی بات کا حکم کرے جو ثابتہ من طریق النقل سے زائد ہو تو وہ لوگوں کو تعدی عن الحدود کا مکلف کرتا ہے، (کیونکہ دین جناب رسول اللہ ﷺ کی حیات میں مکمل ہو چکا ہے، اور اب اس میں ترمیم یا تنسیخ یا اضافہ کی گنجائش نہیں۔ پس تمام لوگ اسی دین ثابت کے اتباع کے مکلف ہیں، نہ کہ کسی امر زائد کے۔ ہاں اگر کوئی خود اس کو اختیار کرے تو مضائقہ نہیں جیسا کہ جملہ مذاہب مستنبطہ من الکتاب والسنۃ کے مقلدین کی حالت ہے (کہ وہ کسی خاص مذہب کے اختیار کرنے کے لئے مجبور نہیں ہیں، اور نہ ان کو کسی خاص مذہب کا مکلف کیا جا سکتا ہے۔ ہاں اگر وہ اپنی شہادت وجدان کی بناء پر کسی خاص مذہب کو اختیار کریں تو ان کو اختیار ہے) واللہ اعلم

(یہ بحث ضمناً آ گئی تھی۔ اب ہم پھر اصل مقصد کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ) سلف صالح عام لوگوں کو اور بالخصوص اپنے احباب کو کتاب وسنت کی پابندی اور بدعات سے علیحدہ رہنے کی ترغیب دیتے تھے، اور اس معاملہ میں بہت سختی کرتے تھے یہاں تک کہ............امیر المؤمنین عمرؓ بن الخطاب ایک بات کا ارادہ کرتے اور اس کو پختہ کر لیتے، پھر ان سے کوئی کہتا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے نہ خود ایسا کیا اور نہ دوسروں کو اس کا حکم دیا، تو جس بات کا وہ پختہ ارادہ کر چکتے تھے اس سے پلٹ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ جبکہ آپ کو اس کی اطلاع ہوئی کہ بعض کپڑے بول عجاز سے رنگے جاتے ہیں تو آپ نے ارادہ کیا کہ لوگوں کو ان کپڑوں کے اتارنے کا حکم دیں جن کو وہ پہنا کرتے تھے، تب کسی نے عرض کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایسا کپڑا خود بھی پہنا ہے اور آپ کے زمانہ میں اوروں نے بھی ایسے کپڑے پہنے ہیں، یہ سن کر آپ نے خدا سے استغفار کیا اور اپنے عزم سے پلٹ گئے، اور اپنے دل میں کہا کہ اگر اس کا نہ پہننا از قبیل ورع ہوتا تو جناب رسول اللہ ﷺ نہ پہنتے، نیز ہم تک یہ روایت بھی پہنچی ہے:

امام زین العابدینؒ نے اپنے صاحبزادہ سے فرمایا کہ مجھے ایک کپڑا بنا دو جس

کو میں قضاء حاجت کے وقت پہن لیا کروں اور نماز شروع کرتے وقت اس کو اتار ڈالا کروں، کیونکہ میں نے مکھیوں کو دیکھا ہے کہ وہ (پہلے) نجاست پر بیٹھتی ہے اور پھر میرے کپڑے پر بیٹھتی ہیں۔ اس پر ان کے صاحبزادہ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس نماز اور قضاء حاجت دونوں کے لئے ایک ہی کپڑے تھے، یہ سن کر امام اپنے اس کام سے پلٹ گئے جس کے کرنے کا آپ نے پختہ ارادہ کرلیا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ منقول یہ ہے کہ نہ جناب رسول اللہ ﷺ کے کپڑے پر مکھی بیٹھتی تھی اور نہ آپ کے بدن پر۔ پس جو دلیل ان کی صاحبزادہ نے بیان کی وہ صحیح نہیں ہوسکتی، بجز اس صورت کے کہ انہوں نے یہ فرمایا ہو کہ آپ نے کسی کو ایسا کرنے کا امر نہیں فرمایا۔ پس اس میں غور کرلینا چاہئے۔

رہا وہ قصہ جو حضرت بایزید بسطامیؒ سے منقول ہے، یعنی یہ کہ آپ کے پاس ایک کپڑا نماز کے لئے تھا اور ایک قضاءِ حاجت کے لئے، سو اس کی وجہ مکھیوں کا بیٹھنا نہیں ہے جیسا کہ حضرت امام زین العابدین کو پیش آیا تھا بلکہ یہ از قبیل ادب[1] تھا کہ قضاءِ حاجت کا کپڑا نماز کا کپڑا نہ ہو۔ جیسا کہ فقہاء نے حاجت کے وقت استقبال

(۱) اس توجیہ پر بتغیر عنوان وہی اعتراض پڑتا ہے جو امام زین العابدین کے صاحبزادے نے اپنے پدر بزرگوار پر کیا تھا، یعنی اگر یہ ادب ہوتا تو جناب رسول اللہ ﷺ اس کا لحاظ فرماتے، حالانکہ ایسا نہیں کیا۔ اور اس سے اس قیاس کا ضعف بھی ظاہر ہے جو کہ استقبال واستدبار پر کیا گیا ہے، کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے استقبال واستدبار سے منع فرمایا ہے مگر قضاء حاجت ونماز کے لئے ایک کپڑا رکھنے سے منع نہیں فرمایا۔ نیز اگر نہی عن الاستقبال کی وجہ اتحاد جہت صلاۃ وخلاء ہوتی تو استدبار ممنوع نہ ہوتا، کیونکہ اس میں دونوں جہتوں میں اسی قدر مخالفت ہے جس قدر قضاء وحاجت وصلاۃ میں۔ پس میرے نزدیک زیادہ عمدہ یہ توجیہ ہے کہ حضرت بایزید کو قطرہ کا عذر ہوگا چھینٹوں کے شبہ کی بنا پر اس طریق کو اختیار فرمایا ہوگا۔ اس توجیہ پر بایزید کا فعل سنت سے متجاوز نہ ہوگا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ بطریق ادب ہی ایسا کرتے ہوں مگر اس وقت ان کا یہ فعل سنت سے متجاوز ہوگا، اگرچہ وہ غلبۂ حال کے سبب اس میں معذور رہوں، لیکن اس کو استقبال واستدبار پر قیاس کرکے شریعت میں داخل کرنا مناسب نہیں۔ واللہ اعلم

واستدبار قبلہ کی حرمت کے بارے میں کہا ہے کہ شارع کا مقصود یہ ہے کہ جہت قضائی حاجت وہ جہت نہ ہونی چاہئے جونماز کے لئے کھڑے ہونے کی ہے۔ فافہم

پس اے بھائی تو اپنے تمام اقوال وافعال وعقائد میں سنت مصطفویہ کا اتباع لازمی طور پر اختیار کر اور کسی فعل پر اقدام نہ کر، تا آنکہ تجھے کتاب وسنت کے موافق کا علم نہ ہو جاوے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کہتا ہے کہ طریق صوفیہ بدعت ہے، وہ جھوٹا اور مفتری ہے، اور جب وہ ہی شخص بدعتی ہوگا جو مخالفت شریعت سے ڈرتا اور کسی کام کے کرنے میں اس وقت تک توقف کرتا ہے جب تک کہ اسے اس کے موافق شریعت ہونے کا علم ہو جاوے تو روئے زمین پر کوئی متبع سنت ہی نہ رہے گا۔ والحمد للہ رب العالمین

اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا

۳- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ حضرات اپنے اور اپنی اولاد واحباب کے معاملہ کو بکثرت خدا کے سپرد کرتے ہیں، (اور جبکہ یہ صورت ہے) تو ان کا اعتماد ان کی ہدایت (اور دیگر معاملات) میں خدا کے سوا کسی پر نہیں ہوتا، اور وہ کبھی کوئی چیز بطور خود اور اس حالت میں طلب نہیں کرتے کہ اس حالت میں وہ خدا پر اعتماد سے غافل ہوں (بلکہ وہ جو چیز بھی طلب کرتے ہیں، اس میں ان کی نظر خدا پر ہوتی ہے)، حاصل یہ ہے کہ حضرات صوفیہ اول تو کوئی خواہش ہی نہیں کرتے بلکہ ہر معاملہ کو خدا پر چھوڑ دیتے ہیں کہ جو آپ کے نزدیک بہتر ہو وہ کیجئے۔ اور جو کبھی کوئی خواہش کرتے بھی ہیں تو اس وقت بھی ان کی نظر غیر اللہ پر نہیں ہوتی بلکہ ان کی نظر صرف خدا پر ہوتی ہے کہ وہی کرنے والا ہے اور وہی کرے گا۔

اس کے بعد تفویض وغیرہ کے متعلق بعض واقعات بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ) میرے لڑکے عبدالرحمٰن کو طلب علم کی رغبت نہ تھی اور اس کی طرف سے میں ضیق میں تھا تو حق تعالیٰ نے مجھے الہام فرمایا کہ میں اس کے معاملہ کو خدا کے سپرد کردوں،

(اور اپنی خواہش بالکل فنا کردوں۔) سو میں نے ایسا ہی کیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی رات سے وہ خود بخود بلا میرے کہے، علم کا مطالعہ کرنے لگا اور اسی رات سے اسے علم کی چاٹ لگ گئی۔ اور اس کی سمجھ ان لڑکوں کی سمجھ سے بڑھ گئی جو برسوں پہلے سے علم میں مصروف تھے۔ پس میرے اس کے معاملہ کو خدا کے سپرد کردینے کی وجہ سے اس نے مجھے اس کوفت سے نجات دی جس میں میں (اس کی بدشوقی کے سبب) مبتلا تھا۔ اللہ تعالیٰ اسے علماء باعمل میں سے بنادے۔ آمین۔

اور میں نے اپنے شیخ سیدی علی خواص کو فرماتے سنا ہے کہ کوئی چیز علماء وصلحاء کی اولاد کے لئے اس سے زیادہ نافع نہیں کہ ان کے لئے ان کی پیٹھ پیچھے دعا کی جاوے، اور ان کے معاملہ کو خدا کے سپرد کیا جاوے، کیونکہ ان کی تربیت اس طور پر ہوتی ہے کہ وہ اپنے باپ پر ناز کرتے ہیں۔ اور اگر ماں ہوتی ہے تو وہ ان کی مدد کرتی ہے، نیز وہ لوگوں کی اس تعظیم پر اکتفا کرتے ہیں جو ان کے باپ کی وجہ سے ان کی کیجاتی ہے، ان وجوہ سے اکثر ان کو فضائل علمیہ وعملیہ حاصل کرنے کی رغبت نہیں ہوتی، کیونکہ وہ اپنے دل میں کہتے ہیں کہ علم اور ریاضت میں مشغول ہوکر ہم جس جاہ کے حاصل کرنے کی زحمت گوارا کرتے، وہ ہم کو ہمارے باپ کی بدولت حاصل ہوگئی (لہٰذا اب ہمیں کسی محنت ومشقت کی ضرورت نہیں۔ اور یہ خیال کرکے وہ علم وعمل سے کورے رہ جاتے ہیں،) بخلاف عام آدمیوں کے خاص کر کسانوں کی اولاد کے کہ وہ آنکھ کھول کر حکام اور ان کے سپاہیوں کی طرف سے مار پیٹ، قید اور دیگر اقسام کی توہین دیکھتے ہیں اور وہ ان سے سخت توہین کے ساتھ خراج لیتے ہیں اور اس وقت وہ ایسا چارۂ کار سوچتے ہیں جو ان کو اس بلا سے آزاد کردے۔ تب حق تعالیٰ ان کو علم اور قرآن میں مشغول ہونے کا الہام فرماتے ہیں اور تعلیم میں مصروف ہوجاتے ہیں، پھر جس قدر لوگ ان کی تعظیم کرتے ہیں اسی قدر علم اور مجاہدہ کی طرف ان کی رغبت زیادہ ہوجاتی ہے حتی کہ وہ پڑھتے پڑھتے شیخ الاسلام یا شیخ طریق ہوجاتے ہیں۔

اور سیدی شیخ احمد زاہدؒ اپنے صاحبزادے کو ہر خلوت (کے موقع) پر چالیس

روز تنہا چھوڑتے تھے اور (دروازہ بند کر کے چالیس روز تک) نہ کھولتے تھے اور کہتے تھے کہ بیٹا اگر معاملہ میرے قبضہ میں ہوتا تو میں معرفت طریق میں کسی کو بھی تجھ پر مقدم نہ کرتا (بلکہ) سب سے اکمل تجھ ہی کو بناتا (مگر کیا کیجئے کہ سب کچھ خدا کے اختیار میں ہے اور وہی جس کو جس قدر چاہتا ہے دیتا ہے۔)

پس میں کہتا ہوں کہ بعض علماء وصلحاء کی اولاد میں (جیسے شیخ تقی الدین اور شیخ سراج الدین کی اولاد) اس قاعدہ کی مخالفت کی گئی اور ان کی اولاد نہایت کامل ہوئی ہے۔ علی ہذا ہمارے زمانہ کے علماء وفقراء کی ایک جماعت میں اس کی مخالفت کی گئی ہے، جیسے سیدی محمد بن البکری الرملی وسیدی عبدالقدوس بن الشناوی وسیدی علی بن الشیخ محمد منیر وسیدی محمد بن الشیخ ابی الحسن الغمری اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات جن کا ہم نے طبقات العلماء والصوفیہ میں ذکر کیا ہے، جس کا نام ہم نے ''لواقح الانوار فی طبقات الاخیار'' رکھا ہے کہ یہ لوگ اپنے آباء کی طرح علم وعمل میں کامل ہیں۔ خدا مسلمانوں میں ایسے لوگوں کی کثرت کرے اور ہم کو ان کی برکات سے نفع بخشے۔ آمین والحمد للہ رب العالمین۔

علم وعمل میں اخلاص

۴- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے علم اور ان کے عمل میں کثرتِ اخلاص ہوتی ہے اور وہ ان میں ریاء کے داخل ہونے سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور اے بھائی چونکہ ان دونوں باتوں کی لوگوں کو اس زمانہ میں بہت ضرورت ہے، اس لئے ہم اس مضمون کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احادیث صحیحہ میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن پیدا کی جس میں ایسی ایسی چیزیں پیدا کیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی آدمی کے دل میں کبھی ان کا خیال آیا تو اس سے فرمایا کہ کچھ بول، اس پر اس نے تین مرتبہ کہا کہ کامل الایمان اشخاص (جن کے لئے

مجھ ایسی جنت بنائی گئی ہے) کامیاب ہوگئے ۔ پھر کہا کہ میں ہر بخیل اور ریاکار پر حرام ہوں (اس سے ریاء کی مذمت صاف طور پر معلوم ہوگئی ۔) اور وہب بن منبہ فرماتے تھے کہ جو شخص آخرت کے کام سے دنیا طلب کرتا ہے خدا اس کے دل کو اوندھا کر دیتا ہے (جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے ادراکات غیر صحیح ہو جاتے ہیں اور جو بات سمجھتا ہے الٹی ہی سمجھتا ہے، اور اس کا نام دوزخیوں کے دفتر میں لکھ دیتا ہے، (اس سے اخلاص کی ضرورت ثابت ہوئی) ۔

اور حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے کہ جو شخص اپنی معلومات (دینیہ) پر عمل کرتا ہے وہ بے شبہ خدا کا دوست ہے (جس درجہ کامل ہوگا اسی مرتبہ کی دوستی ہوگی ۔) اور سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ میری والدہ نے مجھ سے کہا کہ تو ہرگز علم حاصل نہ کرنا ، بجز اس صورت کے کہ تیری نیت اس پر عمل کرنے کی ہو ورنہ وہ قیامت کے روز تجھ پر وبال ہوگا ۔ اور حسن بصریؒ کثرت سے اپنے نفس پر ان الفاظ سے عتاب فرماتے اور سرزنش کرتے تھے : اے نفس تو باتیں تو نیکوں ، فرمانبرداروں اور عابدوں کی سی کرتا ہے مگر کام فاسقوں ، منافقوں اور ریاکاروں کے سے کرتا ہے ، (پس تو کیسا مدعی اخلاص ہے) مخلصین کی یہ باتیں نہیں ہوتیں ۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے اعمال میں ساحر [1] سے زیادہ ہوشیار نہ ہوگا ضرور ریاء میں پھنس جائے گا ، (اس لئے اعمال میں نہایت ہوشیاری سے کام لینا چاہئے تاکہ ریا پیدا نہ ہونے پائے) ۔

ذوالنون مصریؒ سے کسی نے کہا کہ آدمی کس وقت سمجھے کہ وہ مخلصین میں سے ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جب وہ اعمالِ صالحہ میں پوری کوشش صرف کر دے (اور اس

(۱) ساحروں وغیرہ کے عملیات میں کچھ شرائط ہوتی ہیں ، جن کی بناء پر ان کے عملیات کام دیتے ہیں اور وہ ضرر سے محفوظ رہتے ہیں ، اور اس لئے وہ نہایت ہوشیاری سے ان کی پابندی کرتے ہیں ، اور ذرا غفلت نہیں کرتے ۔ بنابریں ساحر کی ہوشیاری کا ذکر کیا گیا ہے ۔

وقت بھی) اس کو پسند کرے کہ میں معزز نہ سمجھا جاؤں۔ (مطلب یہ ہے کہ یہ بات فی نفسہ اخلاص کی علامت ہے، اور یہ مطلب نہیں کہ اس وقت آدمی کو اپنے کو مخلص سمجھ لینا چاہئے۔ اولاً اس لئے کہ شاید اس کو تشخیص میں غلطی ہوئی ہو، وہ سمجھتا ہو کہ مجھے یہ مرتبہ حاصل ہو گیا اور درحقیقت اسے یہ مرتبہ حاصل نہ ہوا ہو۔ اور ثانیاً اس لئے کہ سوء الظن بنفسہ ہر حالت میں آدمی کے لئے لازم ہے۔) اور محمد بن المنکدرؒ فرماتے تھے کہ میں اپنے بھائیوں کے لئے اس کو پسند کرتا ہوں کہ وہ اپنی حالت رات کو ظاہر کریں، کیونکہ رات کی عمدہ حالت دن کی بہتر حالت سے اس لئے بڑھی ہوئی ہے کہ دن میں تو لوگ اس کو دیکھتے ہیں (اور اس لئے پورا اخلوص نہیں ہوسکتا) اور رات میں وہ خاص حق تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے، (اور اس لئے اس میں ریا کا شائبہ نہیں ہوتا)۔ اور ایک مرتبہ یونس بن عبیدؒ سے کسی نے عرض کیا کہ کیا آپ نے کوئی ایسا شخص دیکھا ہے جو حسن بصریؒ کا سا عمل کرتا ہو تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے تو ایسا بھی نہیں دیکھا کہ ان کی سی بات ہی کہتا ہو، تو میں ایسا شخص کیسے دیکھ سکتا ہوں جو ان کے سے کام کرتا ہو، ان کا وعظ دلوں کو رلاتا تھا، اور دوسروں کا وعظ آنکھوں کو بھی نہیں رلاتا۔

یحیٰ بن معاذ سے کہا گیا کہ آدمی صاحبِ اخلاص کب ہوتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جبکہ اس کی خصلت دودھ پینے والے بچے کی سی ہو جاوے کہ وہ اس کی پرواہ نہ کرے کہ کون اس کی تعریف کرتا ہے اور کون مذمت۔

ابو السائبؒ کی یہ حالت تھی کہ جب ان کو قرآن یا حدیث وغیرہ سن کر رونا آتا تو بجائے رونے کے بتکلف مسکرا دیتے (تاکہ ان کا تأثر لوگوں کو معلوم نہ ہو)۔ اور ابو عبداللہ انطاکیؒ فرماتے تھے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ریاکار سے کہے گا کہ اپنے عمل کا ثواب اس سے لے جس کے دکھلانے کو تو نیکی کرتا تھا، اور ان ہی سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب ریاکار قیامت کے دن اپنے عمل کا ثواب طلب کرے گا تو اس سے کہا جاوے گا کہ اپنے عمل کا ثواب اس سے لے جس کے دکھلانے کو

کرتا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس طلبگار ثواب سے کہا جاوے گا کہ کیا تیرے علم وعمل کی وجہ سے مجالس میں تیرے لئے جگہ کشادہ نہیں کی گئی؟ کیا تو دنیا میں سردار نہ تھا؟ کیا لوگ بیع وشراء میں تیرے ساتھ رعایت نہ کرتے تھے؟ کیا وہ تیری عزت نہ کرتے تھے؟ کیا یہ نہ تھا کیا وہ نہ تھا؟ (غرض اس قسم کی گفتگو کی جائے گی اور تمام ان مقاصد کو جتلایا جائے گا جو نیک اعمال سے اس کو مقصود تھے، اور جتلا کر بتلا دیا جاوے گا کہ تو یہاں کسی اجر کا مستحق نہیں۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ جب تک آدمی لوگوں کے ساتھ مانوس رہتا ہے، ریا سے محفوظ نہیں رہتا۔ (اس لئے جو شخص ریا سے بچنا چاہے اس کو انس باللہ اور وحشت از مخلوق اختیار کرنی چاہئے)۔

انطا کیؒ کہتے تھے کہ آراستہ بننے والے تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو علم سے آراستہ بنتے ہیں، دوسرے وہ جو عمل سے آراستہ بنتے ہیں، اور تیسرے وہ جو ترک زینت سے آراستہ بنتے ہیں۔ اور یہ تیسری قسم کے لوگ سب سے زیادہ غامض اور سب سے زیادہ شیطان کو پسند ہیں، (کیونکہ یہ لوگ شیطان کے لئے بہ نسبت پہلی دو قسم کے لوگوں کے زیادہ کارآمد ہیں، اس لئے کہ ان کی شکستہ حالی کے سبب لوگ ان کے تباہ حال پر بہت مشکل سے مطلع ہوں گے اور بہت جلد ان کے پھندے میں آجائیں گے۔

ایاس بن معاویہؒ ابراہیم تیمیؒ کے بھائی ہیں اور دونوں میں سے کوئی دوسرے کی (سامنے تو درکنار اس کے) پیٹھ پیچھے (بھی) اس کی تعریف نہ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ تعریف بھی ایک قسم کا معاوضہ ہے، لہٰذا پسند نہیں کرتا کہ لوگوں کے سامنے تعریف کر کے اپنے بھائی کا ثواب کم کردوں۔

ابوعبداللہ انطا کیؒ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے اعمالِ ظاہرہ میں اخلاص کا طالب ہو اور دل سے مخلوق پر نظر رکھتا ہو وہ طلب محال میں مبتلا ہے، کیونکہ اخلاص قلب کا پانی ہے، اور ریاء اس کو مردہ کرنے والی ہے (پس یہ دونوں ضدین ہیں، اور اجتماع ضدین محال ہے تو طلب اخلاص بحالتِ مذکور محال ہے۔)

یوسف بن اسباطؒ فرماتے تھے کہ میں نے جب کبھی اپنے نفس کا محاسبہ کیا ہے مجھے یہی ثابت ہوا ہے کہ میں نرار یا کار ہوں۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ جو شخص مجمع میں اپنی مذمت کرتا ہے وہ درحقیقت اپنی تعریف کرتا ہے اور یہ بھی ریاء کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔

ابن السماکؒ فرماتے تھے کہ اگر وہ شخص جو اپنے علم وعمل میں ریا کار ہو، لوگوں کو اپنے دلی خیالات پر مطلع کردے تو لوگ (بھی) اس کو برا سمجھیں اور احمق بتلائیں، تو جب ریا اس قدر بری چیز ہے کہ ریاکار کے معبود خود اس کو برا سمجھتے ہیں تو اب غور کرلو کہ حق تعالیٰ جن کے ساتھ بحکم حدیث: ''**الریاء شرک اصغر**'' شرک کیا جارہا ہے تو اس کو کس قدر برا سمجھیں گے۔

ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے تھے کہ اپنے بھائی سے اس کے روزہ کی بابت سوال مت کر (یعنی یہ نہ پوچھ کہ تو روزے سے ہے یا نہیں) کیونکہ اگر وہ کہتا ہے کہ میں روزہ دار ہوں تو اس سے اس کا نفس خوش ہوگا، اور اگر کہے کہ میں روزہ دار نہیں ہوں تو اس کا نفس غمگین ہوگا، اور یہ دونوں ریاء کی علامتوں میں سے ہیں۔ نیز اس میں سائل کی جانب سے مسئول کی رسوائی اور اس کی قابل اخفا حالت پر مطلع ہونا ہے، (کیونکہ یہ سوال اسی وقت کیا جاوے گا جبکہ روزہ نہ رکھنے کا شبہ ہو، اور روزہ نہ رکھنا یہ ایک قابل اخفاء حالت ہے، پس اس کو معلوم کرنے کی کوشش نہ چاہئے)۔

عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے تھے کہ ایک شخص خانۂ کعبہ کا طواف کرتا ہے اور اہل خراسان کو (جو وہاں سے کوسوں دور ہیں) دکھلاتا ہے، کسی نے (متعجبانہ) سوال کیا کہ یہ کیونکر؟ تو فرمایا کہ بایں معنی کہ وہ اس کو پسند کرتا ہے کہ اہل خراسان اس کے بارے میں یہ کہیں کہ فلاں شخص طواف اور سعی کے لئے مکہ میں سکونت پذیر ہے، مبارک ہو اس کو۔ (اس سے ثابت ہوا کہ ریا صرف لوگوں کی موجودگی تک ہی محدود نہیں بلکہ ان کی غیبوبت میں بھی ممکن ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی خلوت میں عمل کرے اور اس کی خواہش کرے کہ کاش لوگ مجھے اس حالت میں دیکھیں اور میری تعریف

کریں)۔

فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ پہلے تو ہم نے لوگوں کو اس حالت میں پایا تھا کہ وہ نیکیوں میں ریاء کرتے تھے جو وہ کرتے تھے، اور اب لوگوں کی یہ حالت ہے کہ ان باتوں میں ریاء کرتے ہیں جو وہ نہیں کرتے یعنی پہلے لوگ ارضائے خلق کے لئے نیک کام کرتے تھے اور اب نیک کام بھی نہیں کرتے بلکہ نیکیوں کی صورت بنا کر اس کا یقین دلانا چاہتے ہیں کہ وہ نیک کام کرتے ہیں، پس یہ لوگ پہلے ریا کاروں سے کہیں بدتر ہیں۔) نیز جب وہ حق تعالی کا قول: ﴿ونبلوا اخبارکم﴾ (ہم تمہارے حالات جانچیں گے) پڑھتے تھے تو فرماتے تھے کہ اگر آپ ہمارے اعمال کی جانچ کریں گے تو ہم رسوا ہو جائیں گے اور ہماری پردہ دری ہوگی، آپ ارحم الراحمین ہیں (ہم پر رحم فرمایئے اور ہمیں جانچ سے معاف فرمایئے)

ایوب سختیانیؒ فرماتے تھے کہ منجملہ بے کئے ہوئے کاموں کے دکھلاوے کے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی دوسرے لوگوں کے علمی مضامین اور مقالات یاد کر کے لوگوں کے مقابلہ میں بڑا بنے، کیونکہ جس کے ذریعہ سے وہ بڑا بنتا ہے نہ وہ اس کا عمل ہے اور نہ استنباط، (پس اس کو اپنی طرف منسوب کرنا تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ شخص بڑا عالم اور بہت نیک ہے، غیر واقعی بات کی ریا ہے)۔

ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے تھے کہ جو شخص اس کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کو اچھا کہیں، نہ وہ متقی ہے اور نہ باخلاص۔

عکرمہؒ فرماتے تھے کہ نیتِ نیک کی کثرت کرو، کیونکہ ریاء نیت ہی میں داخل ہوتی ہے۔ (پس جب نیت کی اصلاح کا اہتمام کیا جاوے گا اس وقت ریاء سے تحفظ ہو سکتا ہے ورنہ نہیں)۔

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ جب صاحب نیت اسلام میں داخل ہو چکا تو اب اس کو فروع اسلام میں سے کسی میں نیت اخلاص کی ضرورت نہیں (بلکہ اس کا ہر فعل اخلاص پر محمول اور عنداللہ مقبول ہوگا بشرطیکہ کوئی بری نیت موجود نہ ہو)۔

ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے تھے کہ مؤمن اعمال اسلام میں سے جو عمل بھی اس طرح کرتا ہے کہ اس کی کچھ نیت نہیں ہوتی تو اس میں نیت اسلام اس کے لئے کافی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں حنفیہ کی تائید ہے۔[1]

نعیم بن حمادؒ فرماتے تھے کہ ہماری پیٹھ کا کوڑوں کی مار کھانا ہمارے لئے نیت صالحہ سے زیادہ آسان ہے (یعنی ہم مار تو کھا سکتے ہیں مگر ہمارے لئے یہ امر سخت دشوار ہے کہ اعمال صالحہ میں نیت کو خلل سے محفوظ رکھیں، کیونکہ اس میں کچھ نہ کچھ ریاء ضرور شامل ہو جاتی ہے)۔

منصور بن المعتمرؒ و ثابت بنانیؒ فرماتے تھے کہ جب ہم نے علم حاصل کیا تو ہماری اس وقت کچھ نیت نہ تھی، اس کے بعد (جب ہم علم حاصل کر چکے) تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں نیت صالحہ عطا فرمادی، کیونکہ علم میں یہ خاصیت ہے کہ وہ صاحب علم کو اخلاص پر برانگیختہ کرتا ہے اور وہ اس کو حاصل کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے حاصل ہو جاتا ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ اہل جنت کا جنت میں، اور اہل دوزخ کا دوزخ میں دخول تو عمل کی بناء پر ہوگا، اور خلود نیت کی بناء پر (کیونکہ کفار کا یہ ارادہ ہوتا ہے کہ ہم کبھی ایمان نہ لاویں گے، اور مؤمنوں کا قصد یہ ہوتا ہے کہ ہم کبھی کافر نہ ہوں گے اگرچہ ہم کو دنیا میں خلود ہو، اس لئے سزا و جزا میں خلود ہوا)

ابوداؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کتاب لکھتے وقت عالم کا مقصود دین کی مدد ہونا چاہئے نہ کہ حسن تالیف کے سبب ہمعصروں میں اپنی تعریف، اور توراۃ میں ہے کہ (اے اللہ) جو عمل تو قبول کرے وہ (فائدہ کے لحاظ سے) بہت ہے اگرچہ (مقدار میں) کم ہو، اور جس عمل کو تو رد کر دے وہ فائدہ کے اعتبار سے) کم ہے اگرچہ

(۱) میں کہتا ہوں کہ علامہ نے تائید کی وجہ بیان نہیں کی تاکہ اس میں غور کیا جاتا۔ شاید ان کا مقصود یہ ہو کہ وضو میں حنفیہ کے نزدیک نیت شرط نہیں ہے۔ سو اگر ایسا ہے تو قول مذکور میں حنفیہ کی کوئی تائید نہیں۔ کما لا یخفی

(مقدار میں) بہت ہو۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ جب سچوں سے بھی ان کے صدق کے متعلق سوال ہوگا۔ اسماعیل وعیسیٰ علیہما السلام (اور ان کے صدق وخلوص کی بھی جانچ پڑتال ہوگی) تو ہم ایسے جھوٹوں کا کیا حال ہوگا (جہاں) خلوص کا نام بھی نہیں)۔

داؤد طائیؒ نے ایک مرتبہ کپڑا الٹا پہن لیا تو لوگوں نے کہا کہ آپ اس کو (اس حالت سے) بدل کیوں نہیں دیتے (اور سیدھا کیوں نہیں کر لیتے)؟ اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس کو خدا کے لئے پہنا ہے اس لئے میں نہ بدلوں گا، (مطلب یہ ہے کہ پہنتے وقت خلوص تھا، اور بدلنا اس خیال سے ہوگا لوگ بیوقوف نہ بتلادیں اور ان کو برا نہ معلوم ہو۔ یہ ریا ہے اس لئے میں خلوص کو ریاء سے نہیں بدل سکتا۔)

امیر المؤمنین علی بن ابی طالبؓ فرماتے تھے کہ ریاکار کی تین علامتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب وہ اکیلا ہوتا ہے تو (اعمالِ صالحہ میں) کاہلی کرتا ہے اور نوافل بیٹھ کر پڑھتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جب آدمیوں کے ساتھ ہوتا ہے تو خوب جی کھول کر اعمالِ صالحہ کرتا ہے، اور تیسرے یہ کہ جب لوگ تعریف کریں تو خوب عمل کرتا ہے اور جب برا کہیں تو اس میں کمی کر دیتا ہے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جس قدر اعمال اپنے ظاہر کر کے کئے ہیں، ان کو میں لاشی محض سمجھتا ہوں، کیونکہ جب لوگ دیکھتے ہوں اس وقت اخلاص کا باقی رکھنا ہم ایسوں کی قدرت سے باہر ہے۔

ابراہیم تیمیؒ نوجوانوں کا سا لباس پہنتے تھے (اور اہل علم کا سا لباس نہ پہنتے تھے) اس لئے بجز ان کے دوستوں کے اور کوئی نہ پہچانتا تھا کہ یہ علماء میں سے ہیں، اور فرماتے تھے کہ اخلاص وہ ہے جو اپنی نیکیوں کو یوں چھپادے جس طرح وہ اپنے برائیوں کو چھپاتا ہے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ جس عالم کا حلقۂ درس بڑا ہوتا ہے اس میں خود پسندی آجاتی ہے الا ماشاء اللہ۔

حسن بصریؒ کا طاؤسؒ پر گذر ہوا جبکہ وہ ایک بڑے حلقے میں بیٹھے ہوئے حرم شریف میں حدیث پڑھا رہے تھے، پس آپ ان کے پاس گئے اور ان کے کان میں فرمایا کہ اگر تمہیں اپنی یہ حالت پسند آتی ہے تو (تمہارے عمل میں خلوص نہیں ہے (لہٰذا) تم اس مجلس سے اٹھ کھڑے ہو (اور درس موقوف کردو) تو طاؤسؒ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔

ابراہیم بن ادہمؒ کا بشر حافیؒ کے حلقۂ درس پر گذر ہوا تو آپ نے ان کے حلقۂ درس کے بڑا ہونے کے سبب ان پر اعتراض کیا اور فرمایا کہ اگر یہ حالت کسی صحابی کی ہوتی تو ان کو بھی اپنے نفس پر خود پسندی کا خوف ہوتا (پھر آپ تو کس شمار میں ہیں، لہٰذا آپ کو اتنا بڑا حلقۂ درس نہ رکھنا چاہئے)۔

سفیان ثوریؒ اپنے پاس (درس کے وقت) تقریباً تین آدمیوں سے زیادہ نہ بیٹھنے دیتے تھے، پس آپ نے ایک روز درس شروع کیا تو دیکھا کہ حلقہ بہت بڑا ہوگیا، آپ یہ دیکھ کر گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ہم بے خبری میں پکڑ لئے گئے، (مطلب یہ تھا کہ ہم گناہ کررہے ہیں اور ہمیں پتہ بھی نہیں) واللہ اگر امیر المؤمنین عمرؓ بن الخطاب مجھ سا شخص کو اس عظیم الشان مجمع میں مسند درس پر بیٹھا ہوا دیکھتے تو فوراً اٹھا دیتے اور فرماتے کہ تجھ سا شخص اس کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ نیز ان کا قاعدہ تھا کہ جب احادیث لکھانے بیٹھتے تو مرعوب اور خائف ہوتے۔ اور کوئی بدلی ان پر گذرتی تو خاموش ہو جاتے یہاں تک کہ وہ گذر جاتی، اور فرماتے کہ مجھے اندیشہ ہے اس میں پتھر ہوں جن کو وہ ہم پر برسائے۔

ایک مرتبہ اعمشؒ کے حلقۂ درس میں کوئی طالب علم ہنس پڑا تو آپ نے اسے ڈانٹا اور اٹھا دیا اور فرمایا کہ تو وہ علم حاصل کرتا ہے جس کا خدا نے تجھے مکلّف کیا ہے۔ (اس کا مقتضا یہ تھا کہ تجھے سوچ اور فکر ہوتی مگر بجائے اس کے تو اس سے غفلت کرتا ہے) اور (لاابالی طور پر) ہنستا ہے (نہایت شرم کی بات ہے) پھر اس کو تعزیرا دو مہینہ تک چھوڑے رکھا، (اور اس کے بعد قصور معاف کردیا۔)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگر کتاب اللہ میں ایک آیت نہ ہوتی تو تم سے حدیثیں نہ بیان کرتا (کیونکہ مجھے خود پسندی کا خوف ہے)، وہ آیت یہ ہے: ﴿إن الذين يكتمون ما أنزلنا من البينات والهدى﴾ الآية

جبکہ سفیان ثوریؒ نے احادیث بیان کرنا چھوڑ دیا تو لوگوں نے اس بارے میں ان سے گفتگو کی، اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ بخدا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی شخص خدا کے لئے علم سیکھتا ہے تو میں خود اس کے گھر جاتا اور اس کو آنے کی تکلیف نہ دیتا، (مگر کیا کیجئے کہ لوگوں کو تعلیم سے خدا مقصود ہی نہیں تو میں فضول زحمت کیوں اٹھاؤں۔)

ایک روز سفیان بن عیینہؒ سے کہا گیا کہ آپ مسندِ درس پر بیٹھ کر ہم کو حدیث کیوں نہیں پڑھاتے تو آپ نے فرمایا کہ نہ میں تمہیں اس کا اہل پاتا ہوں کہ تمہیں حدیثیں سناؤں اور نہ میں اپنے کو اس کا اہل پاتا ہوں کہ تم مجھ سے حدیثیں سنو۔ میری اور تمہاری بالکل ایسی مثال ہے جیسا کسی نے کہا ہے کہ سب کے سب رسوا ہو گئے تو آپس میں اصطلاح مقرر کر لی (یعنی من ترا حاجی بگویم، تو مرا حاجی بگو)۔

حاتم اصمؒ فرماتے تھے آجکل مساجد میں تعلیم علم کے لئے صرف دو قسم کے لوگ بیٹھتے ہیں۔ ایک وہ جو دنیا سمیٹنا چاہتے ہیں، اور دوسرے وہ جن کو یہ خبر نہیں کہ اس بارہ میں ان کے فرائض کیا ہیں۔

عبداللہ بن عباسؓ باوجود جلیل القدر عالم ہونے کے جب قرآن کی تفسیر سے فارغ ہوتے تو فرماتے کہ اس مجلس کو استغفار پر ختم کرو (کیونکہ ہم سے اس کے حقوقِ اخلاص وغیرہ ادا نہیں ہوئے)۔

شداد بن حکیمؒ فرماتے تھے کہ جس کے اندر یہ تین باتیں ہوں اسکو چاہئے کہ وہ تعلیم علم کے لئے بیٹھے ورنہ چاہئے کہ مسندِ درس پر بیٹھنا چھوڑ دے۔ ایک یہ کہ وہ لوگوں کو خدا کی نعمتیں یاد دلائے تاکہ وہ اس کا شکر ادا کریں۔ دوسرے یہ کہ وہ ان کے گناہ یاد دلائے تاکہ وہ توبہ کریں، اور تیسرے یہ کہ وہ ان کو ان کا دشمن ابلیس یاد دلائے تاکہ وہ

اس سے بچیں۔

ابن وہبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ سے دریافت کیا کہ راسخین فی العلم (جن کا قرآن میں ذکر ہے) کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: علماء باعمل، اور (فرمایا کہ) علم سے زیادہ عزت کی چیز کوئی نہیں، کیونکہ صاحب علم، علم کے ذریعہ سے سلاطین پر حکومت کرتا ہے۔

عبداللہ بن المبارکؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک آدمی کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: بااخلاص اور باعمل عالم، پھر پوچھا گیا کہ اچھا سلاطین کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ دنیا سے بے رغبت اشخاص، پھر کہا گیا کہ رذیل کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو اپنے علم وعمل اور دین کے معاوضہ میں دنیا کھاتے ہیں۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ علماء زمانوں کے چراغ ہیں، اور ہر عالم اپنے زمانہ کا چراغ ہے، جس سے اس کے زمانہ کے لوگ روشنی حاصل کرتے ہیں، اور اگر علماء نہ ہوتے تو لوگ ڈھوروں کی طرح ہوتے (کہ ان کو نہ اچھے کی خبر ہوتی نہ برے کی)، اور اس لئے دن رات شہوات نفسانیہ میں مصروف رہتے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ علم کی زندگی دو باتوں سے ہے۔ ایک تو اس کے متعلق سوال سے، اور دوسرے اس پر عمل سے، اور اس کی موت ان کے چھوڑ دینے سے ہے۔ (پس جب تک تحقیق اور عمل قائم رہیں گے علم زندہ رہے گا، اور جب یہ دونوں باتیں نہ رہیں گی علم مردہ ہو جاوے گا)۔

عکرمہؒ فرماتے تھے کہ علم اس کو سکھاؤ جو اس کی قیمت ادا کرے، اس پر ان سے پوچھا گیا کہ قیمت کیا ہے؟ فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ عالم علم کو اس کے سپرد کرے جو اس پر عمل کرے۔ (یعنی عمل کرنا اس کی قیمت ہے)۔

سالم بن ابی الجعدؒ فرماتے تھے کہ (ابتداء میں میں نہایت بے وقعت شخص تھا کیونکہ میں غلام تھا اور غلام بھی معمولی کہ) میرے آقا نے مجھے (صرف) تین سو درہم میں خرید اتھا، اس کے بعد میں علم میں مشغول ہوا تو (میری عزت کی یہ حالت ہوئی کہ) ایک

سال بھی نہیں گذرا تھا کہ بادشاہِ وقت مجھ سے ملنے آیا اور میں نے اس کے لئے دروازہ نہ کھولا۔ (یہ ان کے خلوص اور استغنا کا اثر تھا، ورنہ دنیادار عالم خود امراء کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں اور وہ ان کے لئے دروازہ نہیں کھولتے)۔

شعبیؒ فرماتے تھے کہ علماء کا قاعدہ یہ ہے کہ جب وہ علم حاصل کر لیتے ہیں تو اس پر عمل کرتے ہیں، اور جب وہ عمل کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں سے ملنے کی فرصت نہیں ہوتی، اور جب ان کو لوگوں سے ملنے کی فرصت نہیں ہوتی تو وہ لوگوں سے گم ہو جاتے ہیں، اور جب وہ جاتے ہیں تو لوگ انہیں ڈھونڈتے ہیں، اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت میں سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو ہوگا جس کو اللہ نے اس کے علم سے نفع نہیں پہنچایا، نیز حدیث شریف میں ہے کہ عنقریب لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ اس کے جاہل عبادت گذار ہوں گے (جن کو یہ خبر نہ ہوگی کہ عبادت کس طرح کیا کرتے ہیں، اور ان کے عالم بدکار ہوں گے، (اس لئے اس زمانہ کے جاہل بھی خراب ہوں گے اور عالم بھی)۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے کہ جو شخص مشکلات میں بے توقف اور بے تأمل فتوے دیتا ہے، وہ اپنے آپ کو دخولِ نار کے لئے پیش کش کرتا ہے، نیز فرماتے تھے کہ جو شخص ہر ایسی بات کا جواب دیتا ہے جو لوگ اس سے پوچھیں، وہ دیوانہ ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ تم ان لوگوں میں نہ ہو جو علماء کا علم جمع کرتے اور اس میں احمقوں کی چال چلتے ہیں (یعنی اس پر عمل نہیں کرتے)، اور ہمیں حضرت عیسی علیہ السلام کا یہ ملفوظ پہنچا ہے کہ علم بہت ہے مگر سارا نافع نہیں (کیونکہ سب پر عمل نہیں کیا جاتا) اور علماء بھی بہت ہیں مگر سب ہدایت یافتہ نہیں (بلکہ بہت سے گمراہ بھی ہیں)۔

ابراہیم بن عتبہؒ فرماتے تھے کہ قیامت میں سب سے زیادہ ندامت اس کو ہوگی جو علم کے ذریعہ سے لوگوں کے مقابلہ میں بڑا بنتا ہے۔

امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ فرماتے تھے کہ سب سے زیادہ خوف اس امت پر مجھے اس شخص کا ہے جو زبان سے عالم اور دل سے جاہل ہو، (یعنی اس کا علم صرف زبان

تک ہو اور دل پر اس کا کچھ اثر نہ ہو)۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ علم عمل کو پکارتا ہے، اب اگر وہ اس کی آواز پر لبیک کہے فبہا ورنہ وہ رخصت ہو جاتا ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ علم کی برکت عمل پر موقوف ہے، اگر عمل ہو گا اس کی برکت رہے گی ورنہ زائل ہو جائے گی، اور یہ مطلب نہیں کہ خود علم بھی نہ رہے گا کیونکہ یہ مشاہدہ کے خلاف ہے۔

عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے تھے کہ آدمی اسی وقت تک عالم رہتا ہے جب تک وہ یہ سمجھتا ہے کہ شہر میں اس سے زیادہ جاننے والے بھی ہیں، اور جب وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے اس وقت وہ جاہل ہو جاتا ہے، (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اعلمیتِ مطلقہ کسی کو عطا نہیں فرمائی بلکہ لوگوں کے علم میں عام وخاص من وجہ کی نسبت رکھی ہے، یعنی بہت سے تو ایسے علوم ہیں جو دو شخصوں میں مشترک ہوتے ہیں اور بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو ایک کو حاصل ہوتے ہیں اور دوسرے کو نہیں ہوتے، اور بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو بالعکس ہوتے ہیں۔ پس جو علوم مشترک ہیں ان میں تو دونوں برابر ہیں، اور جو علم مخصوص ہیں ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت ہوتی ہے، بعض وجوہ سے ایک شخص اعلم ہوتا ہے اور بعض وجوہ سے دوسرا شخص، اس لئے جب تک آدمی یہ سمجھے گا کہ مجھ سے بھی کوئی زیادہ جاننے والا ہے اس وقت تک اس کا علم صحیح ہے، اور جب اس نے یہ سمجھ لیا کہ میں سب سے زیادہ جاننے والا ہوں تو اب یہ جہل مرکب ہو گیا، اور وہ عالم سے جاہل بن گیا۔ واللہ اعلم

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ جب میں دیکھتا ہوں کہ دنیا نے کسی عالم کو کھلونا بنا لیا ہے، اور وہ اس کو جس طرح چاہتی ہے نچاتی ہے تو مجھے اس پر رونا آتا ہے۔ اگر قراء و محدثین دنیا سے بے رغبتی (کی مشقت) پر صبر کرتے تو لوگ ان کو رومال (کی طرح بے وقعت) نہ بنا لیتے۔ ارے کیسی بری بات ہے کہ لوگ یوں کہیں کہ فلاں عالم یا عابد فلاں تاجر کے روپیہ سے حج کرنے آیا ہے۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے تھے کہ جب عالم، طالب دنیا ہو جاتا ہے تو اس کی آب

وتاب جاتی رہتی ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ (دنیا میں) علماء کی سزا ان کی مردہ دلی ہے اور ان کی مردہ دلی ان کے اعمال آخرت کے ذریعہ سے دنیا کو طلب کرنے سے ہوتی ہے کہ وہ اس کے ذریعہ سے اہل دنیا کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔

سعید بن المسیبؒ فرماتے تھے کہ جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ امراء کے دروازوں پر جاتا ہے تو (سمجھو کہ) وہ چور ہے (جو کہ اہل علم کا بھیس بدل کر مال چرانا چاہتا ہے)۔

اوزاعیؒ فرماتے تھے کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو اس عالم سے زیادہ ناپسند نہیں ہے جو (دنیا کے لئے) کسی حاکم سے ملاقات کرتا ہے۔

مکحولؒ فرماتے تھے کہ جو قرآن پڑھتا اور علم دین حاصل کرتا ہے پھر بلا کسی حاجتِ ضروریہ کے کسی امیر کے گھر جاتا ہے تو جتنے قدم وہ رکھتا ہے اتنے قدم وہ دوزخ میں گھستا ہے۔

مالک بن دینارؒ فرماتے تھے کہ میں نے بعض آسمانی کتابوں میں پڑھا ہے کہ (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) آسان ترین برتاؤ جو میں عالم کے ساتھ کرتا ہوں جبکہ وہ اپنے علم سے دنیا کو طلب کرتا ہے، یہ ہوتا ہے کہ میں اس کو اپنی لذیذ مناجات سے محروم کر دیتا ہوں (کیونکہ جب دنیا کی طرف رغبت ہوگی تو دین کی طرف سے بے پروائی ہوگی اور اس لئے وہ عبادات جن میں حق تعالیٰ سے مناجات ہوتی ہے، مثل نماز وتلاوتِ قرآن ودعا، ادا نہ کرسکے گا، اور اگر کرے گا تو نہایت بے توجہی کے ساتھ، جس میں کوئی لذت یا حلاوت نہ ہوگی، بلکہ محض ضابطہ کی کارروائی ہوگی۔ واللہ اعلم

امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ فرماتے تھے کہ جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ وہ دنیا سے محبت کرتا ہے تو اسے بددین سمجھو، کیونکہ ہر عاشق کا قاعدہ ہے کہ وہ اسی میں منہمک ہوتا ہے جس سے اسے محبت ہوتی ہے اور اس کے ماسوا سے مستغنی ہوتا ہے، پس اس کا دنیا میں منہمک ہونا دلیل ہے اس کے دین سے مستغنی ہونے کی۔ اور دین سے مستغنی ہونا

عین بد دینی ہے، پس وہ ضرور بد دین ہے)۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں: بڑے تعجب کی بات ہے کہ زبانیں (بھلائی برائی کو) بیان کرتی ہیں اور دل ان کو جانتے ہیں اور اعمال ان کی مخالفت کرتے ہیں (یعنی جس کو زبان سے اچھا کہا جاتا ہے اور دل سے اچھا سمجھا جاتا ہے، عملاً اس کو ترک کیا جاتا ہے اور جس کو زبان سے بُرا کہا جاتا ہے اور دل سے بُرا سمجھا جاتا ہے عملاً اس کو اختیار کیا جاتا ہے۔ کس قدر حیرت انگیز بات ہے۔

حاتم اصمؒ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ بدنصیب وہ عالم ہوگا جس کے علم پر دوسرے عمل کریں اور وہ خود اس پر عمل نہ کرے، (بدنصیبی کی وجہ ظاہر ہے)۔

ابراہیم تیمیؒ فرماتے تھے کہ جب کبھی میں نے اپنے قول کو اپنے عمل پر پیش کیا ہے (میرے عمل نے میرے قول کی تکذیب کی ہے اور) میں نے اپنے عمل کو اپنے قول کا مکذب پایا ہے۔

ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے تھے کہ ہم نے اپنے کلام کی اصلاح کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس میں غلطی نہ کی، اور عمل میں غلطی کی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کبھی اس کی اصلاح نہ کی (کس قدر حیرت انگیز بات ہے، کیونکہ اصلاح کلام جس کی طرف اس قدر توجہ ہے، کچھ بھی ضروری نہیں۔ اور اصلاح عمل جس کی طرف سے اس قدر بے پروائی ہے نہایت ضروری ہے، پس غیر ضروری میں اس قدر انہماک اور ضروری میں اتنی غفلت سراسر حماقت ہے۔

اوزاعیؒ فرماتے تھے کہ جب اصلاح کلام آتی ہے تو قاری و سامع سے خشوع رخصت ہو جاتا ہے (یعنی سامع و قاری میں خشوع اسی وقت تک رہتا ہے جب تک کہ کلام میں بے ساختگی رہے اور تکلف نہ آئے، اور جب تکلف آ گیا تو پھر نہ قاری میں خشوع رہتا ہے اور نہ سامع میں۔ قاری میں خشوع نہ رہنے کی وجہ تو ظاہر ہے، رہا سامع سو اس میں خشوع نہ رہنے کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ قاری کے عدم خلوص کا عکس سامع کے دل پر پڑے گا اور اس وجہ سے اس میں بھی خلوص نہ رہے گا۔ واللہ اعلم

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ملفوظ پہنچا ہے کہ جو شخص علم سیکھتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا اس کی حالت اس عورت کی حالت کے مشابہ ہے جس نے خفیہ زنا کیا ہو (اور اس کی کسی کو اطلاع نہ ہو)، اور پھر اس کو درد زہ ہو تو وہ رسوا ہو جاوے، پس (جس طرح یہ عورت رسوا ہو جاتی ہے) یوں ہی قیامت میں سب کے سامنے اللہ تعالیٰ اس شخص کو رسوا کرے گا جس نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ جب شیطان تم میں سے کسی کے پاس ایسی حالت میں آوے کہ وہ نماز پڑھ رہا ہو اور اس سے کہے کہ تو ریا کار ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ نماز کو اور لمبا کر دے (تاکہ آئندہ اسے ایسے وسوسہ کی جرات نہ ہو ورنہ یہ اس کو اعمال خیر میں مزاحمت کا اچھا گر ہاتھ آ جاوے گا، اور جب کوئی کسی عمل کا ارادہ کرے گا وہ فوراً یہ ہی وسوسہ ڈالے گا کہ تو ریا کار ہے اور اس طرح وہ عمل چھوٹ جاوے گا)۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ لوگوں کی وجہ سے عمل کرنا ریا ہے اور ان کی وجہ سے عمل چھوڑنا شرک ہے، اللہ تعالیٰ تجھے ان دونوں سے نجات دے۔ میں[1] کہتا ہوں کہ لوگوں کی وجہ سے ترکِ عمل کی معنی یہ ہیں کہ آدمی اس موقع پر عمل کرنا پسند کرے جہاں لوگ اس کی تعریف کریں، اور اگر وہ کسی کو اپنی تعریف کرنے والا نہ پائے تو کاہلی کرے اور عمل چھوڑ دے۔

---

(۱) احقر کے نزدیک ترک عمل للناس کا یہ محمل صحیح نہیں، کیونکہ یہ ترک تو ریاء کے آثار میں سے ہے، اور کوئی مستقل شی نہیں، بلکہ صحیح یہ ہے کہ ترک عمل للناس سے مراد ترک عمل لارضاء الناس ہے، اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ آدمی دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو اچھے کام کو اور اس کے کرنے والے کو اچھا سمجھتے ہیں اور دوسرے وہ جو اچھے کام کو اور اس کے کرنے والے کو برا سمجھتے ہیں۔ پس طالب دنیا اول قسم کے لوگوں کی خاطر اچھے کام کرتے ہیں اور یہ ریاء ہے، اور دوسری قسم کے لوگوں کی خاطر اچھے کاموں کو ترک کر دیتے ہیں، یہ ترک عمل للناس ہے جس کو شرک کہا گیا ہے، اور یہ مقابل ہے ریاء کا۔ فتدبر

بشر حافیؒ فرماتے تھے کہ ہم ایسوں کے لئے یہ بھی مناسب نہیں کہ اپنے اعمالِ خالصہ میں سے بھی کچھ ظاہر کریں، (کیونکہ ہم ان کو خالص سمجھتے ہیں مگر ہمارا خلوص ہی میں کیا شی ہے کہ اس کی بناء پر اپنے اعمال کو خالص اور ظاہر کرنے کے قابل سمجھیں اور جبکہ اعمالِ خالصہ کی یہ حالت ہے) تو ان اعمال کی کیا حالت ہوگی جن میں صریحاً ریاء داخل ہو چکی ہے، پس ہم ایسوں کے لئے تو اعمال کا اخفاء ہی مناسب ہے، اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حواریین سے فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کے روزہ کا دن ہو تو اسے چاہئے کہ اپنے سر اور ڈاڑھی کو تیل لگائے اور اپنے ہونٹوں کو (یوں) پونچھے (جیسے آدمی کچھ کھا کر پونچھتا ہے) تا کہ لوگ اس کو روزہ دار نہ سمجھیں (مگر یہ بات نفل روزہ میں ہونی چاہئے نہ کہ فرض میں، کیونکہ ایسا کرنا لوگوں کو بدگمانی میں مبتلا کرتا ہے۔ نیز اس سے بعض لوگوں پر برا اثر بھی پڑتا ہے اور اس کی دیکھا دیکھی وہ بھی روزہ چھوڑ دیتے ہیں، اور یہی حالت دوسرے فرائض ونوافل کی بھی ہے یعنی فرائض کا اظہار اور نوافل کا اخفاء مناسب ہے۔ یہ حکم اصلی ہے مگر عوارض کی وجہ سے کبھی بعض فرائض کا اخفاء اور بعض نوافل کا اظہار مناسب ہو جاتا ہے۔ فتدبر مترجم

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ علم وعمل وہی بہتر ہے جو لوگوں سے مخفی ہو۔

عکرمہؒ فرماتے تھے کہ میں نے اس شخص سے زیادہ کم عقل نہیں دیکھا جو اپنی برائی جانتا ہو اور لوگوں سے یہ چاہے کہ وہ اس کو عالم اور صالح کہے۔ مسلمانوں کے قلوب کے لئے یہ امر ضروری ہے کہ وہ اس کی اس بدخصلتی پر مطلع ہو، (تا کہ اس سے دھوکہ نہ کھاوے) اور اس شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کانٹے بوئے اور اس کی خواہش کرے کہ اس پر چھوارے لگیں۔

قتادہؒ فرماتے تھے کہ جب عالم اپنے علم وعمل سے ریاکاری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں اسے تو دیکھو کہ یہ ہم سے ٹھٹھا کرتا ہے اور ہم سے ڈرتا نہیں حالانکہ ہم صاحبِ عظمت وجبروت ہیں۔ (ریاء کو ٹھٹھا کرنا اس لئے فرمایا کہ جو شخص کسی کو بناتا اور اس سے مسخرہ پن کرتا ہے تو وہ بظاہر اس کی تعظیم کرتا ہے مگر مقصود تعظیم نہیں

ہوتی، اور ریاء کی بھی یہی حالت ہوتی ہے کہ وہ بظاہر عبادت کرتا ہے مگر مقصود عبادت نہیں ہوتی۔ فتدبر مترجم)

امیر المؤمنینؓ (کا قاعدہ تھا کہ) جب وہ کسی کو نماز میں گردن جھکائے دیکھتے تو اس کو درہ سے مارتے اور فرماتے کہ تیرا بھلا ہو، خشوع[1] دل میں ہے (نہ کہ گردن میں، پس تو دل جھکا، گردن کیوں جھکاتا ہے۔)

ابو امامہؓ کا ایک ایسے شخص پر گذر ہوا جو سجدہ میں پڑا ہوا رو رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ کام بہت اچھا تھا، اگر تیرے گھر میں ہوتا جہاں تجھے آدمی نہ دیکھتے (کیونکہ اس صورت میں ریا کا اندیشہ کم ہوتا، یا بالکل نہ ہوتا۔)

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ جو شخص ریا کار کو دیکھنا چاہے وہ مجھے دیکھ لے، (یہ ان کے خلوص کی دلیل ہے)۔

ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے تھے کہ میرا ایک پتھر پر گذر ہوا تو میں نے اس پر یہ لکھا ہوا دیکھا: تو جو کچھ جانتا ہے اس پر بھی عمل نہیں کرتا اور زیادہ علم کیسے طلب کرتا ہے؟ (مطلب یہ ہے کہ علم سے مقصود عمل ہے، اور جبکہ علم ہوا اور عمل نہ ہو تو وہ علم بندہ پر خدا کی حجت ہوتا ہے۔ پس جبکہ حاصل شدہ علم پر عمل نہیں تو تیری سزا کے لئے یہی کافی ہے، پھر کیا ضرورت ہے کہ مزید علم حاصل کر کے زیادہ سزا کا مستحق ہو)۔

یوسف بن اسباطؒ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی قوم سے کہہ دو کہ وہ اپنے اعمال کو مخلوق سے چھپاویں اور (میں وعدہ کرتا ہوں) کہ ان کو مخلوق پر ظاہر کردوں گا (اور اس طرح وہ مقصد بھی حاصل ہو جائے گا جو ریاء کاروں کا ریاء سے ہوتا ہے یعنی عزت عند الخلق اور وہ بھی حاصل ہو جائے گا جو مخلصین

(۱) خشوع فی الحقیقت افعال قلب میں سے ہے مگر کبھی افعال قلب کا اثر جوارح پر بھی پڑتا ہے، اس لئے جوارح سے بھی اس کا ظہور مستبعد نہیں۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھنا چاہئے کہ حضرت عمرؓ کا یہ مقصود نہیں کہ جوارح سے اس کا ظہور نہیں ہوتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ خشوع کو صرف دل تک محدود رہنا چاہئے، اور اگر جوارح پر اس کا اثر ہو تو بتکلف روکنا چاہئے۔ **وإنه أقرب إلى الإخلاص وأبعد من الرياء، ولله دره ما أدق نظره.**

کا ہوتا ہے یعنی عزت عند اللہ، پس اخفاء میں اظہار سے زیادہ فائدہ ہے اور مخلصین ریاکار سے بہت زیادہ نفع میں ہیں)۔ اور ابو عبد الرحمٰن زاہد اپنے نفس کو بہت ملامت فرماتے تھے اور اپنی دعا میں فرماتے تھے کہ اے اللہ مجھ سے زیادہ بد حال کون ہوگا؟ میں نے تیرے بندوں سے ظاہر میں امانت داری کے ساتھ معاملہ کیا اور خفیہ طور پر تجھ سے خیانت کے ساتھ برتاؤ کیا۔ فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ ہے کوئی جو مجھے ایسا عبادت گذار بتلاوے جو رات کو بہت روتا ہو اور دن میں بہت روزے رکھتا ہو، میں اسے دعا دوں گا۔ (اس سے مقصود اخلاص کی فضیلت کا بیان کرنا ہے۔ اور یہ مقصود اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ فضیل ایک ایسے شخص کے طالب ہیں جو باوجود عابد ہونے کے مشہور نہ ہو، یہ علامت ہے اس کے اخلاص کی، پھر جو اعمال اس کے بتلائے ہیں وہ یہ ہیں کہ رات کو روتا ہو اور دن کو روزہ رکھتا ہو، یہ بھی اس کے اخلاص کی دلیل ہے، کیونکہ یہ دونوں فعل مخفی ہیں۔

میمون بن مہرانؒ فرماتے تھے کہ عمدہ ظاہر بدون اچھے باطن کے اس پاخانہ کے مشابہ ہے جو باہر سے آراستہ ہو (اور اندر گندگی بھری ہو)۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ اگر تحصیل علم میں نیت درست ہو تو اس سے بہتر کوئی عمل نہیں مگر لوگ تو اس کو سوائے عمل کے (دوسرے اغراض کے لئے) سیکھتے اور اس کو دنیا کے شکار کا جال بناتے ہیں۔ (پھر اس میں خیریت کہاں؟)

سفیان ثوریؒ ایک روز فضیل بن عیاضؒ کے پاس گئے تو ان سے کہا کہ ابو علی مجھے کچھ نصیحت فرمایئے، اس پر فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا کہ میں آپ حضرات کو کیا نصیحت کروں (آپ خود اہل علم ہیں مگر اتنا کہتا ہوں کہ) اے علماء کی جماعت تم چراغ تھے، تم سے ملکوں میں روشنی حاصل کی جاتی تھی، سو اب تم سراسر تاریکی ہوگئے، اور تم ستارے تھے، تم سے ظلمات جہل میں راستہ معلوم کیا جاتا تھا، سو اب خود تم سراپا حیرت ہوگئے، تم میں سے ایک شخص ان حکام کے دروازوں پر جاتا ہے (ایک غلطی) پھر ان کے فرشوں پر بیٹھتا ہے (دوسری غلطی) اور ان کا کھانا کھاتا ہے (تیسری غلطی) اور ان کا

ہدیہ قبول کرتا ہے (چوتھی غلطی) پھر اتنی غلطیوں کے بعد (ہادی بن کے) مسجد میں جاتا ہے (اور اس میں مسند درس و وعظ پر) بیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم سے فلاں نے بیان کیا، وہ فلاں سے روایت کرتے ہیں، وہ جناب رسول اللہ ﷺ سے یہ مضمون روایت کرتے ہیں۔ (کس قدر نازیبا بات ہے) واللہ اعلم، یوں نہیں طلب کیا جاتا، (بلکہ اس کا طریق یہ ہے کہ اول خود عمل کرے پھر دوسروں کو بتلاوے) راوی کہتے ہیں کہ سفیانؒ (یہ سن کر) اتنے روئے کہ ہچکی بندھ گئی اور (اس کے بعد چپکے سے) چلے گئے۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ جب تم کسی عالم یا عابد کو دیکھو کہ وہ اس سے خوش ہوتا ہے کہ اس کی نیکی کا ذکر امراء اور اہل دنیا کے یہاں ہوتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ ریاکار ہے۔

سفیان بن عتبہؒ فرماتے تھے کہ جب تم کسی طالب علم کو دیکھو کہ وہ جس قدر زیادہ علم حاصل کرتا ہے اسی قدر زیادہ اس کی طبیعت دنیا اور خواہشاتِ دنیا کی طرف راغب ہوتی ہے تو اسے [1] علم نہ سکھاؤ، کیونکہ اسے علم سکھا کر اس کے دوزخ میں جانے میں اعانت کرو گے، (اس لئے کہ تم اسے علم سکھاؤ گے اور وہ اسے تحصیل دنیا کا آلہ بنائے گا، اور یہ امر دوزخ میں لے جانے والا ہے۔ پس تم سبب ہوئے اس کی دوزخ میں جانے کا، نہ تم اسے علم سکھاتے نہ وہ اسے آلہ بنا سکتا اور نہ دوزخ میں جاتا)۔

کعب بن احبارؒ فرماتے تھے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اس میں جہاں علم حاصل کریں گے پھر آپس میں تقرب امراء کی بناء پر یوں رشک و حسد کریں گے جیسے عورتیں آپس میں مردوں کی بناء پر کرتی ہیں، بس یہ حصہ ملتا ہے ان کو علم سے۔

صالح مریؒ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے علم میں اخلاص کا مدعی ہو اس کو چاہئے کہ وہ اس وقت اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو جبکہ لوگ اس کو جہل و ریاء کے ساتھ متصف

(۱) یہ حکم غایت ورع کی بنا پر ہے، ورنہ شرعاً ایسے شخص کو علم سکھانا جائز ہے، کیونکہ کسی ایسے امر میں جو فی نفسہ معصیت نہ ہو بلکہ اس کا معصیت ہونا موقوف فاعل مختار کے غلط استعمال پر ہو، کہیں مشروع غرض سے اعانت کرنا جرم نہیں۔ فتدبر

کریں۔ اب اگر وہ اس سے خوش ہو تو وہ سچا ہے اور اگر اس سے انقباض ہو تو وہ ریا کار ہے۔ نیز وہ فرماتے تھے کہ دنیا دار عالم کے پاس نشست رکھنے سے ڈرو، کیونکہ وہ تمہیں اپنے کو بنا سنوار کر اور بدون عمل کے علم واہل علم کی مدح کر کے بھالے گا (اور اس طرح تمہارا دین غارت کرے گا)۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ جن لوگوں کو اپنے علم سے دکھاوا مقصود ہوتا ہے اس کی شناخت یہ ہے کہ ان کا علم تو پہاڑوں کے برابر ہوتا ہے اور عمل چیونٹیوں کے برابر، (یعنی علم تو بہت کچھ ہوتا ہے اور عمل بالکل تھوڑا)، اور فرماتے تھے کہ اگر حاملِ علم اپنے علم پر عمل کرتا ہے تو اس کی تلخی کو محسوس کر لیتا اور کبھی اس پر عمل ہوتا ہے عالم ہونے پر) ناز نہ کرتا، علم سے مقصود عمل ہے اور اس لئے علم سراسر ذمہ داریوں کا مجموعہ ہے، اور جس قدر علم بڑھتا ہے اسی قدر ذمہ داریاں بڑھتی ہیں (پس جس پر ہزاروں بلکہ لاکھوں ذمہ داریاں عائد ہو جائیں اور ہر ذمہ داری کی خلاف ورزی پر نا قابلِ برداشت سزا ہو، اس کو ان ذمہ داریوں کے علم سے کیا خوشی ہو سکتی ہے)، پس کسی عالم کے لئے زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنے علم پر خوش ہو۔ ہاں پُلِ صراط سے گذر جانے کے بعد اس کو بے شک خوشی کا موقع ہے (اس وقت جتنا چاہے خوش ہو)۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ علم کو عمل کی غرض سے طلب کرو۔ اکثر لوگ اس میں غلطی کرتے ہیں، اور انہوں نے سمجھ لیا ہے کہ بدون عمل کے صرف علم سے نجات ہو جاوے گی۔ (اور اگر ایسا ہو) تو وہ آیات واحادیث کہاں جاویں گی جو علماء بے عمل کی تعذیب کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں۔ اور ذوالنون مصریؒ فرماتے تھے کہ پہلے ہم نے لوگوں کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ ان میں سے جس کسی کو جس قدر زیادہ علم ہوتا تھا اسی قدر اس کو دنیا سے بے رغبتی اور اس کے سامان کے کم کرنے کا خیال زیادہ ہوتا تھا، اور آج ہم ان کو اس حالت میں دیکھ رہے ہیں کہ جس کسی کو جتنا زیادہ علم ہوتا ہے اسی قدر اس کو دنیا کی رغبت اور اس کے سامان مثل لباس، طعام، مکان، بیویاں، سواری، حشم، خدم وغیرہ کی زیادتی کی خواہش زیادہ ہوتی ہے۔

سفیان بن عیینہؒ فرماتے تھے کہ حامل قرآن اس پر کیونکر عامل ہوسکتا ہے جبکہ وہ رات کو سوتا ہے اور دن کو روزہ نہیں رکھتا اور حرام اور مشتبہ اموال کھاتا ہے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ (اپنے زمانہ کے علماء کی نسبت) فرماتے تھے کہ اگر یہ علماء زندہ ہوتے تو جس وقت یہ حرام کھاتے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ کی تکلیف محسوس کرتے، (کیونکہ وہ بحکم ﴿إنما يأكلون في بطونهم نارا﴾ (آگ کھاتے ہیں) مگر وہ تو مردہ ہیں جو کہ مردار اور آگ کھائے جاتے ہیں (اور نہ ان کو نفرت ہوتی ہے اور نہ تکلیف)۔

منصور بن المعتمرؒ اپنے زمانے کے علماء سے فرماتے تھے کہ تم علماء نہیں، تم تو علم سے مزہ لینے والے ہو، تمہاری یہ حالت ہے کہ تم میں سے ایک شخص ایک مسئلہ سنتا ہے اور (بجائے اس کے کہ خود اس پر عمل کرے) دوسرے لوگوں سے بیان کر دیتا ہے۔ اور اگر تم اپنے علم پر عمل کرتے تو سخت تکلیف میں مبتلا ہوتے اور تمہارا علم تم کو ورع وتقوی پر برانگیختہ کرتا یہاں تک کہ تمہیں (بوجہ ندرت[1] حلال کے) کھانے کو روٹی بھی نہ ملتی (چہ جائیکہ تم مال و دولت اور سامانِ دنیا جمع کرو)۔

ربیع بن خثیمؒ فرماتے تھے کہ عالم کے لئے کیونکر جائز ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے علم سے ریا کاری کرے، حالانکہ وہ اپنی نسبت جانتا ہے کہ اس نے غیر اللہ کے لئے علم سیکھا ہے اور اس لئے وہ سرے ہی سے لاشی ہے۔ پس وہ ایک ایسی شی کے ذریعہ سے جو لاشی محض ہے، اپنے کو لوگوں پر فائق کیسے سمجھتا ہے؟

امام نوویؒ کی یہ حالت تھی کہ جب حاکمِ وقت ان کے پاس بے خبری میں جاتا اور وہ مدرسۂ اشرفیہ یا جامع بنی امیہ میں درس دیتے ہوتے تو اس کے آنے سے مکدر ہوتے اور جبکہ ان کو معلوم ہوتا کہ کوئی بڑا آدمی ان کے درس کے روز ان سے ملنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس روز درس کو اس خیال سے موقوف کر دیتے کہ امیر ان کو اس حالت میں دیکھے گا کہ وہ اپنے مجمع اور اپنے بڑے حلقے میں بیٹھے ہوں گے، اور فرماتے

(۱) کم پایا جانا

کہ مخلص کی علامت یہ ہے کہ وہ اس وقت جبکہ لوگ اس کی نیکیوں پر مطلع ہو جاوے، یوں مکدر ہو جس طرح اس وقت مکدر ہوتا ہے جبکہ وہ اس کی برائیوں پر مطلع ہوتے ہیں، کیونکہ اس سے نفس کا خوش ہونا معصیت ہے (کیونکہ یہ خوشی ریاء ہے)، اور ریاء (معصیت بلکہ) بہت سے معاصی سے سخت ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ اس زمانہ میں عالم کے لئے یہ بھی نازیبا ہے کہ وہ حلال سے پیٹ بھرے، (کیونکہ فسادِ زمانہ کی وجہ سے پیٹ بھرنے سے غفلت پیدا ہوتی ہے اور غفلت معاصی کی جڑ ہے، پس جبکہ حلال سے پیٹ بھرنے کی یہ حالت ہے) تو اس کا کیا حال ہوگا جو حرام سے پیٹ بھرتا ہے۔ واللہ اگر میں ایک لقمہ کھالوں اور وہ میرے پیٹ میں اینٹ کی طرح ہو جاوے تو میرے لئے میرے مرنے تک کافی ہو (اور مجھے دوسری غذا کی ضرورت نہ پڑے)، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ اینٹ پانی میں تین سو برس تک رہتی ہے۔ اور وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ علماء کی پرہیزگاری یہ ہے کہ مرغوبات کا کھانا چھوڑیں، رہے معاصی ظاہرہ سو ان کو تو اس خوف سے بھی چھوڑ دیتے ہیں کہ ان کی عظمت لوگوں کے دلوں سے نکل جاوے گی۔ نیز وہ فرماتے تھے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آخری[1] زمانہ میں ایسے لوگ آویں گے جو علم کو غیر اللہ کے لئے حاصل کریں گے تاکہ علم ضائع نہ ہو۔ (یعنی گو ان کی تعلیم کا مقصود علم کو ضائع ہونے سے بچانا نہ ہوگا، کیونکہ یہ مقصد ایک شرعی مقصد ہے جس کا انتفاء ان میں فرض کیا گیا ہے لیکن چونکہ یہ ان کے فعل پر مرتب ضرور ہوگا اس لئے اس کو غرض کی صورت میں بیان کر دیا گیا یعنی وہ تو غیر اللہ کے لئے علم سیکھیں گے مگر واقع میں اس سے یہ غرض حاصل ہوگی کہ علم محفوظ رہے گا۔ (مترجم) پھر وہ ان پر قیامت کی دن وبال ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ اس مضمون کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید بدکار آدمی کے ذریعہ سے (بھی) کرے گا، اور وجہِ تائید یہ ہے کہ ایسے آدمی گو خود بدکار ہیں مگر ان سے دین کی تائید اس

(۱) اصل عبارت یہ ہے: یاتی فی آخر الزمان رجال یتعلمون العلم لغیر اللہ کیلا یضیع، ثم یکون علیھم تبعۃ یوم القیامۃ۔ پس لفظ "یضیع" کی ضمیر میں غور کر لیا جاوے۔

لئے ہوتی ہے کہ ان کے ذریعہ سے آئندہ نسلوں کے لئے دین محفوظ رہتا ہے)۔

بکر بن عبداللہ مزنی ؒ فرماتے تھے کہ جس کو اپنے علم سے دکھاوا مقصود ہو، اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو علم کی ترغیب دے اور ان سے وہ خوبیاں بیان کرے جو اس میں ہیں، پھر اگر کوئی شخص اس سے اس کے ہم عصروں میں سے کسی سے پڑھنے کا مشورہ لے تو وہ اسے پوری ترغیب نہ دے، (کیونکہ ان دونوں باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ترغیب علم سے اس کا مقصود یہ ہے کہ لوگ اس کی شاگردی کریں اور اس طرح اسے جاہ و مال ملے ورنہ اگر اس کی ترغیب بے غرض ہوتی تو وہ ضرور دوسروں کی شاگردی کی بھی اسی زور کے ساتھ ترغیب دیتا جس طرح اس نے علم کی ترغیب دی تھی)۔

عبداللہ بن مبارک ؒ فرماتے تھے کہ اس زمانہ میں اہل علم پر حرام اور مشتبہ مال کھانے کی عادت غالب ہوگئی ہے حتی کہ وہ شکم پروری اور شہوت رانی میں بالکل ڈوب گئے ہیں اور انہوں نے اپنے علم کو جال بنالیا ہے جس سے وہ دنیا کا شکار کرتے ہیں۔

فضیل بن عیاض ؒ فرماتے تھے کہ اگر اہل قرآن وحدیث میں خرابی نہ آجاتی تو وہ تمام لوگوں سے بہتر ہوتے مگر انہوں نے اپنے علم کو پیشہ اور ذریعۂ معاش بنالیا ہے اور اس لئے وہ آسمانوں میں اور زمین میں دونوں جگہ ذلیل ہوگئے (یعنی خدا اور فرشتوں کے نزدیک بھی حقیر ہوگئے اور آدمیوں کے نزدیک بھی)۔

بشر حافی ؒ فرماتے تھے کہ عقلمند کی عقلمندی یہ ہے کہ علم میں ترقی کی اس وقت خواہش کرے جبکہ وہ اپنے موجودہ تمام معلومات پر عامل ہو جاوے، پھر (جب) اس نے ایسا کرلیا اور موجودہ تمام معلومات پر عامل ہوگیا) اس وقت اور علم سیکھے تاکہ اس پر عمل کرے۔

شعبی ؒ فرماتے تھے کہ علم کو اس حالت میں طلب کرو کہ تم روتے ہو، کیونکہ وہ سب خدا کے نزدیک تم پر حجت ہے۔

جب بشر حافی ؒ نے حدیث لکھوانے کے لئے بیٹھنا چھوڑ دیا تو لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ آپ قیامت میں خدا کو کیا جواب دیں گے؟ اس پر فرمایا کہ میں عرض

کروں گا اے اللہ! آپ نے مجھے اخلاص کا حکم دیا تھا اور میں نے اپنے نفس میں اخلاص نہ پایا۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ جب تم طالب علم کو دیکھو کہ وہ علم میں ترقی کا طالب ہے نہ کہ عمل میں، تو اس کو تعلیم نہ دو، کیونکہ جو شخص اپنے علم پر عمل نہیں کرتا اس کی مثال ایسی ہے جیسے حنظل کہ جس قدر وہ پانی سے سیراب ہوتا ہے اتنا ہی کڑوا ہوتا ہے۔ نیز وہ فرماتے تھے کہ جب تم طالب علم کو دیکھو کہ وہ کھانے، پینے، پہننے وغیرہ میں گڑبڑ کرتا ہے اور پرہیزگاری اختیار نہیں کرتا تو قیامت میں اس پر حجت کو ہلکا کرنے کی غرض سے اس کی تعلیم سے رک جاؤ۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص تمام علم حاصل کرے اور خدا کی یہانتک عبادت کرے کہ وہ (سوکھ کر لکڑی کے) ستون کی مانند یا پرانی مشک کی طرح ہو جاوے اور اس کی تحقیق نہ کرے کہ جو اس کے پیٹ میں جاتا ہے حلال ہے یا حرام، تو اللہ تعالیٰ اس کی کوئی عبادت قبول نہ کرے گا۔

بشر حافیؒ فرماتے تھے کہ ہم نے ایسے لوگوں کو پایا ہے جو اس وقت تک کسی کو علم نہیں پڑھاتے تھے جب تک کہ وہ برسوں اس کے نفس کو نہ سدھا لیتے، اور ان کو ان کی نیت کی درستی معلوم ہو جاتی۔

عبدالرحمٰن بن القاسمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ کی بیس برس خدمت کی ہے، سو ان میں سے اٹھارہ برس تو تعلیم ادب میں صرف ہوئے اور دو برس تعلیم علم میں۔ سو (اس پر بھی) مجھے تعلیم ادب کے زمانہ کی کمی کا افسوس ہے (اور میں کہتا ہوں کہ) اے کاش میں اس تمام زمانہ کو تعلیم ادب ہی میں صرف کرتا۔

امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ مجھ سے امام مالک نے فرمایا کہ اے محمد تم عمل کو تو آٹا بناؤ اور علم کو نمک، (یعنی جس طرح اصل مقصود آٹا ہوتا ہے اور نمک اس کی اصلاح کے لئے، یوں ہی تم عمل کو مقصود سمجھو اور علم کو اصلاح کا ذریعہ بناؤ۔

عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے تھے کہ جو شخص حاملِ قرآن ہو اور پھر بھی اس کا

دل دنیا کی طرف مائل ہو تو (سمجھو کہ) اس نے قرآن کی آیتوں کو دل لگی اور کھیل بنالیا ہے، اور جب حامل قرآن اپنے پروردگار کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کے اندر سے قرآن اس کو (بزبانِ حال) پکارتا ہے (اور کہتا ہے) کہ واللہ میں اس لئے نہیں حاصل کیا گیا، میری نصیحتیں اور میری دھمکیاں کہاں ہیں (اور تو ان کی طرف توجہ کیوں نہیں کرتا) اور میرا ہر حرف تجھے پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ اپنے پروردگار کی نافرمانی نہ کر۔

امام احمد بن حنبلؒ (کا قاعدہ تھا کہ) جب کسی طالب علم کو دیکھتے کہ رات کو نہیں اٹھتا تو اس کی تعلیم سے رک جاتے۔ کسی شب ابو عصمہ ان کے ہاں شب باش ہوئے، تو انہوں نے ان کے لئے وضو کا پانی رکھ دیا، پھر آپ قبل از فجر تشریف لائے تو ان کو سویا ہوا اور پانی کو بحالہ پایا تب آپ نے انہیں جگایا اور ان سے فرمایا کہ ابو عصمہ تم کس لئے آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ سے طلبِ حدیث کے لئے حاضر ہوا ہوں، اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ تم حدیث کے کیسے طلبگار رہو جبکہ تم رات کو تہجد نہیں پڑھتے، پس جہاں سے آئے ہو وہیں جاؤ (تم حدیث کے اہل نہیں ہو)۔

امام شافعیؒ صاحب فرماتے تھے کہ عالم کے کے لئے کوئی نیک کام ایسا ہونا چاہئے جو اس کے اور خدا تعالیٰ کے درمیان پردۂ راز میں ہو، (اور کسی کو اس پر اطلاع نہ ہو) کیونکہ جو علم و عمل لوگوں پر ظاہر ہوگا آخرت میں اس کا نفع کم ہوگا۔ اور کسی نے کسی کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں یوں نہیں دیکھا کہ اس نے کہا ہو کہ میرے علم نے مجھے نفع دیا بجز تھوڑے سے آدمیوں کے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو ان کے انتقال کے بعد کسی شخص نے خواب میں دیکھا اور کہا آپ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ خدا نے مجھے بخش دیا، اس پر اس نے کہا کہ کیا علم کی وجہ سے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ کجا علم اور کجا مغفرت، علم کے (نافع ہونے کی) بہت سی شرطیں اور بہت سے موانع ہیں۔ (اور تحقیق شروط و ارتفاع موانع نہایت مشکل ہے اور) بہت کم آدمی ان موانع سے نجات پاتے ہیں۔

بعض آدمیوں نے جنیدؒ کو ان کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا تو ان سے

عرض کیا کہ خدا نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس پر انہوں نے فرمایا کہ (بھائی) وہ اشارات بھی جاتے رہے، اور وہ عبادات بھی فنا ہوگئیں، اور کسی نے کچھ بھی نفع نہ دیا بجز ان چند معمولی رکعتوں کے جو ہم بڑے تڑکے پڑھ لیتے تھے۔

بعض لوگوں نے ابو سہل صعلوکی کو ان کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا اور کہا آپ کا علم کیا ہوا؟ انہوں نے فرمایا کہ علوم کے جس قدر دقائق تھے، میں نے سب کو ہباءً منثورا پایا بجز ان چند مسائل کے جن کو عوام نے مجھ سے دریافت کیا تھا (وہ تو بیشک نافع ہوئے)۔

پس اے بھائی ان بزرگوں کے اقوال وافعال معلوم کر لینے کے بعد تو اپنے علم وعمل میں اپنے نفس کو ٹٹول (اور دیکھ کہ ان میں اس کی حالت کیا ہے؟ پھر اگر تو اس میں دکھاوا، یا خواہش شہرت پائے جن کو یہ بزرگوار علماء باعمل وبا اخلاص (جن کے اقوال ابھی بیان کئے گئے ہیں) منع کرتے ہیں تو تو اپنے اوپر رویا کر (اوران کو چھوڑ نے کی کوشش کر۔) والحمد للہ رب العالمین.

جاہ طلب لوگوں سے ترک اختلاط

۵- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بھائی سے (تنبیہا یا حفاظت کے لئے قطع تعلق کر لیتے ہیں جبکہ وہ (بلا ضرورتِ شرعیہ وبلا مصلحت شرعیہ) امراء سے میل جول رکھے اوران کے دروازوں پر آوے جاوے۔ اور وجہ اس کی حدیث پر عمل کرنا ہے کہ جہنم میں ایک وادی ہے جس کو ہبہب کہا جاتا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے سرکشوں اور ان راہن اہل علم کے لئے مہیا کیا ہے جو ظالم حکام کے پاس جاتے ہیں۔ اور حاکمِ بصرہ نے ایک روز مالک بن دینارؒ سے کہا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کو کس چیز نے ہم سے سخت کلامی پر جرات دلائی ہے؟ اور کیا سبب ہے کہ ہم آپ کے مقابلہ پر قادر نہیں (سنئے) وہ آپ کی ہمارے مقبوضات میں بے طمعی اور ان سے بے رغبتی ہے۔

ابن السماکؒ فرماتے تھے کہ میں ایک روز حاکم بصرہ کے پاس گیا تو اس نے مجھ سے کہا اے ابن سماک مجھے کچھ نصیحت فرمایئے۔ اس پر اس سے کہا کہ تف ہے تجھ پر بھی جس نے تجھے لوگوں کے حقوق پر حاکم بنایا ہے، کیونکہ تم لوگ اس قابل ہو کہ تم سے پل بنائے جائیں (اور حکومت کے ہرگز قابل نہیں)۔

محمد بن واسع قتیبہ بن مسلم کے پاس گئے، اس وقت وہ صوف کا کرتہ پہنے ہوئے تھے اس پر قتیبہ نے کہا کہ آپ نے صوف کا کرتہ کیوں پہنا ہے؟ اس کے جواب میں محمد خاموش ہو گئے۔ اس پر اس نے کہا کہ کیا بات ہے کہ میں آپ سے بات کرتا ہوں اور آپ خاموش ہیں، اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ (آپ کے سوال کے جواب میں) اگر میں یہ کہتا ہوں کہ زہد سے (میں نے ایسا کیا ہے) تو یہ اپنا تزکیہ ہے (کہ میں دنیا کی طرف سے بے پرواہوں)، اور اگر میں کہتا ہوں ناداری سے (میں نے ایسا کیا ہے، تو یہ خدا کی شکایت ہے۔ اور یہ دونوں باتیں مجھے ناپسند ہیں، اس لئے بجز سکوت کے مجھے کوئی چارہ نہ تھا)۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ واللہ اگر ہارون الرشید میرے پاس آنے کی اجازت چاہے تو میں اسے اجازت نہ دوں بجز اس صورت کے کہ اس کے لئے مجبور کیا جاؤں حالانکہ میں درویش بھی نہیں۔ پھر یہ درویش کیسے ہیں جو خود بخود اس کے پاس جاتے ہیں۔

محمد بن ابراہیم والی مکہ مطاف میں سفیان ثوریؒ کو سلام کرنے آئے تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کا (اس موقع پر) سلام کرنے سے کیا مطلب ہے؟ اگر مطلب یہ ہے کہ میں یہ جان لوں کہ آپ بھی طواف کرتے ہیں، تو جایئے مجھے معلوم ہو گیا۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ امراء کے پاس جانے اور ان سے ملنے جلنے کا کوئی شخص اہل نہیں، بجز اس شخص کے جو امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ کی طرح (بے لاگ اور حق گو ہو)۔ رہے ہم ایسے آدمی سو ان میں ان کے پاس جانے کی اہلیت نہیں، کیونکہ یہ لوگ نہ ان کو روز روز نصیحت کر سکتے ہیں اور نہ ان کے ظلم و جور، ریشمین فرشوں اور

پردوں وغیرہ پر اعتراض کر سکتے ہیں۔

ایک مرتبہ امیر معاویہؓ کے یہاں لوگوں نے کوئی بات چھیڑی۔ احنف بن قیس بھی بیٹھے ہوئے تھے، سو وہ کچھ نہ بولے، اس پر امیر معاویہؓ نے ان سے فرمایا کہ کیا بات ہے آپ کچھ نہیں بولتے؟ اس کے جواب میں احنف نے کہا کہ میری خاموشی کا سبب یہ ہے کہ اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو خدا کا ڈر ہے، اگر سچ کہتا ہوں تو آپ کا خوف ہے (کہ وہ آپ کے خلاف مزاج ہوگا)، اس لئے میں نے خاموشی ہی کو بہتر سمجھا۔

(یہ تو حضرات مذکورین کے وہ ملفوظات تھے جن سے امراء کے ساتھ اختلاط کی مذمت اور ان کے ساتھ اہل اللہ کا برتاؤ معلوم ہوتا ہے) اور آئندہ دیگر ملفوظات بھی اس مقام کے مناسب متفرق طور پر آویں گے۔ **والحمد للہ رب العالمین۔**

ترک نفاق

۶- ہم سے سلف صالحین رضی اللہ عنہم کے اخلاق کے متعلق چند عہد لئے گئے ہیں۔ اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک خلق یہ بھی ہے کہ وہ ترکِ نفاق پر اس طرح عمل کرتے ہیں کہ (نیکی میں) ان کا باطن اور ظاہر دونوں بالکل یکساں ہوتے ہیں۔ اور اس بناء پر ان میں سے کسی کا کوئی عمل (ظاہر تو کجا مخفی بھی ایسا نہیں ہوتا)، جس کے سبب وہ کل کے روز آخرت میں رسوا ہو، (کیونکہ اول تو وہ حتی الوسع برا کام کرتے ہی نہیں، اور اگر بمقتضائے بشریت ان سے کبھی کوئی گناہ ہو جاتا ہے تو فوراً توبہ استغفار کر لیتے ہیں، جس سے وہ کالعدم ہو جاتا ہے)۔

ابوالعباس خضر علیہ السلام نے عمر بن عبدالعزیزؒ کو جو وصیت اس وقت فرمائی تھی جبکہ ان کی ان سے مدینہ مشرفہ میں ملاقات ہوئی، یہ تھی کہ انہوں نے ان سے فرمایا کہ عمر! خبردار ایسا نہ کرنا کہ ظاہر میں تو تو خدا کا دوست ہو اور پوشیدگی میں خدا کا دشمن۔ کیونکہ جس کی ظاہری اور پوشیدہ حالت یکساں نہ ہو وہ منافق ہے۔ اور منافقین دوزخ

کے سب سے نیچے کے درجہ میں ہوں گے،[1] یہ سن کر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اس قدر روئے کہ (آنسوؤں سے) ریش مبارک تر کردی، اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ آخر زمانہ میں ایسے گروہ پیدا ہوں گے جو دنیا کو اعمال آخرت کے ذریعہ سے یعنی دنیا کو دین کے ذریعہ سے طلب کریں گے۔ یہ لوگ نرمی کے سبب بھیڑوں کی کھالیں پہنیں گے۔ (یعنی اپنی نرم خوئی کے سبب ایسے ہوں گے جیسے بھیڑیں غریب ہوتی ہیں، اور یا یہ مطلب ہو کہ وہ حقیقۃً بھیڑوں کی کھالیں پہنیں گے تا کہ لوگوں پر اپنا زہد ظاہر کریں، مگر مقصود ان کا تنعم ہوگا)۔ ان کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہوں گی اور ان کے دل بھیڑیوں کے دلوں کے مانند ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی نسبت فرماتے ہیں: کیا یہ لوگ میرے متعلق دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں (اور یہ سمجھتے ہیں کہ میں ان سے مؤاخذہ نہ کروں گا) یا میرے مقابلہ میں دلیری سے کام لیتے ہیں (اور یہ سمجھتے ہیں کہ خدا ہمارا کیا کرسکتا ہے۔ آخر کیا بات ہے کہ یہ لوگ بداعمالی کی پروا نہیں کرتے، خیر کچھ بھی ہو۔ خواہ وہ دھوکے میں مبتلا ہوں یا جری و بے باک) میں اپنی قسم کھاتا ہوں کہ میں ان پر ایسا فتنہ بھیجوں گا کہ وہ ان کے عقلاء کو متحیر کردے گا (اور ان کو اس سے بچنے کی سبیل نہ معلوم ہوگی۔ اور بالآخر وہ اسی فتنہ میں ہلاک ہو جاویں گے)۔

مہلب بن ابی صفرہؒ فرماتے تھے کہ میں ایسے شخص کو ناپسند کرتا ہوں جس کی زبان اس کے فعل سے بڑھی ہوئی ہو، (مطلب یہ ہے کہ وہ زبان سے اچھی باتیں بیان کرتا ہو اور اعمال اچھے نہ کرتا ہو)۔

عبد الواحد بن زیدؒ فرماتے تھے کہ حسن بصریؒ اس رتبہ کو (جس رتبہ کو وہ پہنچے ہیں، اس سبب سے پہنچے ہیں کہ جب وہ لوگوں کو کسی بات کا حکم کرتے تھے تو سب سے

(۱) یہ عنوان تہدیدی ہے ورنہ ہر منافق کا یہ حکم نہیں کہ وہ دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقے میں ہوگا، بلکہ یہ حکم منافق کامل کا ہے، جو مظہر اسلام و مبطن کفر ہو۔ اور جن مسلمانوں میں نفاق کی بعض علامتیں پائی جاویں ان کا درک اسفل میں ہونا ضرور نہیں۔ اور یہ بحسب ظاہر ہے لیکن اگر یہ کہا جاوے کہ یہ سزا مطلق نفاق کی ہے اور نفاق عملی و اعتقادی میں خلود و عدم خلود کا فرق کیا جاوے تو گنجائش ہے۔ واللہ اعلم

پہلے وہ خود اس کو کرتے تھے، اور جس بات سے وہ ان کو منع کرتے تھے اس سے خود ان سے زیادہ دور اور محترز) ہوتے تھے (یہ تو ان کے تطابق قول وفعل کی حالت تھی) اور (تطابق ظاہر و باطن کی یہ حالت تھی کہ) اور لوگ کہتے تھے کہ ہم نے کسی کو نہیں دیکھا جس کا ظاہر اس کے باطن سے حسن بصریؒ سے زیادہ ملتا جلتا ہو۔

معاویہ بن قرہ فرماتے تھے کہ دل کا رونا (یعنی معصیت سے ندامت و پشیمانی) آنکھ کے رونے سے بہتر ہے۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے تھے کہ دل ہانڈیاں ہیں اور دل والوں کی زبانیں ان کی ڈوئیاں (مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہانڈی کا سالن ڈوئی کے ذریعہ سے نکالا جاتا ہے، یوں ہی دل کی بات زبان سے ظاہر کی جاتی ہے)۔ پس جس طرح سالن کا اصلی مقر ہانڈی ہوتی ہے یوں ہی عبودیت کا اصلی معدن قلب ہونا چاہئے (یعنی جس طرح تم منہ سے بندہ ہو یوں ہی دل سے بھی بندہ ہو، (اور یہ نہ ہونا چاہئے کہ زبان سے تو عبودیت و بندگی کا اقرار ہو اور دل سے اس کا انکار، بلکہ پہلے دل سے بندہ ہو اور پھر زبان سے)۔

مروان بن محمد فرماتے تھے کہ مجھ سے جس کسی کی تعریف کی گئی، میں نے اس کو اس تعریف سے جو تعریف کرنے والوں نے کی تھی کمتر پایا بجز وکیع کے کہ میں نے ان کو اس سے بڑھ کر پایا۔

عقبہ بن عامر فرماتے تھے کہ جب آدمی کا باطن اس کے ظاہر کے موافق ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ یہ واقعی میرا بندہ ہے۔

ابو عبد اللہ انطاکیؒ فرماتے تھے کہ سب اعمال میں افضل عمل مخفی گناہوں کا ترک ہے، کسی نے کہا کہ یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا اس لئے کہ جب آدمی مخفی گناہوں کو چھوڑے گا تو وہ ظاہر گناہوں کو تو بالاولیٰ چھوڑے گا۔ پھر (فرمایا کہ) جس کا باطن اس کے ظاہر سے افضل ہو تو یہ تو اعلیٰ درجہ ہے، اور جس کا ظاہر و باطن دونوں مساوی ہوں تو یہ اعتدال ہے، اور جس کا ظاہر اس کے باطن سے بڑھا ہوا ہے یہ ظلم ہے۔

یوسف بن اسباطؒ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نبی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی قوم سے کہہ دو کہ اپنے اعمال کو (میری رضا کے لئے) مخفی رکھیں (طلبِ جاہ و مال کے لئے لوگوں پر ظاہر نہ کریں، میں وعدہ کرتا ہوں کہ) میں ان کو ان پر ظاہر کردوں گا)، اور ایسا ہی مضمون اس سے پیشتر ایک خُلق میں گذر چکا ہے۔

ابو عبدالرحمٰن زاہدؒ اپنی مناجات میں فرمایا کرتے: ارے میری بدبختی کہ میں نے لوگوں کے ساتھ امانت کا معاملہ کیا اور اپنے پروردگار کے ساتھ خیانت کا، اے کاش! میں اس کا الٹا معاملہ کرتا، اور یہ فرما کر رونے لگتے۔

مالک بن دینارؒ فرماتے تھے کہ جو شخص لوگوں کو ایسی بات کا حکم کرے جس تک اس کا حال نہیں پہنچا (یعنی وہ خود اس پر عامل نہیں (تو وہ منافق ہے بجز اس صورت کے کہ کوئی از خود اس سے اس کا حکم دریافت کرے، (ایسی حالت میں بتلانے کا مضائقہ نہیں)، اور فرماتے تھے: دیکھنا یہ نہ ہو کہ دن میں نیک ہو اور رات میں بد شیطان۔ (یعنی یہ نہ کرنا چاہئے کہ لوگوں کو اپنی نیکی کا یقین دلانے کے لئے ان کے سامنے اچھے کام کرے، اور جب لوگ نہ دیکھتے ہوں تو شیطانی افعال کا مرتکب ہو۔

ابراہیم تیمیؒ کا یہ مقولہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ میں نے اپنے علم کو اپنے عمل پر پیش کیا تو میں نے اپنے نفس کو اپنی معلومات پر عامل نہ پایا۔

زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ تم اپنے نیک کاموں کا بھی مخفی ذخیرہ کرو جس طرح تمہارے پاس برے کاموں کا مخفی ذخیرہ ہے۔

معاویہ بن قرہؒ کا یہ قول پہلے گذر چکا ہے کہ ہے کوئی جو مجھے ایسا شخص بتلادے جو رات کو روتا ہو اور دن کو ہنستا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ کم ہیں۔

ابو مسلم خولانیؒ فرماتے تھے کہ یہ مجھ پر خدا کا انعام ہے کہ میں نے تیس برس سے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے شرم آوے، بجز اپنے بیوی کے ساتھ صحبت کے۔

ابو عبداللہ سمرقندیؒ کی جب کوئی تعریف کرتا تو آپ فرماتے کہ بخدا میری اور تمہاری حالت بالکل ایسی ہے جیسے اس لڑکی کی جس کی بکارت بدکاری سے زائل ہوگئی

اور اس کے گھر والوں کو خبر نہ ہو، پس گھر والے شبِ زفاف کو خوش ہوں اور وہ اپنی رسوائی کے خوف سے غمگین ہو۔

ابو امامہؓ ارمی کی مسجد میں لوگوں کے سامنے رونے کو برا سمجھتے تھے، کیونکہ اس میں ان کو ریاء کا خطرہ ہوتا تھا۔

میمون بن مہرانؒ فرماتے تھے کہ اچھا ظاہر بدون اچھے باطن کے ایسا ہے جیسا پاخانہ، جو باہر سے آراستہ و پیراستہ ہو اور اندر بدبو اور گندگی ہو۔ اور جو ایسے مال پر اترائے جو اسے حاصل نہ ہو۔ اس کا کسب اس کی تکذیب کرے گا۔

پس یہ ہی حالت اس شخص کی سمجھو جو ان اعمال پر فخر کرتا ہے جو اس نے نہیں کئے۔

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے تھے کہ جو شخص یہ چاہے کہ لوگ اس کو محض زبانی باتوں کی بناء پر اور بغیر اس کے کہ وہ صالحین کے ساتھ ان کے اعمال میں موافقت کرے، صالحین میں سے سمجھیں تو وہ ایسا ہے جیسا وہ شخص جو بلا اجازت اس شاہی دعوت میں شریک ہو جو خواص سلطانی کے ساتھ مخصوص ہے، (کیونکہ صلحاء اللہ تعالیٰ کے مخصوصین میں سے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں خاص طور پر مدعو ہیں، اور یہ شخص ان میں سے نہیں ہے مگر بتکلف ان میں شامل ہو کر شریکِ دعوت ہونا چاہتا ہے)۔ اور جو شخص عمل کو چھوڑ کر زبانی باتوں پر اکتفاء کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی سزا کے لئے اس کو عطا سے معاوضہ نہ دیں گے بلکہ صرف وعدہ سے معاوضہ دیں گے۔

بلال بن سعدؒ فرماتے تھے کہ جب فقیر زہد کا ناحق دعوی کرتا ہے تو شیطان اس پر ہنستے ہوئے اور تمسخر کرتے ہوئے اس کے گرد ناچتا ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ آدمی کو خالص ایمان نصیب نہیں ہوتا تاوقتیکہ وہ یہ نہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے (اور یہ علم اس کے اندر راسخ نہ ہو جاوے) اور (اس بناء پر) وہ کوئی کام (علی الاعلان تو کجا) خفیہ (بھی) ایسا نہ کرے جس سے وہ قیامت کے روز رسوا ہو۔

مالک بن دینارؒ فرماتے تھے کہ اگر تم میرے ان افعال کو جان لو جو میں تم پر دروازہ بند کر کے (تنہائی میں) کرتا ہوں تو تم میں سے کوئی میرے گرد نہ بیٹھے۔ میں کہتا ہوں کہ ان کا یہ ارشاد از قبیلِ کسرِ نفسی و تہمتِ نفس ہے (نہ کہ بناء بر واقعہ۔ خدا یہ دولت ہر مسلمان کو نصیب کرے)۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ اس زمانہ میں اہل علم پر ریا غالب ہے۔ وہ لوگ لوگوں کے سامنے اپنا عابد ہونا ظاہر کرتے ہیں اور ان کے دل آپس کے کھوٹ، کینہ اور عداوت سے لبریز ہیں۔ اور جب تم کو کسی اہل علم سے کوئی کام ہو تو تم اس کے پاس اس کے ہم جنس عالم سے سفارش نہ کراؤ، کیونکہ اس سے (وہ جل جائے گا اور) اس کا دل تم پر سخت ہو جاوے گا، بلکہ کسی دولت مند سے سفارش کراؤ، کیونکہ اس سے تمہارا کام خوب نکل آوے گا (بدیں وجہ کہ وہ شخص تقرب اغنیاء کا خواہاں ہے، اس لئے وہ اس دولت مند کی سفارش کو اپنے تقرب کا ذریعہ سمجھ کر ضرور قبول کر لے گا)۔

اس خلق پر مزید گفتگو اسی کتاب کے دوسری مقامات پر بھی آوے گی (لہٰذا تم کو متنبہ رہنا چاہئے)، اب (جبکہ تجھے بزرگانِ سلف کے اقوال معلوم ہو گئے تو اے بھائی تو اپنے نفس کو ٹٹول اور (دیکھ) آیا تیرا باطن و ظاہر یکساں ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو خدا کا شکر کر، اور اگر نہیں اور غالباً نہیں ہوگا تو ان کو یکساں بنانے کی کوشش کر، اور (ہر حال میں) استغفار کی کثرت رکھ اور سمجھ لے کہ جو لوگوں کے سامنے اپنی حالت اپنے باطن کے خلاف ظاہر کرے گا وہ (ایک گونہ) منافق ہے (اور اس میں نفاق کا ایک شعبہ ہے، اس لئے وہ) منافقین کے ساتھ محشور ہوگا۔ اس کو خوب سمجھ لے۔ **والحمد للہ رب العالمین۔**

حاکموں کے ظلم پر صبر کرنا

۷-اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ حکام کے ظلم پر نہایت صبر کرتے ہیں اور اس بات کو پورے طور پر محسوس کرتے ہیں کہ وہ اس سزا سے کم ہے، جس کے وہ اپنے گناہوں کے سبب مستحق ہیں۔ اور صالح مری فرماتے تھے کہ جب

لوگوں کا باطن اور ظاہر یکساں نہ ہو تو ان کو چاہئے کہ جس قسم کی بھی مصیبتیں اور آفتیں ان پر نازل ہوں ان کو عجیب نہ سمجھیں (کیونکہ وہ بے وجہ نہیں ہیں کہ ان پر تعجب ہو، بلکہ ان کی) بداعمالی ان کا سبب ہے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے تھے کہ حجاج بن یوسف ثقفی خدا کی طرف سے ایک آفت تھا جو کہ لوگوں کی غلط کاری کے موافق تھی۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے تھے کہ جب تیرا کسی ظالم بادشاہ سے پالا پڑ جاوے اور اس کے سبب سے تو اپنے جامۂ دین کو پھاڑے (یعنی بد دینی میں مبتلا ہو جاوے تو تو اپنے لئے اور اس کے لئے کثرتِ استغفار سے اس میں پیوند لگا (یعنی اس طرح اس نقصان کو پورا کر)۔

محمد بن یوسفؒ کے بھائی نے ان سے اپنے ملک کے حکام کے ظلم کی شکایت کرتے ہوئے ان کو ایک خط لکھا، تو محمد بن یوسفؒ نے ان کو ان الفاظ میں جواب دیا: ہمیں تمہارا خط ملا، برادرمن! تمہارے علم سے یہ امر مخفی نہیں ہے کہ جس شخص نے گناہ کیا ہے اس کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ وقوع سزا پر اعتراض کرے، جس مصیبت میں تم مبتلا ہو، میں اس کو صرف گناہ کی شامت سمجھتا ہوں۔ والسلام

خلیفہ ہارون الرشید نے ایک شخص کو ناحق قید کر دیا، تو اس نے اس کو اس مضمون کا رقعہ لکھا: اے ہارون تو سمجھ لے کہ میری قید اور میری تکلیف کا جو دن گذرتا ہے اسی کی مثل تیری عمر اور تیرے عیش کا بھی ایک دن گذرتا ہے یہ بات نزدیک ہے (کچھ دور نہیں عنقریب میری مصیبت اور تیرے عیش کا زمانہ ختم ہو جاوے گا) اور اللہ تعالیٰ میرے اور تیرے درمیان فیصلہ فرماوے گا۔ راوی کہتا ہے کہ جب ہارون نے وہ رقعہ پڑھا تو فوراً اسے رہا کر دیا، اور اس کے ساتھ کچھ سلوک بھی کیا۔

ایک دفعہ لوگ ابراہیم بن ادہم کے پاس بادشاہ کی طرف سے کچھ مال اس غرض سے لائے کہ وہ ان فقراء کو تقسیم کر دیں جن کو وہ جانتے ہیں (کہ وہ حاجتمند ہیں) تو ابراہیم بن ادہمؒ نے وہ مال انہی کو واپس کر دیا اور یہ فرمایا کہ جب خدائے تعالیٰ ظالم

سے اس مال کے متعلق باز پرس کریں گے جو اس نے ظلماً حاصل کیا تھا تو وہ کہہ دے گا کہ میں نے تو ابراہیم کو دے دیا تھا، پھر وہ ظالم اسے مجھ سے واپس لے گا، (اس لئے میں اس کو قبول کرنے سے معذور ہوں)، ہاں جس نے اسے اکٹھا کیا ہے وہی اس کی تقسیم کا زیادہ مستحق ہے، (لہٰذا اسے چاہئے کہ وہ خود تقسیم کرے)۔

مالک بن دینارؒ فرماتے تھے کہ توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کے قلوب میرے قبضہ میں ہیں۔ پس جو شخص میری اطاعت کرے گا میں ان کو اس پر رحمت بنادوں گا، اور جو شخص میری نافرمانی کرے گا میں ان کو اس پر عقاب بنادوں گا۔ لہٰذا تم کو بادشاہوں کو برا کہنے میں مصروف نہ ہونا چاہئے، اور اس کی طرف (توبہ واستغفار کے ساتھ) رجوع کرنا چاہئے، جو تم پر ان سے زیادہ مہربان ہے (یعنی میری طرف)۔

عبدالملک بن مروانؒ اپنی رعیت سے فرماتے تھے کہ اے گروہ رعیت! تم ہم سے انصاف کا برتاؤ کرو، (تم سخت بے انصافی کرتے ہو اس لئے کہ تم ہم سے تو یہ چاہتے ہو کہ ہم تم سے ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کا سا برتاؤ کریں، اور خود ہم سے ان کی رعایا کا سا برتاؤ نہیں کرتے۔ پس ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر فریق کی دوسرے فریق کے مقابلہ میں اعانت کرے (اور ہم کو عدل کی توفیق دے اور تم کو اطاعت کی)۔

ابن السماکؒ فرماتے تھے کہ جب تم ان اعمال میں مبتلا ہو جن کو تمہارا پروردگار پسند نہیں کرتا، اور (اپنی معذرت کے لئے) یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مقدر کردیا تھا (اس لئے ہمارا کچھ قصور نہیں) تو تم اپنے حکام کو بھی معذور قرار دو، کیونکہ جو ظلم وہ تم پر کرتے ہیں اس کو بھی اللہ تعالیٰ ہی نے ان پر مقدر کیا ہے، کیونکہ ان میں سے ہر شخص دلی خواہش رکھتا ہے کہ وہ تم میں سے کسی پر ظلم نہ کرے، مگر تمہارے اعمال ہی تم پر ظلم کرنے کا سبب ہوجاتے ہیں، (کیونکہ جب تم بداعمالی کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری سزا کے لئے ان کو ظالم بنادیتے ہیں۔ اب اگر تقدیر الٰہی تمہارے لئے عذر ہے تو حکام

کے لئے بھی عذر ہے، اور اگر حکام کے لئے نہیں اور تم بھی مانتے ہو کہ نہیں تو پھر تقدیر الٰہی تمہارے لئے بھی عذر نہیں ہو سکتی۔

اور جب خلافت[1] عمر بن عبد العزیزؒ کو پہنچی (اور وہ بادشاہ ہوئے) تو وہ روئے اور اپنی بیویوں اور لونڈیوں کو اختیار دیدیا (کہ اگر وہ چاہیں تو بیویاں طلاق لے کر، اور لونڈیاں بدون طلاق کے، کیونکہ ان کو طلاق کی ضرورت نہیں، دوسروں سے نکاح کرلیں) اور فرمایا کہ مجھے ایسا کام پیش آ گیا ہے جس نے مجھے اپنے میں مشغول کر کے تم سے غافل کرادیا ہے، اور اب میں تمہاری خبر گیری کے لئے اس وقت تک فارغ نہیں ہو سکتا جب تک کہ لوگ قیامت کے روز حساب سے فارغ نہ ہو جاویں۔ یہ سن کر ان کے گھر کے لوگ رونے لگے یہاں تک کہ ان کے پڑوسیوں نے یہ سمجھا کہ ان کے یہاں کوئی موت ہوگئی ہے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ ہم نے علماء کو اس حالت میں پایا ہے کہ وہ گھروں میں بیٹھے رہنے کو افضل سمجھتے تھے، اور آج وہ امراء کے وزیر اور ظالموں کے کارفرما ہوگئے ہیں۔

عطاء بن ابی رباحؒ سے کسی نے اس شخص کے متعلق سوال کیا جو حکام کی پیشکاری کی خدمت انجام دیتا ہے اور جو وظیفہ انہوں نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ اس سے آگے نہیں بڑھتا (اور رشوت نہیں لیتا) تو عطاء نے فرمایا کہ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اس کو یہ ملازمت چھوڑ دینی چاہئے۔ کیا اس نے موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نہیں سنا: ﴿رب بما أنعمت علی فلن أکون ظهیرا للمجرمین﴾.

وہب بن منبہؒ فرماتے تھے کہ جب حاکم ظلم کا قصد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اہل مملکت میں کمی ڈال دیتے ہیں حتیٰ کہ بازاروں میں، روزیوں میں، کھیتوں میں، پھلوں میں اور تھنوں میں، غرض ہر چیز میں کمی ڈال دیتے ہیں۔ (مطلب یہ ہے کہ حکام

---

(۱) میری سمجھ میں نہیں آیا کہ عمر بن عبد العزیز کا قصہ بیان کرنے سے اس جگہ کیا مقصود ہے۔ اس میں غور کرلیا جاوے۔ مترجم

کے ظلم سے رعایا میں بھی کمی آ جاتی ہے بدیں وجہ کہ پیدائش کم ہو جاتی ہے اور موتیں زیادہ ہو جاتی ہیں اور بازاروں میں گرانی ہو جاتی ہے، اور پیداوار میں کمی آ جاتی ہے، جانوروں کے دودھ خشک ہو جاتے ہیں۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ عنقریب لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ حکام کے عطیات لوگوں کے دین کی قیمت ہوں گے، (مطلب یہ ہے کہ حکام بددین ہوں گے، اور ان کے ملازمین اور متقربین جو ان سے روپیہ لیں گے، ان کو ان کی خوشامد میں دین چھوڑنا پڑے گا)۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ جو شخص ظالم کے سامنے (اس سے خوش ہو کر) ہنسے یا (اس کی تعظیم کے سبب) اس کے لئے مجلس میں جگہ کھولے یا (بلا استحقاق) اس کا عطیہ لے، اس نے اسلام کے دستے توڑ دیئے، اور وہ ظالموں کے مددگاروں میں لکھا جاوے گا۔ اور اسلام کے دستے توڑنے سے مراد یہاں قواعدِ سلف کی مخالفت ہے۔

طاؤسؒ اکثر اپنے گھر بیٹھے رہتے (اور بلا ضرورت باہر نہ نکلتے)، اس پر کسی نے اس بارہ میں ان سے گفتگو کی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اس طرز کو حکام کے ظلم اور رعایا کی خرابی اور سنت کے رخصت ہو جانے کے سبب اختیار کیا ہے، کیونکہ جو شخص اقامت حق کے بارہ میں اپنے بیٹے اور اپنے غلام میں فرق کرے وہ بھی ظالم ہے۔ (مقصود یہ ہے کہ اب نہ حکام میں دین رہا اور نہ رعایا میں، اور اس لئے نہ وہ دین کی بات سننی گوارا کرتے ہیں اور نہ اس پر عمل ضروری سمجھتے ہیں، اس لئے مجبوراً میں نے عزلت اختیار کی ہے۔

میمون بن مہرانؒ فرماتے تھے کہ مجھے سب سے زیادہ پیارے عمر بن عبدالعزیز تھے۔ اور ان کی نسبت میرا یہ خیال ہے کہ) میں ان کو مردہ دیکھنا زیادہ پسند کرتا ہوں بہ نسبت اس کے کہ میں ان کو حاکم دیکھوں (اس سے تم موجودہ حکام کی نسبت میرے خیال کا اندازہ کر سکتے ہو)۔

مالک بن دینارؒ فرماتے تھے کہ جب حاکم دبلے سے موٹا ہو جاوے تو سمجھ لو کہ

اس نے اپنی رعیت کی بھی خیانت کی اور اپنے رب کی بھی، (کیونکہ موٹے ہونے کا سبب تنعم اور بے فکری ہے۔ اور یہ دونوں باتیں منشاء رعیت ومنشاء حق تعالیٰ کے خلاف ہیں، کیونکہ انہوں نے اس کو اس لئے حاکم نہیں بنایا کہ وہ تنعم اور بے فکر ہو جاوے بلکہ انہوں نے اس کو اس لئے حاکم بنایا ہے کہ وہ ان کی خبر گیری کرے، اور ہر وقت ان کی بہبودی کی فکر اس کو لاحق رہے، اور اس میں وہ اپنے کو کھپاوے)۔

ابو العالیہؒ ایک روز ہارون الرشید کے پاس گئے تو اس کو یہ نصیحت فرمائی کہ مظلوم کی بد دعا سے بچ، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو رد نہیں کرتا اگرچہ وہ بدکار ہی کی جانب سے ہو۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اگر وہ کافر ہی کی جانب سے ہو۔

پس اے مسلمان بھائی (تو بھی اپنے نفس اور جوارح کا حاکم ہے سو) اب تو اپنے دل میں سوچ کہ کیا تو نے ان سے اپنے گوشہ میں اپنی رعیت یعنی (نفس) اور اعضاء کا حق ادا کیا ہے؟ اس طرح پر کہ تو نے ان سے رضائے حق تعالیٰ میں کام لیا ہو، اور اس کی نافرمانیوں سے ان کو روکا ہو، یا تو نے اپنے نفس اور اپنے اعضاء سے خیانت کی ہے (اس لئے سوچنے کی ضرورت ہے)، کیونکہ ہر نگہبان سے اس کے زیر اثر اشیاء کی بابت باز پرس ہوگی (خواہ حاکم عرفی ہو یا کوئی اور) اور اے بھائی خبردار امراء کے پاس نہ جانا اگرچہ اسی قصد سے ہو کہ تو ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے گا، کیونکہ ان کے ساتھ یہ معاملہ تجھ سے انجام کو نہ پہنچے گا، (جس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو ان کی ہیبت تیرے لئے نصیحت سے مانع ہوگی۔ دوسرے ان کی نفس پرستی تیری نصیحت کے ماننے سے مانع ہوگی۔ تیسرے تیرے ساتھ بھی نفس لگا ہوا ہے، ممکن ہے کہ ان کے تنعم اور تعیش کو دیکھ کر تیرا نفس خود پھسل جاوے اور تو بھی ان کے رنگ میں رنگ جاوے۔) والحمد للہ رب العالمین.

غیرتِ اسلامی

۸- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب حق تعالیٰ کی قابلِ

احترام اشیاء (احکام وغیرہ) کی تحقیر کی جاوے تو ان کو خدا کے لئے اور شریعت مطہرہ کی نصرت کے لئے جوش غیرت ہوتا ہے اور اسی بناء پر وہ کوئی کام نہیں کرتے اور نہ کسی کی صحبت اختیار کرتے ہیں، بجز اس صورت کے کہ وہ یہ جان لیں کہ اس میں خدا کی رضا ہے، اور اسی لئے نہ وہ کسی سے دنیوی غرض سے محبت رکھتے ہیں اور نہ عداوت، (اور یہ ان کے ایمان کی مضبوطی کی ایک بڑی دلیل ہے کیونکہ) حدیث شریف میں آیا ہے کہ خدا کے لئے محبت اور خدا کے لئے عداوت ایمان کے مضبوط دوستون میں سے ہے۔ سو اگر کوئی شخص تمام جن وانس کی عبادت کے برابر اپنے رب کی عبادت ثواب کے قصد سے کرے اور وہ رضائے خداوندی سے غافل ہو تو وہ طریق صوفیہ سے خارج ہے (کیونکہ ان کے نزدیک مقصود بالذات قصد رضائے حق سبحانہ وتعالیٰ ہے اور بالتبع اس کے انعامات سے فائدہ اٹھانا۔ اور شخص مذکور نے مقصود بالذات کو نظر انداز کردیا اور مقصود بالتبع کو مقصود بالذات بنالیا، لہٰذا وہ اس طریق سے خارج ہے۔) اور حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ کیا تم نے ہمارے لئے کام کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں اے میرے رب! میں نے نمازیں پڑھیں، میں نے روزے رکھے، میں نے خیرات کی (یہ سب باتیں آپ کے لئے کیں) اور ان کے علاوہ اور باتوں کا بھی نام لیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ [1] یہ تو نے اپنے لئے کی ہیں (ان کا ذکر فضول ہے)، ہاں (یہ بتلاؤ) کہ کیا تم نے کبھی کسی دوست سے میری وجہ سے دوستی کی

---

(۱) اس مقام پر نماز، روزہ وغیرہ کو اپنے لئے اور حب فی اللہ وبغض فی اللہ کو خدا کے لئے فرمایا گیا ہے، حالانکہ دونوں بلحاظ قصد خدا کے لئے ہیں، اور بلحاظ نتیجہ واثر بندہ کے لئے۔ سو وجہ اس کی یہ ہے کہ نماز، روزہ وغیرہ میں فی الجملہ اپنا فائدہ بھی پیش نظر ہوتا ہے گو وہ مقصود بالذات نہ ہو، برخلاف حب فی اللہ وبغض فی اللہ کے کہ ان کا باعث محض محبت خدا ہوتی ہے، اور ان میں اجر وثواب اصلاً پیش نظر نہیں ہوتا، گو واقع میں ان پر اجر جزیل مرتب ہوتا ہے۔ اس بناء پر دونوں میں فرق کیا گیا ہے، اور یہ فرق وجدان صحیح سے واضح ہوتا ہے، نہ کہ استدلال سے۔ فراجع إلی وجدان تجده إنشاء الله تعالی۔ مترجم

ہے، یا کسی دشمن سے میری وجہ سے دشمنی کی ہے؟ اس پر موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ افضل اعمال میں سے ہیں۔

علی بن الحسین (امام زین العابدین) فرماتے ہیں کہ جن دو آدمیوں کی صحبت طاعت خدا کے لئے نہیں ہوتی، ان کا تفرّق بھی خدا کے لئے نہیں ہوتا، (کیونکہ منشاء تفرق انقضائے مقصد صحبت غیر طاعت الٰہی تھا تو اس کا انقضاء بھی غیر طاعت ہوگا کما لا یخفٰی۔ اس پر شبہ یہ ہوسکتا ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو آدمی کسی معصیت کے لئے جمع ہوتے ہیں اور اس حالت میں ان کو توبہ نصیب ہو جاتی ہے اور اس بناء پر ان میں تفرق ہو جاتا ہے۔ پس یہاں صحبت تو طاعت کے لئے نہ تھی مگر تفرق طاعت کے لئے ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شبہ ہماری تقریر پر نہیں پڑتا، کیونکہ یہاں وہ تفرق مراد ہے جو مقصد صحبت کے حاصل ہو جانے کے سبب سے ہو، اور اعتراض میں وہ تفرق مذکور ہے جو مقصد صحبت سے توبہ کا نتیجہ ہے۔ فتدبر)

یوسف بن اسباطؒ فرماتے تھے کہ جب تم حکام کے پاس جاؤ تو خاص طور پر ان کی لئے دعا نہ کرو، کیونکہ انہوں نے خدا اور رسول (کے قوانین کی خلاف ورزیاں کر کے ان) سے جنگ کر رکھی ہے۔ ہاں عام طور پر مسلمانوں کے لئے دعا کرو۔ اب اگر وہ ان میں داخل ہوں گے تو ان کو بھی دعا لگ جائے گی۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے کہ جب کسی کے ساتھ تیرا میل جول ہو تو اس سے یہ نہ پوچھ کہ تجھے مجھ سے محبت ہے یا نہیں بلکہ (خود اپنے دل کو ٹٹول اور) دیکھ کہ تیرے دل اور تیرے نفس میں اس کے لئے کیا ہے (آیا محبت ہے یا کچھ اور) کیونکہ جو تیرے اندر ہوگا وہ بالکل ویسا ہی ہوگا جیسا اس کے اندر ہے۔ (اب اگر تیرے اندر محبت ہے تو اس کے اندر بھی محبت ہوگی اور اگر اور کچھ ہے تو اس کے اندر بھی اور کچھ ہوگا۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ جو شخص کوئی برا کام کرے اور وہ شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس کا بھائی ہے، اس سے ناخوش نہ ہو تو (سمجھنا چاہئے کہ اس کی محبت خدا کے

لئے نہیں ہے کیونکہ اگر اس کی محبت خدا کے لئے ہوتی تو اس کو اس کی نافرمانی پر ضرور غصہ آتا)۔

ابو ہریرہؓ فرماتے تھے کہ قیامت میں ایک شخص خدائے تعالیٰ کے سامنے لایا جاوے گا اور حق تعالیٰ اس سے فرماویں گے کہ کیا تو نے خاص میرے لئے (بلا اپنی کسی غرض کے) کبھی کسی دوست سے دوستی کی ہے کہ میں تجھے اس کے حوالہ کردوں اور وہ تجھے جنت میں لے جاوے)۔ پس (تم کو اس حدیث سے سبق لینا چاہئے اور) نیک لوگوں سے محبت کرنی چاہئے، اور اپنے کو ان کے احسانات کا مستحق بنانا چاہئے، کیونکہ (گو آج وہ تمہارے ساتھ کسی سلوک کرنے کے قابل نہیں ہیں مگر) قیامت میں ان کا دور دورہ ہوگا (اس وقت وہ تم کو معتد بہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں)۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ فاسق سے قطع تعلق موجب قرب خدا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ان کا مطلب قطع تعلق قلبی ہے۔ رہا تعلق ظاہری [1] سو اس کا قطع کرنا نامناسب ہے تاکہ اس کی کجی کو سیدھا کیا جا سکے اور اس کو صفات فسق سے نفرت دلائی جا سکے، کیونکہ فاسق ہر داعی الی اللہ کی گمشدہ چیز ہے (جس کو وہ دعوت الی اللہ کے لئے ڈھونڈتا ہے۔ اور جب واقعہ یہ ہے تو قطع تعلق ظاہری محض بے معنی ہے) پس اس کو خوب سمجھ لو۔ واللہ اعلم

سفیان ثوریؒ سے دریافت کیا گیا کہ جب فاسق کے یہاں موت ہو جاوے تو اس کی تعزیت کی جاوے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں (یہ اس وقت ہے جبکہ اس کو اس کے اصلاح حال میں مؤثر سمجھا جاوے، ورنہ فسق سے حقوق اسلام منقطع نہیں ہوتے)۔

(۱) قطع تعلق ظاہری اگر اصلاح حال فاسق میں مؤثر ہو تو اس کا مضائقہ نہیں، کیونکہ مقصود ارشاد ہے۔ اور ارشاد کبھی تفہیم سے ہوتا ہے اور کبھی تعزیر سے، جہاں جو طریق مناسب سمجھا جاوے اس پر عمل کیا جاوے، اور کبھی قطع تعلق اپنے کو اور دوسروں کو اس کے ضرر سے بچانے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ پس قطع تعلق ظاہری کو مطلق نامناسب قرار دینا صحیح نہیں۔ فتدبر واللہ اعلم۔ (مترجم)

فضیل بن عیاضؒ ابوبکر و عمرؓ کا ذکر فرماتے اور روتے، اور امیر معاویہؓ کی نسبت فرماتے کہ خدا ان کو غریق رحمت فرماوے، اور فرماتے کہ وہ اکابر علماءِ دین میں سے تھے مگر (افسوس کہ) دنیا کی محبت میں پھنس گئے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ ان کی حب دنیا کو اس پر محمول کرنا چاہئے کہ وہ اس سے عمل آخرت کے لئے محبت فرماتے تھے جیسا کہ سلف صالح کا قاعدہ تھا، بلکہ وہ اولیاءاللہ سے زیادہ اس کے مستحق ہیں کہ ان کا مقصود دنیا سے عمل آخرت ہو، کیونکہ وہ جلیل الشان صحابی تھے۔ واللہ اعلم

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ جو شخص مدعی ہو کہ وہ کسی آدمی سے اللہ کے واسطے محبت کرتا ہے، اور خدا کی نافرمانی کرنے کے وقت اس سے بغض نہ رکھے تو وہ اس دعوے میں جھوٹا ہے کہ وہ اللہ کے لئے اس سے محبت کرتا ہے۔

محمد بن الحنفیہؒ فرماتے تھے کہ جو شخص کسی دوزخی شخص سے ایسی بھلائی کے سبب محبت کرے جو اس سے صادر ہوئی ہے تو خدا اسے اس کا اجر دے گا، اور جو شخص کسی جنتی شخص سے کسی ایسی برائی کے سبب بغض رکھے جو اس سے صادر ہوئی ہے تو اس کو بھی خدا اجر دے گا۔ (وجہ اس کی یہ ہے کہ آدمی اس کے معلوم کرنے کا مکلف نہیں ہے کہ کون دوزخی اور کون جنتی، کیونکہ اس کا علم صرف خدا کو ہے، وہ تو صرف بھلائی اور برائی کو دیکھ سکتا ہے اور اسی کے موافق اس سے معاملہ کرسکتا ہے، سو یہ اس نے کرلیا، لہٰذا وہ اجر کا مستحق ہے۔ اب خواہ وہ صاحبِ خیر و صاحب شر دونوں یا ان میں سے کوئی ایک کسی وجہ سے دوزخ میں چلا جائے یا جنت میں۔

مالک بن دینارؒ کا قاعدہ تھا کہ جب کتا ان کے مقابلہ میں بیٹھ جاتا تو اسے دھتکارتے نہ تھے اور فرماتے کہ وہ برے ہمنشین سے اچھا ہے، (کیونکہ اس کی برائی اس کی ذات تک محدود ہے برخلاف برے ہمنشین کے کہ اس کی برائی دوسرے ہمنشین میں اثر کرتی ہے) اور فرماتے کہ آدمی کے لئے یہ برائی کافی ہے کہ وہ خود نیک نہ ہو اور نیکوں پر طعن کرے۔

احمد بن حرب فرماتے تھے کہ آدمی کے قلب کے لئے نیکوں سے میل جول

رکھنے اوران کے افعال کو دیکھنے سے زیادہ نافع کوئی چیز نہیں، اور فساق سے میل جول رکھنے سے زیادہ اس کے لئے کوئی چیز مضر نہیں۔

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے تھے کہ ولی اللہ زمین میں ایک خوشبودار گھاس ہے، سو جب مرید اس کو سونگھتے ہیں اور اس کی بو ان کے قلوب تک پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار کے دیدار کے مشتاق ہو جاتے ہیں۔ اب اے میاں تم اپنی حالت میں غور کرو (اور سوچو کہ) آیا خدا کے لئے تم نے کبھی کسی سے محبت کی ہے، اور اسی طرح خدا کے لئے تم نے کبھی کسی سے عداوت کی ہے، یا سب سے خواہش نفس ہی کے سبب سے محبت کرتے رہے اور نفس ہی کے لئے عداوت کرتے رہے (یہ سوچو)، اور اپنے اوپر رو اور رات دن بکثرت استغفار کرتے رہو۔ والحمد للہ رب العالمین.

دنیا سے دل نہ لگانا

۹- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ کم ہنستے ہیں اور دنیا کی کسی چیز سے خوش نہیں ہوتے بلکہ دنیا کا جو ساز و سامان بھی ان کو حاصل ہوتا ہے، خواہ کپڑے ہوں یا سواریاں یا بیویاں یا مناصب، وہ اہل دنیا کے طرز کے خلاف اس سے منقبض ہوتے ہیں بدیں اندیشہ کہ شاید وہ آخرت کی وہ نعمت ہو جو ان کو (ان کے اعمال کے معاوضہ میں) دنیا ہی میں دیدی گئی ہے اور اس لئے وہ اس کے سبب آخرت کی نعمت سے محروم ہو جائیں)، اور (قطع نظر اس سے) دنیا میں خوشی کا کوئی موقع بھی نہیں کیونکہ مومنین قید خانہ دنیا میں محبوس ہو کر دیدار خداوندی سے محروم ہیں اور وہ شخص کیسے خوش ہو سکتا ہے جو قید خانہ میں محبوس ہو کر دیدار خداوندی سے محروم ہو۔ پس جس طرح وہ شخص مغموم اور مکدر رہتا ہے جس کو گھر جانے اور گھر کے لوگوں سے ملنے سے روک دیا گیا ہو، یوں ہی اہل اللہ کو بھی اپنی درازی عمر اور دنیا میں محبوس ہو کر دیدار خداوندی سے محروم ہونے کا غم ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس

ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تمہیں ان باتوں کا علم ہوتا جن کا مجھے ہے تو تم تھوڑا ہنستے اور بہت روتے، اور تمہیں عورتوں کے ساتھ بستروں پر مزہ نہ آتا، اور تم خدا سے فریاد کرتے ہوئے راستوں پر نکل کھڑے ہوتے (اور جس کا جدھر منہ اٹھتا، گھبراہٹ سے اسی طرف چل دیتا)۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مجھے ہنسنے والے پر تعجب آتا ہے (کہ وہ کس طرح خوش ہوتا ہے) حالانکہ اس کے سامنے موت بھی ہے۔

حسن بصریؒ کی یہ حالت تھی کہ ان کو جو کوئی دیکھتا یہی سمجھتا کہ ان پر کوئی تازہ مصیبت پڑی ہے، کیونکہ وہ نہایت غمگین اور خائف رہتے تھے۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ بہت سے ہنسنے والے ایسے ہیں کہ ان کے کفن دھوبی کے یہاں سے دھل کر آ گئے ہیں (یعنی ان کی موت نہایت قریب آ گئی ہے مگر یہ احمق اب تک ہنستے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ وہ دنیا میں کوئی دم کے مہمان ہیں)۔

ابن مرزوقؒ فرماتے تھے کہ جو شخص اس کا دعوی کرے کہ اسکو گناہوں کا رنج وغم ہے اور وہ (اس دعوی کے باوجود) شہد اور گھی سے روٹی کھاوے تو وہ جھوٹا ہے (کیونکہ مغموم کو تلذذ اور تنعم سے کیا نسبت)۔

امام اوزاعیؒ ﴿لایغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ إلا أحصاھا﴾ کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ صغیرہ سے مراد تبسم ہے اور کبیرہ سے مراد قہقہہ۔ میں کہتا ہوں کہ[1] شاید تبسم سے مراد ایسی آواز سے ہنسی ہو جو مجلس میں سنی جاوے اور مسکرانا مراد نہ ہو۔ کیونکہ مسکرانا جناب رسول اللہ ﷺ کی ہنسی تھی (اور اس لئے اس کو گناہ صغیرہ نہیں کہا جاسکتا)۔

(۱) میں کہتا ہوں کہ امام اوزاعیؒ کا مقصود نہ آیت کی تفسیر ہے، اور نہ صغیرہ وکبیرہ سے مراد گناہ صغیرہ وکبیرہ بالمعنی المعروف ہے، بلکہ یہ مضمون اعتبار کے طور پر ہے، اور مقصود یہ ہے کہ ہم ایسے گناہگاروں کو قہقہہ تو درکنار تبسم بھی زیبا نہیں۔ فتدبر

ثابت بنانیؒ فرماتے تھے کہ مؤمن جب کبھی ہنستا ہے اس کا منشأ موت سے غفلت ہوتا ہے، ورنہ اگر موت اس کے پیش نظر ہو تو ہنسی آ نہیں سکتی۔)

عامر بن قیسؒ فرماتے تھے کہ جو دنیا میں زیادہ ہنسے گا دوزخ میں زیادہ روئے گا، (کیونکہ ہنسی دلیل غفلت ہے، اور جتنی آخرت سے غفلت ہوگی اتنا ہی اسے دوزخ میں اس غفلت پر افسوس ہوگا اور اتنا ہی وہ روئے گا)۔

عمر بن عبدالعزیزؒ چالیس برس تک نہیں ہنسے حتی کہ اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا، اور یہی حالت غزوان وقاشی کی تھی۔

انس بن مالکؓ فرماتے تھے کہ مجلس میں بہت ہنسنے والے کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے (جو اس کو آخرت سے غافل کر کے ہنسی پر آمادہ کرتا ہے)۔

ایک روز معاذۃ عدویہ کا گذر کچھ ایسے جوانوں پر ہوا جو صوف کا لباس پہنے ہوئے تھے اور ہنس رہے تھے تو آپ نے فرمایا: عجیب بات ہے لباس تو صلحاء کا ہے اور ہنسی اہل غفلت کی۔

وہیب بن انورؒ فرماتے تھے کہ اسراف سے خالی ہنسی وہ ہے جس سے صرف دانت کھل جائیں اور آواز نہ سنائی دے۔ اور اسراف سے خالی لباس وہ ہے جس سے ستر چھپ جاوے اور گرمی سردی سے بچاؤ ہو جائے۔ اور اسراف سے خالی کھانا وہ ہے جس سے بھوک رک جاوے اور پیٹ نہ بھرے۔

عون بن ابی زید فرماتے تھے کہ مجھے پچاس برس تک عطاء سلمی کی صحبت رہی، سو (اتنے عرصہ میں) میں نے کبھی انہیں ہنستے نہ دیکھا۔

عبدالعزیز بن ابی داوٗدؒ فرماتے تھے کہ جب صحابہ میں خوش مزاجی نمودار ہوئی تو حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿**ألم يأن للذين آمنوا أن تخشع قلوبهم لذكر الله**﴾ (یعنی کیا مسلمانوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ خدا کی یاد سے ان کے دل ڈر جائیں)، یہ سن کر انہوں نے خوش طبعی ترک کر دی اور وہ ڈر گئے۔

اس بارہ میں اور بھی بہت آثار ہیں جو کتب رقائق میں مندرج ہو کر مشہور

ہو چکے ہیں، (اس لئے ہم اس جگہ اسی قدر پر اکتفاء کرتے ہیں) اور (ما حصل سب کا یہ ہے کہ اہل اللہ اور غیر اہل اللہ میں موجب امتیاز صرف دو باتیں ہیں۔ ایک آخرت کی طرف توجہ اور دوسرے اس کے واقعات کے لئے تیاری۔ (پس جس میں جس قدر یہ دونوں باتیں ہوں گی اسی قدر اس کا شمار اہل اللہ میں ہوگا، اور جس میں جس قدر یہ باتیں نہ ہوں گی اسی قدر اس کا شمار اہل اللہ میں نہ ہوگا)۔ اب اے بھائی تو اپنے نفس میں اور اس سہو غفلت میں غور کر جو مانعات تقرب الی اللہ کے متعلق تیرے اندر ہیں اور بکثرت استغفار کیا کرو۔ والحمد للہ رب العالمین.

شوق آخرت

۱۰۔ اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب ان کو اپنے اوپر ایسے امور میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو جاتا ہے جو خدا کو ان سے ناخوش کرنے والے ہیں تو وہ موت کی آرزو کرتے ہیں، اور یہ اندیشہ ان کو ان علامات سے پیدا ہوتا ہے جو ان کے نفس سے ظاہر ہوتی ہیں اور جو کہ بمنزلہ مقدمات معاصی کے ہوتی ہیں (اور ان پر وہ اس لئے اعتماد کرتے ہیں کہ وہ قرائن صدور گناہ ہوتے ہیں)، اور بہت سے مواقع پر (جن میں یہ موقع بھی ہے) قرائن دلائل میں شمار ہوتے ہیں۔

عابس غفاریؓ طاعون کے زمانہ میں فرماتے تھے کہ اے طاعون مجھے لے لے اور ایسا بار بار فرماتے تھے۔ اس پر ان سے ان کے ایک چچازاد بھائی نے کہا اے عابس میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ کوئی شخص تم میں موت کی تمنا نہ کرے، کیونکہ اس سے اس کے متعلقین جدا ہو جاتے ہیں۔ (اور اس جدائی سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ پس آدمی کو اپنے اختیار سے کوئی ایسا فعل نہ کرنے چاہئے جس سے دوسروں کو خاص کر عزیزوں کو تکلیف ہو جبکہ وہ شرعاً مامور بہ نہ ہو)، تو پھر آپ (خلاف حکم نبوی) ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس پر عابسؓ نے فرمایا کہ میں نے بھی ایسا سنا ہے مگر (میں اس وجہ سے ایسا کرتا ہوں کہ) مجھے چھ باتوں کا خوف ہے جن کے متعلق میں نے

جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ وہ ان کا اپنی امت پر خوف رکھتے تھے۔ ایک احمقوں کی حکومت، دوسرے کثرت شرط، تیسرے بیع الحکم، چوتھے قطع رحم، پانچویں قتل کو معمولی بات سمجھنا، چھٹے وہ رند جو قرآن کو راگ بنائیں گے یعنی (نماز میں) ایسے لوگوں کو آگے کریں گے جو دینی حیثیت سے صاف بیان (اور اچھا پڑھنے والے) نہیں ہیں (تا کہ وہ آگے ہونے کے مستحق ہوں) بلکہ وہ ان کو اس لئے مقدم کریں گے کہ وہ ان کو گانا سنادیں۔

یوں ہی ابو بکرہؓ بھی موت کی آرزو کرتے تھے، سو ان سے بھی اس بارہ میں گفتگو کی گئی (اور ان سے بھی پوچھا گیا آپ ایسا کیوں کرتے ہیں) تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے ایسا زمانہ پانے کا اندیشہ ہے جس میں نہ امر بالمعروف ہو اور نہ نہی عن المنکر، (لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اپنی آنکھ سے ایسا زمانہ نہ دیکھوں)۔

ابو ہریرہؓ فرماتے تھے کہ عنقریب لوگوں پر ایسا زمانہ آوے گا اس زمانہ میں موت علماء کو کندن سے زیادہ پیاری ہوگی، اور نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ ایک شخص اپنے بھائی کی قبر پر آوے گا اور کہے گا کہ کاش میں تیری جگہ ہوتا۔

یحیٰ بن معاذ فرماتے تھے کہ جو شخص خدا کی اطاعت کرتا ہے وہ موت کی تمنا نہیں کرتا (کیونکہ زندگی میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ جس قدر زیادہ زندہ رہے گا اتنی ہی زیادہ اطاعت کرے گا، اور اطاعت میں اس کو اس قدر لذت آتی ہے کہ وہ اس کے ثمرات پر نظر نہیں کرتا بلکہ وہ اطاعت ہی کو عین ثمرہ جانتا ہے۔ (**وللناس فیما یعشقون مذاھب**).

عمر بن عبدالعزیزؒ جب کسی اچھے شخص کو دیکھتے تو فرماتے کہ میرے لئے موت کی دعا کیجئے (کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ زندہ رہ کر میں کسی بلا میں مبتلا نہ ہو جاؤں)۔

ابو الدرداءؓ فرماتے تھے کہ خواہ کوئی مؤمن ہو یا کافر، موت ہر ایک کے لئے بہتر ہے، (مؤمن کے لئے تو اس لئے کہ اس کو نعمائے آخرت ملیں گی) اور (نعمائے آخرت کی نسبت) فرماتے ہیں: ﴿ **وما عند اللہ خیر للأبرار** ﴾ (یعنی خدا کے

پاس جو نعمتیں ہیں وہ نیک لوگوں کے لئے بہتر ہیں) اور (کافر کے لئے اس لئے کہ) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم ان کو اس لئے مہلت دیتے ہیں کہ وہ زیادہ گناہ کریں اور ان کے لئے آخرت میں رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ (اس بناء پر ان کا جلدی مرجانا قلتِ گناہ کا سبب ہے تو موت اس کے لئے بھی بہتر ہوئی)۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ اس میں ہمارے مشائخ موت کی آرزو کرتے تھے تو میں ان سے تعجب کرتا تھا (کہ یہ کیوں ایسا آرزو کرتے ہیں) اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اب میں ان لوگوں پر تعجب کرتا ہوں جو موت کو پسند نہیں کرتے (غرض کہ اس زمانہ میں اور سابق زمانہ میں زمین وآسمان کا فرق ہوگیا ہے۔ وہ زمانہ تو ایسا تھا جس میں حیات، موت سے بہتر تھی) اور جو زمانہ اب ہے وہ ایسا ہے کہ اس میں موت حیات سے بہتر ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے کہ دنیا کا صاف اور ستھرا زمانہ رخصت ہوگیا اور گدلا وخراب زمانہ رہ گیا، لہٰذا آج کل ہر مسلمان کے لئے موت مثل تحفہ کے مرغوب ہے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے تھے کہ میں پسند نہیں کرتا کہ مجھ پر موت کی سختی میں تخفیف کی جائے کیونکہ وہ آخری شئی ہے جس پر مؤمن کو اجر ملتا ہے (اور اس کے بعد کوئی ایسا واقعہ پیش آنے والا نہیں ہے جس پر اجر دیا جائے، اس وقت جس قدر بھی اجر مل جاوے غنیمت ہے)۔

ابوالدرداءؓ فرماتے تھے کہ کسی بھائی نے کبھی کوئی ہدیہ مجھے ایسا نہیں بھیجا جو ہدیہ سلام سے زیادہ مجھے پسند ہو (بلکہ ہدیۂ سلام مجھے ہر ہدیہ سے زیادہ پسند ہے) اور کسی بھائی کے متعلق مجھے کوئی ایسی خبر نہیں پہنچی جو مجھے اس کی موت کی خبر سے زیادہ پسند ہو (بلکہ اس کی موت کی خبر اس کی تمام خبروں سے زیادہ پسندیدہ ہے)۔

عطاء سلمیؒ موت کی آرزو فرمارہے تھے، اس پر ان سے عطاء ارزق نے کہا کہ آپ ایسی آرزو کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا کہ یہاں حیات تو وہ چاہے جس کی نیکی روز

افزوں ہو۔ رہے ہم سے اور تم سے لوگ وہ حیات سے کس بہبودی کی توقع رکھتے ہیں (کہ وہ حیات کے متمنی ہوں)۔

ابو عتبہؒ خولانی فرماتے تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ شان تھی کہ وہ لقاءِ حق سبحانہ وتعالیٰ کو شہد سے زیادہ محبوب سمجھتے تھے اور ان کو تنگدستی دنیا کا بالکل اندیشہ نہ تھا، بلکہ ان کو خدا کی رزاقی پر پورا اعتماد تھا، اور موت ان کو اس سے زیادہ پیاری تھی جس قدر تم میں سے کسی کو صحت پیاری ہے۔

عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے تھے کہ میں نے سہل تستری سے دریافت کیا کہ کیا آپ اس کو پسند کرتے ہیں کہ کل ہی مر جائیں؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ابھی (مر جاؤں)۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ ہم نے وہ زمانہ دیکھا ہے کہ لوگ امراض ومصائب سے اس خیال سے ڈرتے تھے کہ مبادا ان میں پھنس کر ہم کو حکمِ الٰہی برا معلوم ہو۔ پس وہ ان سے مرض اور مصیبت ہونے کے سبب نہ ڈرتے تھے بلکہ اس بری بات سے ڈرتے تھے جو احتمالاً ان میں ہوتی تھی، اور اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ (حب دنیا کے سبب خود مرض اور مصیبت مبغوض ہوگئے ہیں اور خود میری یہ حالت ہے کہ) اگر میں کسی بلا میں پھنس جاؤں تو مجھے معلوم نہیں کہ میری کیا حالت ہو۔ شاید میں (شدتِ بغض قضائے الٰہی سے) کافر ہو جاؤں، اور مجھے اس کا احساس بھی نہ ہو (کہ یہ کفر ہے)۔

اور مجھے روایت پہنچی ہے (واللہ اعلم کہاں تک صحیح ہے): کہ لقمان علیہ السلام نے اپنے صاحبزادہ سے فرمایا کہ بیٹا میں نے بھاری پتھر بھی اٹھائے اور لوہا بھی اٹھایا، مگر میں نے قرض سے زیادہ بھاری کسی کو نہیں دیکھا، اور میں نے عمدہ غذائیں بھی کھائیں اور حسینوں سے بھی ہم آغوش ہوا مگر عافیت سے زیادہ مزہ دار کسی کو نہیں پایا، اور میں نے ہر قسم کی تلخیاں چکھیں مگر لوگوں کے پاس اپنی ضرورت لے جانے سے زیادہ کسی کو تلخ نہیں پایا۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ اہل مصیبت کی حالت پر رو وا گرچہ ان کا گناہ

تمہارے گناہ نے بڑا ہو، کیونکہ ممکن ہے کہ تم کو بھی تمہارے گناہوں پر اتنی ہی سزا دی جائے جتنی کہ ان کو دی گئی یا ان سے زیادہ سزا دی جاوے (ایک تو تمہارے جرم کی وجہ سے، دوسری تحقیر اہل ابتلاء کے سبب) اور بسا اوقات وہ قیدیوں کے پاس کھانا اور روپیہ جو ان کے پاس ہوتا، بھیجتے اور فرماتے کہ یہ لوگ مسکین ہیں اور سلوک کے مستحق ہیں۔

سہل بن سعد تستری فرماتے تھے کہ بری چیز جس سے آدمی کا امتحان ہوتا ہے وہ اعمال دنیا و آخرت سے فارغ البالی ہے مگر اس بات کو کہ یہ امتحان ہے بہت کم لوگ محسوس کرتے ہیں (ورنہ اکثر لوگ تو یہی سمجھتے ہیں کہ یہ بہت بڑی نعمت ہے کہ کسی قسم کی فکر نہیں، اور نہایت بے فکری سے زندگی بسر ہوتی ہے)۔

مسلم بن قتیبہ فرماتے تھے کہ آدمیوں کی تکلیف پر صبر بڑی جوانمردی کی بات ہے اور (فرماتے تھے کہ) ہم نے اگلے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ حکومت کو سخت مصیبت سمجھتے تھے، اور آج ہم لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اس کو ڈھونڈتے ہیں۔ اور اگلے لوگوں کی حالت یہ تھی کہ جب ان کا کوئی دوست برسرِ حکومت ہو جاتا تو یہ دعا کرتے اے اللہ! اسے ہماری یاد بھلا دے اور یہ حالت کر دے کہ نہ وہ ہمیں پہچانے اور نہ ہم اسے۔

یحیٰی بن الحسینؒ فرماتے تھے کہ جو شخص (دین کی) سلامتی چاہے اس کو چاہئے کہ کہ لوگوں کی ملامت برداشت کرے (ورنہ لوگوں کی تعظیم و تکریم کے سبب دین کے برباد ہونے کا اندیشہ ہے) اور فرماتے تھے کہ بلا عافیت سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر فرعون کو کبھی کوئی مرض لاحق ہوتا ہے تو جو کہ وہ کلمہ اس نے کہا ہے یعنی ﴿أنا ربکم الأعلی﴾ وہ ہرگز نہ کہتا (پس یہ مصیبت عافیت ہی کے سبب ہے) اور میں نے اپنے سردار علی خواص سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ بڑی مصیبت یہ ہے کہ آدمی اپنے علم و عمل میں دکھاوا برتے مگر اس کو بہت کم لوگ سمجھتے ہیں (حالانکہ اکثر لوگ اس بلا میں مبتلا ہیں، پس اسے خوب سمجھ لے) اور اے بھائی تو اپنے دل کو خوب ٹٹول لے (اور جس قدر ریاء وغیرہ کا حصہ اس میں تجھے ملے، اسے نکال ڈال) اور خبردار تو ایسا نہ کہنا جیسا کہ بعض محبین نے

ابتلاء کے وقت کہا تھا کہ اے اللہ اگر اس میں آپ کی رضا ہے تو اس مصیبت کو اور بڑھا دے، کیونکہ مصیبت کے برداشت کرنے والے مرد صرف انبیاء علیہم السلام ہیں۔ (اور دوسروں کی حالت ہرگز قابل اطمینان نہیں ہے، لہٰذا بہت ممکن ہے کہ وہ ازدیادِ مصیبت سے گھبرا جاویں اور شکایت و بے صبری میں مبتلا ہو جاوے)۔

امام شافعیؒ مرض بواسیر میں مبتلا تھے اور رات دن مسوں سے خوں ٹپکتا تھا، حتیٰ کہ وہ درسِ حدیث کے لئے بیٹھتے تھے تو طشت آپ کے نیچے ہوتا تھا، جس میں خون ٹپکتا رہتا تھا۔ ایک روز آپ نے فرمایا کہ اے اللہ اگر اس میں آپ کی رضامندی ہے تو مجھے اس میں ترقی فرمایئے، اس کو شیخ الاسلام مسلم بن خالد زنجیؒ نے سنا تو آپ نے انہیں ڈانٹا اور فرمایا کہ بس کرو (ایسی دعا نہ مانگو بلکہ) اللہ تعالیٰ سے عافیت کی درخواست کرو، کیونکہ ہم اور تم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو مصائب کے متحمل ہوتے ہیں۔

ابوبکر صدیقؓ اپنے خطبہ میں فرماتے تھے کہ لوگو! اللہ سے عفو اور عافیت کی درخواست کرو، کیونکہ مؤمن کو اسلام کے بعد جو سب سے بڑی دولت ملتی ہے وہ عفو اور عافیت ہے۔ اس وقت ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں، اور آئندہ اسی باب میں متفرق طور پر اس خلق پر مبسوط گفتگو ہوگی (تم کو خیال رکھنا چاہئے)۔ والحمد للہ رب العالمین۔

خوف وخشیتِ خداوندی

۱۱- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ حضرات اپنی ابتدائی حالت میں اور (منازل سلوک طے کرنے کے بعد) انتہائی حالت میں دونوں حالتوں میں خدا سے بیحد ڈرتے رہتے ہیں، مگر دونوں حالتوں میں فرق یہ ہے کہ ابتدائی حالت میں تو گناہوں اور عذاب کی وجہ سے ڈرتے ہیں اور انتہائی حالت میں عظمت وجلالِ خداوندی کی وجہ سے خوف ہوتا ہے، کیونکہ جب ان کو عظمت وجلال خداوندی کا مشاہدہ ہوتا ہے تو اس کے مقابلہ میں وہ اپنی طاعات کو ہیچ اور اپنے کو سراپا تقصیروار سمجھتے ہیں اور

اس سبب سے ڈرتے ہیں)، اور دونوں حالتوں کے خوف کا لازم ضروری اپنی تقصیرات پر ندامت ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے صفیہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بیوی اور اے فاطمہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بیٹی! تم خود اپنے کو آگ سے چھڑاؤ، کیونکہ خدا کے مقابلہ میں میں تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا، (اور معصیت کی صورت میں تمہیں نہیں چھڑا سکتا۔ یہ امر آخر ہے کہ حق سبحانہ میری خاطر سے خود تمہارے گناہ معاف کر دیں گے مگر یہ کوئی لازمی امر نہیں ہے، اس لئے اس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے اور خود اعمال صالحہ کرنا چاہئے)۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ نیکی پرانی (ہو کر فناء) نہ ہوگی اور گناہ بھلایا نہ جاوے گا اور جزا دینے والا خدا فنا نہ ہوگا، (اس لئے نیکی اور بدی دونوں کا معاوضہ ضرور ملے گا)۔ اب جیسے چاہو ویسے ہو جاؤ (خواہ نیک خواہ بد) جیسا کرو گے ویسا ہی بدلہ ملے گا۔ (اچھا کرو گے اچھا بدلہ ملے گا، برا کرو گے برا ملے گا)۔

ابو سعید خدریؓ فرماتے تھے کہ چار چیزیں ہیں جب آدمی ان میں زیادتی کرتا ہے تو وہ اسے غارت کر دیتی ہیں اور مخبوط الحواس بنا دیتی ہیں۔ جماع کی کثرت، شکار، جوا اور گناہ۔

ابو تراب نخشیؒ فرماتے تھے کہ جب آدمی گناہوں کے ترک کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے تو حق تعالیٰ کی مدد اسے ہر طرف سے ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ ترکِ گناہ پر اس کی پوری مدد فرماتے ہیں)۔ اور دل سیاہ ہو جانے کی تین نشانیاں ہیں۔ ایک یہ کہ گناہ سے گھبراہٹ نہ ہو، دوسری یہ کہ اطاعت کی دل میں جگہ نہ ہو، تیسری یہ کہ نصیحت دل میں گھر نہ کرے۔

ابو محمد مروزیؒ فرماتے تھے کہ ابلیس پانچ خصلتوں کے سبب بد بخت ہوا، کیونکہ ایک تو اس نے اپنے گناہ کا اقرار نہ کیا، دوسرے وہ اس پر نادم نہ ہوا، تیسرے اس نے اپنے اوپر ملامت نہ کی، چوتھے اس نے توبہ کی طرف مبادرت نہ کی، پانچویں وہ خدا کی

رحمت سے ناامید ہوگیا۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اس کے برعکس حضرت آدم علیہ السلام کی حالت ہے، کیونکہ وہ پانچ خصلتوں کے سبب نیک بخت ہوئے۔ اول انہوں نے اپنے گناہ کا اقرار کیا، دوسرے وہ اس پر پشیمان ہوئے، تیسرے انہوں نے اس پر اپنے نفس کو ملامت کی، چوتھے انہوں نے جلدی سے توبہ کرلی، پانچویں وہ خدا کی رحمت سے ناامید نہیں ہوئے۔

حاتم اصمؒ فرماتے تھے کہ جب تم سے خدا کی نافرمانی ہوجاوے تو فوراً توبہ کرلو اور اس گناہ پر نادم ہو، اور آدمیوں سے معذرت نہ کرو، کیونکہ تمہارا ان سے معذرت کرنا ،اصل گناہ سے بڑا جرم ہے۔ (کیونکہ یہ شرکِ خفی ہے۔ ہاں اگر گناہ حقوق العباد میں سے ہو تو اس میں آدمیوں سے معذرت ضروری ہے)۔

ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے تھے کہ خدا کی اطاعت کرکے دوزخ میں جانا (اگر ممکن ہو تو) مجھے زیادہ پسند ہے، بہ نسبت اس کے کہ میں اس کی نافرمانی کرکے جنت میں جاؤں (بشرطیکہ یہ بھی ممکن ہو۔ حاصل یہ کہ اگر بفرض محال طاعت کا نتیجہ دوزخ ہو اور معصیت کا نتیجہ جنت، تو اس حالت میں بھی مجھے طاعت پسند ہے، پھر جبکہ ایسا نہیں بلکہ طاعت کا نتیجہ جنت اور معصیت کا نتیجہ دوزخ ہے تو میں طاعت کو کیسے پسند نہ کروں گا)۔

اوزاعیؒ جب نبی کریم ﷺ کے کسی رشتہ دار کو کسی گناہ میں مبتلا دیکھتے تو اس سے فرماتے کہ تم لوگ جناب رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور ان کے ارشاد کی مخالفت کی حالت میں ان کی رشتہ داری کے دھوکے میں نہ آنا، کیونکہ آپ نے خاص اپنی صلبی بیٹی فاطمہؓ سے فرمایا تھا کہ تو خود اپنے عمل سے اپنے کو آگ سے چھڑا، کیونکہ خدا کے مقابلہ میں، میں تیرے کچھ کام نہیں آسکتا۔

احمد بن حربؒ فرماتے تھے کیا گناہگار کے لئے ابھی توبہ کا وقت نہیں آیا (ضرور آچکا ہے)، کیونکہ اس کا گناہ درج رجسٹر ہے، اور کل قبر میں وہ (اس کی بدولت) بے چین ہوگا، اور اس کے سبب اس کو دوزخ کی طرف کھینچ کرلے جایا جاوے گا۔

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ عاقل کو زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنے محبوب کو تکلیف دے۔ اس پر ان سے کہا گیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ آدمی خدا کی مخالفت کر کے اپنے محبوب نفس کو تکلیف دے، (یہ نامناسب ہے)۔

جعفر بن محمدؒ فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ جس کو معصیت کی ذلت سے نکالتا ہے، اس کو بلا مال کے غنی کر دیتا ہے (یعنی اس کے قلب میں استغناء کی صفت پیدا کر دیتا ہے) اور بلا کنبہ قبیلہ کے اس کو عزت وغلبہ دیتا ہے اور اپنے میں مشغول کر کے بلا آدمیوں کے اس کا دل بھلاتا ہے۔

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ کمی گناہ کے ساتھ کمی عمل صالح خدا کو زیادہ پسند ہے، بہ نسبت کثرتِ عمل صالح مع کثرت گناہ کے۔

یحیٰ بن معاذؒ فرماتے تھے کہ بہ قدر گناہ سے پاک صاف ہونے کے قلوب کے لئے واپسی حالت سابقہ ہوتی ہے (یعنی جس قدر آدمی گناہوں کو چھوڑتا ہے اسی قدر قلب کی ظلمت ڈھلتی، اور نورانیت سابقہ واپس آتی ہے)۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ آدمی کے گناہوں میں غرق ہونے کی شناخت یہ ہے کہ اس کا دل دن کو روزہ رکھنے اور رات کو تہجد پڑھنے کے لئے نہ کھلے گا۔

محمد بن واسعؒ اپنے لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ ہم تو سراسر گناہوں میں غرق ہیں، اور اگر تم میں سے کسی کو میرے گناہوں کی ہوا بھی لگ جاوے تو وہ میرے پاس بیٹھ بھی نہ سکے۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ بیچارے قاتلین حسینؓ اگر چہ فضل خداوندی کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاویں (مگر ان کے لئے ایک بڑی بھاری مصیبت یہ ہے کہ) ان کو اس کی کس طرح ہمت ہوگی کہ وہ جناب رسول اللہ ﷺ کے نواسہ کے قاتل ہو کر ان کے پاس کو گذریں۔ بخدا اگر قتل حسینؓ میں میرا کچھ بھی دخل ہوتا اور اس حالت میں مجھے دزوخ اور جنت کے درمیان اختیار دیا جاتا (اور کہا جاتا کہ تیرا جی چاہے جنت میں جا،

اور تیرا جی چاہا دوزخ میں جا) تو میں اس خیال سے کہ مبادا جناب رسول اللہ ﷺ جنت میں مجھے نگاہِ قہر سے دیکھیں، جس سے آپ کو بھی تکلیف ہو اور مجھے بھی، دوزخ کو اختیار کرتا اور ہرگز جنت میں نہ جاتا۔ (اس سے تم اندازہ کرلو کہ جب ان کو جناب رسول اللہ ﷺ کی ناخوشی کا اتنا خوف تھا تو خدا کا خوف ان کو کس درجہ ہوگا)۔

ابن السماکؒ فرماتے تھے کہ اگر اطاعتِ خداوندی میں ان فائدوں کے سوا اور کوئی فائدہ نہ ہوتا کہ طاعات گذار کے منہ پر نور اور رونق ہوتی ہے، لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ہوتی ہے، اس کے اعضاء میں قوت ہوتی ہے، اس کو اپنے نفس پر حدود وقصاص وتعزیر کا خطرہ نہیں ہوتا اور لوگوں کے مقابلہ میں اس کی شہادت جائز رکھی جاتی ہے، تو یہ باتیں گناہوں کے چھوڑنے کے لئے کافی تھیں، (پھر جبکہ اس میں ان کے علاوہ بے شمار ایسے فوائد ہیں جن کے مقابلہ میں یہ فوائد کوئی حقیقت نہیں رکھتے تو اب اندازہ کرلو کہ گناہوں کا چھوڑنا کس قدر ضروری ہے) علی ہذا اگر گناہ میں اور کوئی خرابی نہ ہوتی بجز اس کے کہ چہرہ میں بدرونقی اور دل میں ظلمت پیدا ہوجاتی ہے اور گناہ گار کا ذکر لعنت کے ساتھ ہوتا ہے، اور اس کی شہادت نامقبول ہوتی ہے اور اس کو اپنے نفس پر حد قصاص یا تعزیر کا خطرہ ہوجاتا ہے تو یہ امور گناہ کے ترک کے لئے کافی تھے۔ (پھر جبکہ ان کے علاوہ اس میں اور بھی بے انتہا مضرتیں ہوں تو اس کا ترک کیونکر ضروری نہ ہوگا)۔

الحاصل اللہ تعالیٰ فرمانبردار اور نافرمان ہر ایک کے لئے دنیا ہی میں اس کے مناسب علامتیں عطا فرما دیتا ہے، جن کو دیکھ کر فرمانبردار خوش ہوا اور نافرمان محزون۔ میں کہتا ہوں کہ قولِ مذکور میں لعنت سے مراد تعیین کی حالت میں تو صرف برائی ہے کیونکہ کسی خاص شخص پر تعیین کے ساتھ لعنت جائز نہیں۔ اور عدم تعیین کی حالت میں لعنت معروف مراد ہوسکتی ہے، اور مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ جبکہ عام نافرمانوں کے ضمن میں اس کا بھی ذکر ہوتا ہے تو وہ لعنت جو عام نافرمانوں پر کی جاتی ہے، اس پر بھی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

عطاء بن ابی رباحؒ اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿ومن یعظم حرمات اللہ فھو خیر لہ﴾ کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ حرمات سے مراد معاصی ہیں اور مطلب یہ ہے کہ معاصی کو معمولی نہ سمجھے بلکہ بڑا سمجھے، تاکہ ان میں مبتلا نہ ہو جاوے۔

کعب بن احبارؒ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿إن إبراھیم لأواہ حلیم﴾ کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ انہوں نے آگ میں جانے سے پہلے آہ کی اور اس وقت سے پہلے آہ کی جبکہ آہ نافع نہ ہوگی (یعنی خوف عذاب سے دنیا ہی میں آہ کی، لہٰذا قرآن میں ان کی تعریف فرمائی گئی)۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ خدا اپنے نافرمان کو دنیا و آخرت میں لوگوں کے سامنے ذلیل کئے بغیر نہ رہے گا، اور اگر کوئی رات میں بھی گناہ کرتا ہے تو اس کی ذلت صبح کے وقت ضرور اس کے چہرہ پر نمایاں ہوتی ہے (جس کو اہل بصیرت محسوس کرتے ہیں)۔

فضیل بن عیاضؒ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ إلا أحصاھا﴾ کے متعلق فرماتے تھے کہ تم لوگ کبائر سے پہلے صغائر سے ہوش میں آؤ، (کیونکہ آیتِ مذکورہ میں احصاء صغیرہ کو احصاء کبیرہ پر مقدم فرمایا، جس سے مقصود یہ ہے کہ صغائر سے بچنے کا اہتمام کبائر سے زیادہ ہونا چاہئے، کیونکہ لوگ ان کو معمولی سمجھ کر ان سے احتیاط نہیں کرتے، اور اس بے احتیاطی کے سبب وہ مبتلائے معاصی رہتے ہیں، برخلاف کبائر کے ان سے بہت سے اہل ایمان احتیاط کرتے ہیں۔

عوام بن جوشبؒ فرماتے تھے کہ گناہ کے بعد چار باتوں کا ارتکاب گناہ سے بھی زیادہ برا ہے۔ اول یہ کہ گناہ سے زبانی استغفار کرتے ہیں مگر اس کو چھوڑنے کا قصد نہیں کرتے، دوسرے حکم خداوندی سے دھوکا کھاتے ہیں یعنی اگر گناہ پر دنیا میں کوئی سزا نہیں ہوتی تو گناہ سے باز نہیں آتے، اور سمجھتے ہیں کہ خدا ہمارے گناہوں پر سزا نہ دے گا۔ تیسرے گناہ سے توبہ نہیں کرتے بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں چوتھا یہ کہ جب گناہ کے بعد کوئی نیک کام کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں کہ اس سے ہمارا گناہ معاف ہوگیا،

حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے، کیونکہ کبھی حق تعالیٰ محض طاعت لاحقہ سے گناہ سابق کو معاف نہیں فرماتے بلکہ اس کے لئے مستقل توبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ جو شخص خدا کی اطاعت کرتا ہے وہ خدا کو یاد رکھتا ہے اگرچہ اس کی نماز، اس کا روزہ، اس کی تلاوتِ قرآن کم ہو، اور جو شخص اس کی نافرمانی کرتا ہے وہ اس کو بھول جاتا ہے۔ (تو حاصل یہ ہوا کہ خدا کی یاد اس کی اطاعت کا نام ہے، اور اگرچہ وہ کم ہی ہو اور اس کا بھلانا اس کی نافرمانی ہے)۔ اور علماء باعمل کی نشانی یہ ہے کہ وہ ہر وقت کوئی نہ کوئی نیک کام کرتے رہتے ہیں۔

سفیان بن عیینہؒ سے دریافت کیا گیا کہ جس کام کا آدمی صرف ارادہ کرتا ہے اور ابھی اس پر عمل نہیں کرتا، فرشتے اس کو کس طرح لکھ لیتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ کاتب اعمال فرشتوں کو علم غیب نہیں، بلکہ جب [1] آدمی کسی اچھے کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے مشک کی خوشبو مہکتی ہے، اس سے وہ جان لیتے ہیں کہ اس نے نیکی کا قصد کیا ہے، اور جب وہ کسی بری بات کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے بدبو پھیلتی ہے۔ اس سے وہ جان لیتے ہیں کہ اس نے برائی کا قصد کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ قصد سے مراد عزم مصمم ہے نہ کہ مطلق ارادہ۔ تاکہ مضمون مذکور احادیث وقواعد شرعیہ کے موافق ہو جاوے۔ واللہ اعلم

عمر بن عبد العزیزؒ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو اطاعت کا حکم دیا ہے اور اس پر آدمی کی مدد فرماتے ہیں۔ اگر وہ اس کو عمل میں لانا چاہے اور اس کے ترک میں اس کو معذور قرار نہیں دیا۔ علیٰ ہذا انہوں نے غصہ سے منع فرمایا ہے۔ اور اس کے مرتکب کے لئے کوئی حجت نہیں رکھی، (جس سے وہ اپنے کو معذور ثابت کر سکے۔ خلاصہ

---

(۱) یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ فرشتوں کو اس کے ذریعہ سے مطلق نیکی وبدی کا علم ہو سکتا ہے مگر اس کی تعیین کا علم کیونکر ہوتا ہے کہ فلاں نیکی یا فلاں بدی کا ارادہ کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح نیکیوں اور بدیوں کے انواع مختلف ہیں، یوں ہی خوشبو وبدبو کے درجات بھی مختلف ہیں۔ پس ممکن ہے کہ خوشبو وبدبو کا ایک خاص درجہ نیکی وبدی کی ایک خاص قسم پر دلالت کرتا ہو، اور اس ذریعہ سے ان کو اس کی تعیین ہو جاتی ہو۔ واللہ اعلم (مترجم)

یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آدمی کو اطاعت و معصیت میں مختار بنایا ہے اور مجبور نہیں کیا، کیونکہ اگر خدائے تعالیٰ مجبور کرنا چاہتے اور) یہ چاہتے کہ روئے زمین پر ان کی معصیت نہ ہو تو ابلیس کو پیدا نہ کرتے، کیونکہ ہر غلطی کی جڑ وہی ہے۔ (لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ ان کو معاصی کا جبراً روکنا مقصود نہیں)، اور جب یہ ہے تو آدمی کو چاہئے کہ وہ خود معاصی سے بچے اور طاعت کو اختیار کرے۔

ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے تھے کہ اہل طاعت دنیا میں رہنے کو محض اس لئے پسند کرتے ہیں کہ وہ اس میں (رہ کر) اس کی اطاعت کریں۔ نیز وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ نے لوگوں کو (بذریعۂ تقدیر) ان کی اطاعت سے پہلے جنت میں داخل کر لیا اور ان کی معصیت سے پہلے ان پر دوزخ کو مقدر فرما دیا ہے۔ بوجہ اس کے کہ ان کو ہر شخص کی حالت کا پیشتر سے علم تھا۔ (اور وہ جانتے تھے کہ کون معاصی کا ارتکاب کرے گا اور کون اطاعت کر کے جنت کا مستحق ہوگا)۔

بشر حافیؒ فرماتے تھے کہ ایک زمانہ ہم نے وہ دیکھا ہے جس میں لوگ پہاڑوں جیسے اعمال صالح کرتے تھے، اور معہذا وہ سست نہ ہوتے تھے (اور برابر اعمال صالحہ جاری رکھتے تھے) اور ایک زمانہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ تمہارے پاس اعمال بالکل نہیں، مگر باوجود اس کے تم سست ہو اور اعمال میں کوشش نہیں کرتے)۔ واللہ ہمارے اقوال تو تارک الدنیا لوگوں کے سے ہیں مگر ہمارے افعال سرکشوں اور منافقوں کے سے (کس قدر افسوس کی بات ہے)۔

حاتم اصمؒ فرماتے تھے کہ جب تو اپنے پروردگار کی نافرمانی کرے اور تو دیکھے کہ اس پر بھی خدا کی نعمت تجھ پر فراخ ہے تو تو خدا کے اس برتاؤ سے ڈر، کیونکہ یہ استدراج ہے۔ اور ہم نے سلف کو دیکھا ہے کہ وہ معمولی گناہوں کو اس قدر برا سمجھتے تھے کہ اتنا برا تم بڑے بڑے گناہوں کو بھی نہیں سمجھتے۔

ربیع بن خیثمؒ جب عید کے روز قربانی کرتے تو فرماتے کہ اے اللہ آپ کی عزت و جلال کی قسم! اگر میں یہ جانتا کہ اپنی جان قربان کرنے میں آپ کی رضامندی

ہے تو میں آپ کے لئے اپنی جان قربان کر دیتا۔

کہمش بن الحسنؒ اتنی بات پر چالیس برس تک روتے رہے انہوں نے پڑوسی کی مٹی اٹھا کر اس کی بلا اجازت اس سے ہاتھ دھو لئے تھے، اور فرماتے تھے کہ جب کسی کو کوئی گناہ کئے ہوئے زیادہ دن گذر جاتے ہیں تو وہ سمجھتا ہے کہ خدا نے اس کا گناہ معاف کر دیا، مگر یہ محض دھوکہ ہے (لہٰذا اس کو استغفار کرنا چاہئے)۔ اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام سے بذریعۂ وحی فرمایا کہ اے داؤد! بنی اسرائیل سے فرمادو کہ تمہیں کس ذریعہ سے معلوم ہوا کہ میں نے تمہارے گناہ معاف کر دئے تا کہ تم ندامت سے چھوٹ جاؤ۔ (یاد رکھو کہ یہ ایک بیہودہ خیال ہے)۔ اور میری عزت وجلال کی قسم! میں ہر گناہگار کو اس کے گناہ پر قیامت میں مطلع کروں گا۔ میں کہتا ہوں کہ شاید گناہ پر اطلاع سے مقصد یہ ہے کہ اس کو معلوم ہو جاوے کہ خدا کو اس گناہ کی اطلاع ہے، اور با ایں ہمہ وہ اسے معاف کرتا ہے، تا کہ اسے اس کا فضل وکرم معلوم ہو جاوے۔ پس اس سے عدم مغفرت لازم نہیں آتی (یعنی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قیامت میں ہر گناہ کی سزا ضرور دی جائے گی)۔ واللہ اعلم

یزید حمیری فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے ایک راہب سے کہا کہ تم لوگوں نے سیاہی کو سفیدی پر کیوں ترجیح دی ہے، اور سفید کپڑے چھوڑ کر سیاہ کپڑے کیوں پہنے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ وجہ یہ ہے کہ [1] یہ مصیبت زدوں کا شعار ہے اور ہم لوگ گناہگار ہیں اور گناہ سب سے بڑی مصیبت ہے۔

عتبۃ العلامؒ کا ایک روز ایک مقام پر گذر ہوا تو وہ کانپنے لگے اور ان کے بدن سے پسینہ ٹپکنے لگا، لوگوں نے ان سے اس بارہ میں گفتگو کی (اور پوچھا کہ اس کا سبب کیا ہے) اس پر انہوں نے فرمایا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں میں نے بچپن میں خدا کی نافرمانی کی تھی، (اس سے تم ان کے خوف کا اندازہ کر لو کہ کس قدر تھا)۔

(۱) غالباً یہ جواب محض ایک توجیہ ہے، اور صحیح وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ سفید کپڑا جلدی میلا ہو جاتا ہے، اور سیاہ کپڑا دیر میں میلا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

مالک بن دینارؒ نے بصرہ سے پیدل سفر حج اختیار کیا تو ان سے کہا گیا کہ آپ سوار کیوں نہیں ہوتے؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ کیا نافرمان اور بھاگا ہوا غلام اپنے آقا سے مصالحت کے لئے سوار ہو کر بھی جانا پسند کرے گا۔ بخدا اگر میں انگاروں پر چل کر مکہ جاؤں تو یہ بھی کم ہے۔

پس اے بھائی تو ان باتوں کو خوب سمجھ لے، اور خبردار! جب تجھ سے گناہ کئے ہوئے ایک عرصہ ہو جاوے تو اس وقت بھی تو استغفار میں سستی نہ کرنا، کیونکہ تجھے گناہ کا تو یقین ہے اور اس کی معافی میں شبہ متیقن کو شبہ کی بنا پر نظر انداز کرنا حماقت ہے اور رات دن استغفار کرتا رہ۔ والحمد للہ رب العالمین.

حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام

۱۲- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگ خدا سے بہت ڈرتے ہیں، کہ مبادا خدا ان گناہوں پر عذاب دے جن کا انہوں نے اپنے نفس پر زیادتیاں کر کے یا دوسروں کی حق تلفیاں کر کے ارتکاب کیا ہے، اگرچہ اس حق تلفی کا تعلق ایک خلال کے تنکے یا ایک سینے کی سوئی سے ہو۔ بالخصوص اگر ان میں کوئی ایسا ہوتا ہے جس کی نظر میں اس کے اعمال صالحہ بہت کم ہوتے ہیں تو اس کو اور بھی زیادہ خوف اور بے چینی ہوتی ہے، کیونکہ (اس کی نظر میں) اس کے پاس نیکیاں بھی نہیں ہوتیں، جن کو قیامت میں مدعیوں کو دیدے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک مظلوم قیامت کے روز حرص کرے اور مال کی یا آبرو کی ایک حق تلفی یا ایک تھپڑ کے بدلے میں ظالم کے تمام اعمال صالحہ لے کر بھی رضامند نہ ہو۔ (پس ایسی حالت میں تو جتنی بھی نیکیاں ہوں، کم ہیں اور ہر شخص کے لئے خوف لازم ہے، خواہ اس کے پاس تھوڑی نیکیاں ہوں یا زیادہ)۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جانتے ہو قیامت کے روز میری امت میں مفلس کون ہوگا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ہم تو

مفلس اسے جانتے ہیں جس کے پاس نہ روپیہ ہو اور نہ اشرفی اور نہ ساز و سامان، اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں جانتے، تو آپ نے فرمایا کہ مفلس وہ ہے جو قیامت میں نماز، روزہ زکوۃ، حج لے کر آوے گا اور اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا، اور اس بناء پر کچھ نیکیاں اس کی ایک کو دیدی جاویں گی اور کچھ دوسرے کو، پھر اگر اس کی نیکیاں ادائے حقوق سے پہلے ختم ہو جاویں گی تو مظلومین کے گناہ لے کر اس پر ڈال دئے جاویں گے اور اس کو دوزخ میں پھینک دیا جاوے گا۔

عبداللہ بن انیسؓ فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ قیامت کے روز اعلان فرماویں گے کہ میں بدلہ لینے والا بادشاہ ہوں، لہٰذا نہ کوئی دوزخی جس کے ذمہ کسی کا حق ہو، دوزخ میں جاسکتا ہے، اور نہ کوئی جنتی جنت میں داخل ہوسکتا ہے تاوقتیکہ اس سے اس کا بدلہ نہ لے لیا جاوے۔

وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ایک جوان نے تمام گناہوں سے توبہ کر لی اور خدا کی عبادت کرنے لگا، اور ستر برس تک اس طرح عبادت کی کہ دن کو روزہ رکھتا اور رات کو شب بیداری کرتا، اور نہ کبھی سایہ میں آرام کرتا اور نہ کبھی مرغن کھانا کھاتا۔ پس جب اس کا انتقال ہوگیا تو اس کے کسی دوست نے اسے خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ خدا نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس نے جواب دیا کہ مجھ سے حساب لیا اور میرے تمام گناہوں کو معاف فرمادیا بجز ایک تنکے کے جس سے میں نے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر خلال کر لیا تھا اور اس کی وجہ سے میں اب تک جنت میں جانے سے رکا ہوا ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کو تین چیزوں میں مخفی کیا ہے۔ اپنی رضا کو اپنی اطاعت میں، اور اپنے غصہ کو اپنی نافرمانی میں، اور اپنے دوستوں کو اپنے بندوں میں، الی آخر الحدیث۔ پس بسا اوقات حق تعالیٰ کسی بندہ پر اپنی ناراضی کو ایسے گناہ میں مبتلا ہونے کے ساتھ وابستہ کر دیتے ہیں

جو اس کی نظر میں بہت معمولی ہوتا ہے، جیسا کہ دانتوں کے لئے خلال لے لینا، یا ہاتھ دھونے کے لئے پڑوسی کی بلا اجازت مٹی لے لینا جیسا کہ ابھی گذر چکا ہے۔ واللہ اعلم

حارث محاسبی فرماتے تھے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ کسی پیمانہ والے نے ناپنے سے توبہ کر لی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ گیا، پس جب اس کا انتقال ہو گیا تو اس کے کسی دوست نے اس کو خواب میں دیکھا اور کہا کہ ارے فلانے خدا نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ تو اس نے کہا کہ مختلف غلوں کے پندرہ پیمانے جو میں نے ناپے تھے، ان کے متعلق مجھ سے باز پرس ہوئی اور فرمایا کہ بتلاؤ یہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا قصہ یہ ہے کہ میں اس کا خیال نہ رکھتا تھا کہ پیمانے کو غبار سے صاف کر لوں، اس لئے اس کی تلی میں کچھ مٹی جم گئی اور اس کے سبب ہر پیمانہ اس مٹی کی مقدار کم ہو گیا جو اس کی تہ میں جم گئی تھی، اس پر مؤاخذہ ہوا)۔

ایسا ہی واقعہ ایک اور شخص کو پیش آیا جو ترازو کو پونچھ کر غبار صاف نہ کرتا تھا اور قبر میں اس کو اس پر سزا دی گئی، یہاں تک کہ لوگوں نے قبر میں اس کی چیخیں سنیں، حتیٰ کہ بعض صلحاء نے اس کے لئے دعا کی اور ان کی دعا مقبول ہوئی۔

ابو میسرہؒ فرماتے تھے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ایک مردہ کو قبر میں اتنا مارا گیا کہ اس کی قبر آگ سے بھڑک اٹھی، تو اس نے کہا کہ مجھے یہ تو بتاؤ تم کس جرم پر مارتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ تیرا ایک مظلوم پر گذر ہوا جس نے تجھ سے فریاد کی مگر تو نے اس کی فریاد نہ سنی، اور ایک مرتبہ تو نے بلا وضو نماز پڑھی تھی (یعنی تجھے معلوم تھا کہ میں بے وضو ہوں اور قصداً تو نے ایسا کیا)۔

قاضی شریح فرماتے تھے کہ خبردار رشوت نہ لینا، کیونکہ وہ دانا آدمی کو اندھا کر دیتی ہے، اور اسے انصاف و بے انصافی میں تمیز نہیں رہتی۔ اور بعض روایتوں میں یہ ہے کہ وہ صحیح فیصلہ کی آنکھ پھوڑ دیتی ہے۔

حسن بصریؒ جب کسی حاکم یا اس کے مددگار کو کسی محتاج کو خیرات دیتے دیکھتے تو فرماتے اے وہ شخص جو مساکین کو بہ نیت ترحم صدقہ دیتا ہے، تو اس پر رحم کر جس پر تو

نے ظلم کیا ہے اور اس کا حق مغصوب واپس کردے، کیونکہ یہ فعل تجھے (صدقہ کی نسبت) زیادہ بری الذمہ کرنے والا ہے۔

میمون بن مہرانؒ فرماتے تھے کہ جو شخص کسی کی حق تلفی کرے اور اس حق تلفی سے عہدہ برآ نہ ہو سکے تو چاہئے کہ ہر نماز کے بعد اس کے لئے استغفار کیا کرے۔ اس سے وہ انشاء اللہ اس حق تلفی سے عہدہ برآ ہو جائے گا۔

حذیفہؓ فرماتے تھے کہ قربِ قیامت کی نشانی ہے کہ حکام بدکار ہوں گے، علماء بے دین ہوں گے۔

میمون بن مہرانؒ فرماتے تھے کہ آدمی نماز میں اپنے اوپر لعنت کرتا ہے اور اسے خبر نہیں ہوتی کہ میں خود اپنے اوپر لعنت کر رہا ہوں۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ حضرت یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ پڑھتا ہے: ﴿ألا لعنة الله على الظالمين﴾ ، اور وہ خود ظالم ہوتا ہے، خواہ اس لئے کہ اس نے گناہ کرکے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور خواہ اس لئے کہ اس نے دوسروں کا مال لے کر اور ان کی بے آبروئی کرکے ان پر ظلم کیا ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ خبردار تم کسی کے وصی نہ ہونا، کیونکہ وصی (اس زمانہ میں) وصیت کا حق ادا کرنے پر قادر نہیں ہے اگرچہ وہ احتیاط میں مبالغہ کرے (کیونکہ آج کل کی احتیاط بوجہ غلبۂ بددینی وحبِ دنیا کے کافی احتیاط نہیں)۔

مالک بن دینارؒ فرماتے تھے کہ خائن کا خزانچی بھی خائن ہے، اور عشر وصول کرنے والے کا خزانچی بھی عشر لینے والا ہے (پس جو حکم خائن اور عشار کا ہے وہی ان کے خزانچیوں کا، جیسا کہ چوروں کا تھانگی چور ہوتا ہے)۔

یحیی بن معاذؒ فرماتے تھے کہ خبردار وصی نہ ہونا، کیونکہ وصیت کرنے والا یہ چاہتا ہے کہ اپنا مال تیرے ذریعہ سے درست کرے اور تیرا دین بگاڑ دے۔ پس تجھے اپنے دین کی حفاظت کی اس کے مال کی حفاظت سے زیادہ حرص ہونی چاہئے۔

امام ابو یوسف شاگرد امام ابو حنیفہؒ فرماتے تھے کہ پہلی مرتبہ وصیت میں داخل

ہونا تو غلطی (و نا تجربہ کاری) ہے، اور دوسری دفعہ صاف خیانت ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں (کیونکہ اول مرتبہ کام کر کے اسے تجربہ ہو چکا ہے کہ میں اس کے حقوق ادا نہیں کر سکتا، پھر باوجود اس کے دوبارہ اس بار کو اپنے ذمہ لیتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ اسے چاٹ لگ گئی ہے)۔

کعب احبارؒ نے ایک شخص کو دیکھا وہ جمعہ کے روز کسی پر ظلم کر رہا ہے تو آپ نے اس سے فرمایا کہ تجھے اس دن لوگوں پر ظلم کرنے سے ڈر نہیں لگتا، جس روز قیامت آوے گی اور جس روز تیرا باپ آدم پیدا کئے گئے تھے (مقصد یہ ہے کہ یہ دن معظم ہے، اس دن کی حرمت کا تو خیال کرنا چاہئے)۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے کہ جو شخص کسی ظالم کے ظلم پر اس کی اعانت کرے یا اسے ایسی دلیل تعلیم کرے جس سے وہ ایک مسلمان آدمی کا حق باطل کر دے تو وہ خدا کا غضب لے کر پھرتا ہے۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اپنے بندہ کو کوئی تحفہ دے تو اس پر اس شخص کو مسلط کر دیتا ہے جو اس پر ظلم کرے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص کسی ظالم پر بددعا کرے تو اس نے اپنا انتقام لے لیا۔

یحیٰ بن معاذؒ فرماتے تھے کہ اگر مجھ پر کوئی ظلم کرے اور میں اس کا بدلہ نہ لوں تو یہ مجھے پسند ہے۔

امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ حقیقۃً نہ کوئی کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ کوئی کسی سے برائی کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو اچھا کرتا ہے تو وہ بھی اپنے لئے کرتا ہے، اور جو برا کرتا ہے اس کا وبال بھی اسی پر ہے۔ (پس ثابت ہوا کہ جو کوئی کسی پر ظلم کرتا ہے یا جو کوئی کسی سے برائی کرتا ہے وہ حقیقۃً اپنے ہی ساتھ کرتا ہے)۔

احمد بن حربؒ فرماتے تھے کہ بہت سے لوگ نیکیوں کی کثرت کے سبب دنیا سے دولت مند ہو جاویں گے، مگر قیامت میں لوگوں کے مطالبات کے سبب بالکل خالی

ہاتھ ہو جاویں گے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ تمہارا خدا کے پاس ایسے ستر گناہ لے کر جانا، جن کا تعلق تم سے اور خدا سے ہو، یہ زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ تم صرف ایک گناہ ایسا لے کر جاؤ کہ اس کا تعلق تم سے اور بندوں سے ہو، (کیونکہ حق تعالیٰ اول تو غنی ہیں، دوسرے رحیم ہیں، اس لئے ان کے نزدیک ستر کیا ستر سو گناہ معاف کر دینا کوئی بڑی بات نہیں، برخلاف بندوں کے کہ وہ نیکیوں کے محتاج اور اپنے گناہوں سے سبکدوش ہونے کے متمنی ہیں، اس لئے ان سے ایک گناہ کی معافی کی بھی امید نہیں۔ پس اے بھائی تو بزرگان سلف کے خوف کو دیکھ اور اس میں ان کا اتباع کر، کیونکہ تو ہلاکت کے کنارہ پر کھڑا ہے، اور خوف اس سے بچنے کا ذریعہ ہے، پس جو شخص ڈرتا رہا وہ ہلاکت سے بچ گیا۔ والحمد للہ رب العالمین.

آخرت کے ہولناک واقعات پر رونا اور ڈرنا

۱۳- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب وہ قیامت کے ہولناک واقعات یاد کرتے ہیں تو خدا سے بہت ڈرتے ہیں، اور جبکہ قرآن یا دیگر ذکر اللہ سنتے ہیں تو ان پر غشی اور بیہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک روز یہ آیت پڑھی: ﴿ إن لدينا أنكالا وجحيما، وطعاما ذا غصة وعذابا أليما ﴾ اس وقت آپ کے آگے حمران بن اعین تھے، تو (یہ سن کر ان کی روح پرواز کر گئی اور) مردہ ہو کر گر پڑے۔

ایک روز یزید رقاشی عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس گئے تو انہوں نے ان سے فرمایا کہ اے یزید! مجھے کچھ نصیحت فرمایئے، اس پر انہوں نے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین! آپ [1] پہلے خلیفہ نہیں ہیں جو مریں گے (بلکہ تم سے پہلے اور بھی مر چکے ہیں، جن کا مرنا تمہارے لئے موجب عبرت ہے)، یہ سن کر عمر بن عبدالعزیزؒ رونے لگے اور فرمایا اور کچھ ارشاد فرمائیے تو انہوں نے ان سے فرمایا کہ (آپ کے تمام آباء واجداد

(۱) اصل کتاب میں غلطی سے یزید کا مقولہ "انک اول خلیفة یموت" لکھا گیا ہے فلیتنبہ۔

مر چکے ہیں، چنانچہ) آپ کے اور آدم علیہ السلام کے درمیان جتنے باپ ہیں ان میں سے اس وقت کوئی زندہ نہیں، اور یہ دلیل ہے اس کی کہ آپ بھی ضرور مریں گے) یہ سن کر اور روئے اور فرمایا کہ اور کچھ ارشاد فرمایئے، اس پر انہوں نے فرمایا کہ جنت اور دوزخ کے درمیان اور کوئی مرتبہ نہیں (لہٰذا آپ یا دوزخ میں جائیں گے یا جنت میں آپ اپنے اعمال دیکھ لیجئے کہ جنت کے قابل ہیں یا دوزخ کے) یہ سن کر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

حسن بن صالحؒ ایک مرتبہ اذان دے رہے تھے۔ اس میں جب آپ نے فرمایا: أشهد أن لا إله إلا الله، (اس سے عظمت خداوندی کا جو استحضار ہوا) تو بیہوش ہو گئے لوگ ان کو منارہ پر سے اٹھا کر نیچے لائے اور آپ کے بھائی نے اوپر چڑھ کر اذان دی اور نیچے آ کر نماز پڑھائی، اور حسن ہنوز بیہوش تھے (نہیں معلوم کس وقت ہوش آیا ہوگا)۔

ابو سلیمان دارانی فرماتے تھے کہ میں نے حسن بن صالح سے زیادہ صاحب خشوع کسی کو نہیں دیکھا، ایک شب کا واقعہ ہے کہ وہ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور عم یتساءلون پڑھی اور اثنائے سورہ میں بے ہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو وضو کیا اور نماز شروع کی، پھر عم یتساءلون پڑھی اور بیہوش ہو گئے۔ غرض صبح تک یوں ہی کرتے رہے مگر سورۃ نہ تمام کر پائے۔

ایک روز داؤد طائی کا گذر ایک عورت پر ہوا، جو اپنے کسی عزیز کی قبر پر رو رہی تھی، اور کہہ رہی تھی کہ کاش مجھے معلوم ہو جاوے کہ تیرے کون سے رخسارے میں کیڑے پڑ گئے، یہ سن کر داؤد بیہوش ہو کر گر پڑے اور شعوانہ عابدہؒ اپنی مناجات میں کہتی تھیں کہ اے اللہ آپ سب کریموں سے زیادہ کریم ہیں، اور سب سرداروں میں بڑے سردار ہیں اور آپ ہی مسلمانوں کی امید گاہ ہیں۔ میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ آج آپ اس شخص کو بخش دیں جو عقوبت معلوم کر لینے کے بعد آپ کی نافرمانی کرے اور یہ کہہ کر چیخ مارتی تھیں اور بیہوش ہو جاتی تھیں اور ہائے زبان سے نکلتا تھا۔

عمر بن الخطابؓ ایک روز ''إذا الشمس کورت'' پڑھ رہے تھے کہ جب ﴿ إذا الصحف نشرت ﴾ پر پہنچے تو بیہوش ہو کر گر پڑے اور دیر تک زمین پر لوٹتے رہے۔

ربیع بن خثیمؒ ایک پڑھنے والے کو یہ پڑھتے سنا: ﴿ إِذَا رَأَتْهُمْ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا ﴾ تو بیہوش ہو کر گر پڑے۔ بیہوش ہو جانے کے بعد لوگ ان کو ان کے مکان پر لے گئے، وہاں بھی ہوش نہ آیا، اور اسی بیہوشی میں ان کی نماز ظہر، عصر، مغرب، عشاء قضاء ہو گئیں، اور یہ اپنے محلے کے امام تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آیت پڑھنے والے عبد اللہ بن مسعودؓ تھے۔

ابو سلیمان دارانی فرماتے تھے کہ سفیان ثوریؒ نے مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی، اور اس کے بعد آسمان کی طرف دیکھا اور بیہوش ہو کر پیچھے کو گر گئے۔ یہ واقعہ بیان کر کے دارانی فرماتے تھے کہ یہ بیہوشی محض آسمان کی طرف نظر کرنے سے نہ ہوئی تھی بلکہ اس کا سبب قیامت کے ہولناک واقعات کا خیال تھا، (یعنی اللہ اکبر وہ قیامت کیا چیز ہوگی، جو ایسے عظیم الشان آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گی اور جس میں ایسا ایسا ہوگا)۔

وہب بن منبہؒ فرماتے تھے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا کوئی قصور یاد آ جاتا تو بیہوش ہو جاتے اور ایک میل سے ان کے دل کی دھڑکن کی آواز سنائی دیتی۔ اس پر ان سے کوئی کہتا کہ آپ خلیل اللہ ہو کر ایسا کرتے ہیں؟ تو آپ فرماتے کہ بھائی جب میں اپنا قصور یاد کرتا ہوں تو اپنا مرتبہ خلت بھول جاتا ہوں۔

فضیل بن عیاضؒ نے ایک روز صبح کی نماز پڑھی تو اس میں سورۂ یٰسین پڑھی۔ پس جب وہ: ﴿ إن كانت إلا صيحة واحدة فإذا هم جميع لدينا محضرون ﴾ تک پہنچے تو ان کے صاحبزادہ علیؒ بیہوش ہو کر گر پڑے، اور طلوع آفتاب تک ہوش نہ آیا۔ اور علی مذکور کی یہ حالت تھی کہ جب کوئی سورت پڑھنا چاہتے تو اسے پورا نہ کر سکتے۔ اور سورۂ زلزلت اور سورۂ القارعۃ تو کبھی سن ہی نہ سکتے، اور جب

ان کا انتقال ہو گیا تو ان کے باپ فضیل بن عیاض ہنسے۔ اس پر ان سے اس بارہ میں کسی نے سوال کیا، کیونکہ وہ غمگین رہا کرتے تھے۔ (پس ایسے شخص کا ہنسنا اور وہ بھی بیٹے کی موت پر ضرور حیرت میں ڈالنے والا تھا) تو انہوں نے جواب دیا کہ خدا کو اس کی موت پسند آئی، لہٰذا مجھے بھی پسند آئی اور میں نے ہنس دیا۔ علی مذکور اپنے والد سے فرمایا کرتے تھے کہ خدا سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے میرے مرنے سے پہلے پوری سورۃ یا پورے قرآن کے سننے کی قدرت دیدے۔

حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ پہلے جب کوئی رات کو قرآن پڑھتا تو صبح کے وقت لوگ اس کا اثر یعنی شدت تغیر اور زردی رنگ اور دبلا پن اور مرجھا جانا، اس کے چہرہ میں محسوس کرتے تھے، اور اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ جب کوئی رات کو پورا قرآن بھی پڑھتا ہے تو صبح کے وقت اس کے چہرہ پر اس کا کوئی اثر بھی نہیں دکھلائی دیتا۔ اور اس کا قرآن پڑھ لینا ایسا معمولی معلوم ہوتا ہے جیسا چادر اٹھا لینا۔

میمون بن مہرانؒ فرماتے تھے کہ سلمان فارسیؓ نے کسی پڑھنے والے کو یہ پڑھتے ہوئے سنا: ﴿ وإن جهنم لموعدهم أجمعين ﴾ تو چیخ اٹھے اور ہاتھ سر پر رکھ لیا اور سرگشتہ ہو کر نکل گئے۔ چنانچہ تین دن تک ان کو یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کس طرف جا رہے ہیں۔

اب اے بھائی! تو اپنے سلف کے حال میں غور کر، اور سوچ کہ کیا اپنے پروردگار کا کلام سن کر تو کبھی خلوص سے بیہوش ہوا ہے، یا نہ خلوص سے اور نہ ریا سے کسی طرح بھی تجھے تیری سنگ دلی کے سبب غش نہیں آیا؟ (اس کا جواب تیری طرف سے یہی ہوگا کہ مجھے کبھی غش نہیں آیا) لہٰذا (کہا جاتا ہے کہ) تو ڈرتا رہ، اور بھوکا رہنا اختیار کر کیونکہ ان باتوں سے تیرا دل نرم ہوگا۔ والحمد لله رب العالمين۔

بیماریوں میں توجہ الی اللہ

۱۴- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کبھی وہ کسی مرض میں مبتلا ہوتے ہیں تو ان کے دل ان کے جسموں سے اکھڑ جاتے ہیں، اور وہ تدبیر

اجسام سے بے فکر ہو کر آخرت کی درستی میں لگ جاتے ہیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ ان کو یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ مرض کوچ کا پیغام ہو اور ہم اس کو معمولی مرض سمجھ کر بے فکر رہیں، اور اس کا نتیجہ یہ ہو کہ نہ ہمیں توبہ نصیب ہو اور نہ واجب التدارک حقوق کا تدارک ہو سکے، بلکہ ہم اسی طرح نافرمانی کی حالت میں عالم آخرت کو روانہ ہو جائیں، اور بلاشبہ ہماری حالت ایسی ہو جائے جیسے وہ غلام جس نے اپنے آقا کی حرم سرا میں بدکاری کی ہو اور اس لئے آقا اس پر نہایت درجہ خفا ہو، اور اسی حالت اشتداد وغصب میں لوگ اس غلام کو اس کے سامنے لے آئیں، اور اس وقت ہمارا حشر وہی ہو جو غلام مذکور کا۔ اس لئے ہمیں اس کی آخری حالت تصور کر کے سفر آخرت کی تیاری میں مشغول ہو جانا ضروری ہے۔ (الغرض یہ وجہ ہوتی ہے جس کی بناء پر ہر مرض میں ان لوگوں کے قلوب ان کے اجسام سے اکھڑ جاتے ہیں۔ اب اس کے مؤید ومناسب واقعات سنو)۔

ایک مرتبہ حسان بن سنان بیمار ہوئے تو ان کے احباب عیادت کے لئے ان کے پاس گئے اور کہا کہ کیسا مزاج ہے؟ فرمایا کہ اگر دوزخ سے بچ جاؤں تو مزاج اچھا سمجھو (ورنہ مزاج وزاج کچھ بھی نہیں)، اس پر انہوں نے پوچھا کہ آپ کا جی کس بات کو چاہتا ہے؟ فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میرے مرنے سے پہلے مجھے لمبی رات نصیب ہو جاوے جس کو میں نماز واستغفار سے زندہ کروں۔

مالک بن دینارؒ فرماتے تھے کہ میرا ایک پڑوسی بداعمال تھا، وہ مرنے لگا تو میں اس کے پاس گیا اور جا کر کہا کہ تم خدا سے کیوں نہیں معاہدہ کر لیتے کہ میں اب گناہ نہ کروں گا، کیونکہ شاید تم اس معاہدہ کی حالت میں مرجاؤ (اور بعد مردن یہ معاہدہ تمہارے لئے نافع ہو)، مالک کہتے ہیں کہ (اس کا جواب اس نے تو کچھ نہ دیا مگر) گھر کے اندر سے آواز آئی کہ جناب! اگر آپ اس سے بھی ایسا ہی معاہدہ کرنا چاہتے ہیں جیسا آپ ہم سے کیا کرتے ہیں کہ آج معاہدہ کیا اور کل توڑ دیا تو ایسے معاہدہ کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہے، بلکہ اس سے تو اور زیادہ مبغوض اور راندۂ درگاہ ہو جاوے گا۔ یہ سن کر

امام مالکؒ بیہوش ہو کر گر پڑے۔

ربیع بن خثیمؒ کے مرضِ موت میں ان سے کہا گیا کہ ہم آپ کے لئے کسی طبیب کو نہ بلاویں؟ یہ سن کر وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہے، اس کے بعد فرمایا کہ کہاں ہے قوم ثمود؟ کہاں ہے قوم عاد؟ کہاں ہیں اصحاب الرس؟ اور کہاں ہیں ان کے درمیان کے بہت سے قرن؟ حق تعالیٰ نے سب کے لئے مثالیں بیان کی تھیں، بہت سے طریقوں سے سمجھایا تھا مگر نہ مانے، آخر انجام یہ ہوا کہ خدا نے ان سب کے سب کو ہلاک کر دیا، اور باوجودیکہ ان میں علاج کرنے والے بھی تھے طبیب بھی وہ لوگ ہلاکت سے نہ بچ سکے اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ یہ فرما کر فرمایا کہ بخدا میں ہرگز اپنے لئے طبیب نہ بلاؤں گا۔

مغیرہ الخیراز کے مرضِ موت میں لوگ ان کے پاس گئے اور پوچھا کہ حضرت مزاج کیسا ہے؟ فرمایا کہ گناہوں کے بوجھ میں دبا ہوا ہوں۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کا کسی چیز کو جی چاہتا ہے؟ فرمایا ہاں اس کو جی چاہتا ہے کہ میری موت سے پہلے اللہ تعالیٰ مجھ پر یہ احسان فرماویں کہ میں ان تمام باتوں سے توبہ کرلوں جو خدا کو ناپسند ہیں۔

جب وہب ابن الودؒ بیمار ہوئے تو حاکمِ مکہ نے ان کے پاس ایک عیسائی طبیب کو بھیجا۔ اس نے آکر پوچھا کہ کیا تکلیف ہے؟ وہب نے فرمایا کہ میں تجھے نہ بتاؤں گا کہ مجھے کیا تکلیف ہے۔ لوگوں نے (سمجھا کہ عیسائیت سے نفرت اس کا سبب ہے اور) کہا کہ (اگر آپ کو اس سے نفرت ہے تو) ہم سے کہہ دیجئے، ہم اس سے کہہ دیں گے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: حیرت ہے کہ ان کی عقلیں کہاں گئیں۔ ارے عقلمندو! ذرا سوچو تو کیا تم مجھ سے یہ کہتے ہو کہ میں اپنے خدا کی شکایت اس کے ایک دشمن سے کروں؟ آپ سب حضرات میرے پاس سے تشریف لے جائیں (مجھے ایسے خیر خواہوں کی ضرورت نہیں ہے)۔

سفیان بن عتبہؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم فضیل بن عیاضؒ کی عیادت کے لئے گئے

تو انہوں نے فرمایا کہ اگر آپ حضرات تشریف نہ لاتے تو آپ کی تشریف آوری سے اچھا ہوتا، کیونکہ آپ کے تشریف لانے پر مجھے اندیشہ ہے کہ شاید میرے منہ سے کوئی ایسی بات نکل جاوے جو خدا کی شکایت ہو۔

یحیٰ بن معاذؒ فرماتے تھے کہ ہم نے ایک مرتبہ ایک بیمار کی عیادت کی اور پوچھا کیسا مزاج ہے؟ اس نے کہا کہ میں دنیا میں اپنے خلاف منشأ بھیجا گیا اور اس میں ظالم ہو کر زندہ رہا، اور اب پشیمانی کی حالت میں دنیا چھوڑ رہا ہوں (اب تم سمجھ لو کہ جس کی یہ سوانح عمری ہو، اس کا مزاج کیسا ہوگا)۔

حسن بصریؒ عطاء سلمیؒ کے پاس گئے، اس وقت حضرت عطاء بیمار تھے، بیماری کے سبب پیلے ہو رہے تھے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر حسن بصریؒ نے فرمایا کہ (آپ گھر میں پڑے گھٹ رہے ہیں) اگر آنگن میں تشریف لے چلتے تو اچھا ہوتا۔ یہ سن کر عطاء نے فرمایا کہ بھائی مجھے شرم آتی ہے کہ خدا مجھے میرے حظِ نفس میں سعی کرتے دیکھے (اس لئے میں ایسا نہ کروں گا) اور جب عمر بن عبدالعزیزؒ بیمار ہوئے تو لوگ ان کے معالجہ کے لئے طبیب کو لائے۔ طبیب نے دیکھ کر کہا کہ خدا کے خوف نے ان کا کلیجہ کاٹ ڈالا ہے، ان کا علاج نہیں کر سکتا۔

جب ابوبکر بن عباس بیمار ہوئے تو ایک طبیب نصرانی ان کو دیکھنے آیا اور آ کر نبض دیکھنی چاہی۔ آپ نے اس کو ہاتھ نہ لگانے دیا۔ جب نصرانی اٹھ کر چلا تو جاتے ہوئے ابوبکر نے اس کو دیکھا، اور فرمایا کہ اللہ جب آپ نے مجھے اس طبیب کے مرض کفر سے نجات دی ہے تو یہ میرے لئے کافی ہے، اور اب مجھے کسی بیماری کی پرواہ نہیں۔ آپ جو معاملہ میرے ساتھ چاہیں کریں۔ (خواہ مجھے اچھا کر دیں یا مار دیں۔ یا مرض بڑھا دیں)۔

سفیان رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ بڑے آدمیوں کے سوا اور لوگوں میں بہت کم مریض ان چار بلاؤں سے جدا رہتے ہیں۔ ایک طمع دوسرے جھوٹ تیسرے شکایت چوتھے ریا۔

شدادی حکیم جب کسی مرض میں مبتلا ہوتے تو مرض کے شکرانہ میں سو درم خیرات کرتے۔

عمر بن الخطابؓ جب بیمار ہوتے تو طبیب کے مشورہ سے کوئی علاج نہ کرتے ایک مرتبہ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم طبیب کو بلا دیں تو آپ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں، بخدا اگر مجھے یہ معلوم ہو جاوے کہ کان کے چھونے سے میں اچھا ہو جاؤں۔ تو میں اپنا کان تک نہ چھوؤں گا۔ پس خدا جو کچھ کرے وہی اچھا ہے۔

جب لوگوں نے یحییٰ بن معاذ کی عیادت کرتے ہوئے کہا کہ آپ کا مزاج کیسا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے دنیا میں ظالمانہ زندگی بسر کی (اس کا افسوس ہے)۔

امام شافعیؒ سے پوچھا گیا کہ حضرت آپ کا کیا حال ہے؟ تو فرمایا دنیا سے رخصت ہونے کو ہوں۔ اور میرے اعمال میرے آگے آنے والے ہیں۔ اور خدا کے فضل پر بھروسہ کیے ہوئے ہوں۔

داؤد طائی کی بیماری کے زمانہ میں ایک امیر ان کے پاس آئے۔ اور ان کے برابر میں ایک ہزار دینار رکھ دیے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے ضرورت نہیں، رکھو خدا تمہیں عافیت دے۔ اس پر اس نے کہا کہ کوئی خدمت میرے لائق ہو تو فرمایئے۔ انہوں نے فرمایا کہ جی ہاں ہے، وہ یہ ہے کہ پھر میرے پاس تشریف نہ لائیں۔ اور اس کے بعد حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ یہ حضرت یہ چاہتے ہیں کہ مرنے سے پہلے (مجھے تصفیہ باطن کا موقع نہ دیں بلکہ) میرے موجودہ میل پر اور میل کا اضافہ کر دیں۔

لوگ فضیل بن عیاضؒ کی عیادت کے لئے گئے۔ تو ان سے پوچھا کہ آپ کا کس چیز کو جی چاہتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے بھائی یوسفؒ بن اسباط کو مرنے سے پہلے ایک نظر دیکھ لوں۔

حاتم اصمؒ جب کسی بخیل کو مرض الموت میں صدقہ کرتے دیکھتے، تو فرماتے کہ اے اللہ! اس کو بیمار ہی رکھ، کیونکہ اس میں اس کے گناہوں کا بھی کفارہ ہے اور فقراء کے لئے بھی بہتر ہے۔

لوگوں نے محمد بن سیرینؒ کی بیماری کے زمانہ میں ان سے کہا آپ کی کیا حالت ہے؟ فرمایا کہ میں اپنے آپ کو سخت مصیبت میں پاتا ہوں (کیونکہ مجھے بھوک اتنی لگتی ہے کہ کسی طرح پیٹ نہیں بھرتا (ایک مصیبت)، اور پیاس اتنی لگتی ہے کہ کسی طرح نہیں بجھتی (دوسری مصیبت)، اور سونا چاہتا ہوں تو آنکھ نہیں لگتی (تیسری مصیبت)۔ غرض یہ مصیبتیں ہیں جن میں مبتلا ہوں) لوگ کہتے ہیں کہ مرض میں شکایت ان کی عادت نہ تھی، مگر اس مرتبہ مرض سخت بہت ہوگیا تھا جس کا وہ تحمل نہ کرسکے۔

اس لئے اپنے مخلصین سے اپنی حالت بیان کردی تاکہ وہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے نرمی کی دعا کریں۔

فضیل بنؒ عیاض ایک مرتبہ بیمار ہوئے لوگوں نے پوچھا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا اچھا ہوں، مگر تم لوگ یہ دعا کرو کہ میرا مرض طول پکڑ جاوے تاکہ نہ میں لوگوں کو دیکھوں اور نہ لوگ مجھے دیکھیں۔

لوگ ابوبکرؒ بن عبداللہ کی عیادت کے لئے گئے، تو وہ دو آدمیوں کے سہارے سے باہر تشریف لائے۔ ان کو دیکھ کر لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت اس وقت خدا سے ہمارے لئے کوئی دعا کردیجئے۔ تو انہوں نے یہ دعا فرمائی: خدا رحم کرے اس شخص پر جو خدا کی طاعت میں ایسی حالت سے پہلے مصروف ہوجاوے جیسی اس قت میری ہے (کیونکہ ایسی حالت کی اطاعت تقریباً اضطراری ہے۔ اور زیادہ عمدہ وہ اطاعت ہے جو پورے اختیار سے ہو)۔

لوگ مامون الرشید کے پاس اس کی اس بیماری کے زمانہ میں گئے جس میں اس کا انتقال ہوا تھا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ اس نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ گھوڑے کی جھول اس کے نیچے بچھادیں اور اس پر راکھ پھیلادیں۔ خدام نے اس پر عمل کیا، اور مامون اس خاک پر لوٹنے لگا اور کہنے لگا: کہ اے وہ بادشاہ جس کی سلطنت کبھی نہ زائل ہوگی۔ آپ اس بادشاہ پر رحم فرماویں۔ جس کا (چندروزہ) ملک زائل ہوچکا ہے۔

لوگ عتبۃ العلام کے مرض الموت میں ان کے پاس گئے۔ اور پوچھا آپ کا

کیا حال ہے؟ تو انہوں نے یہ شعر پڑھے۔

خرجت من الدنیا و قامت قیامتی
غداة یقل الحاملون جنازتی
وعجل اهلی حض قبری وصیروا
خروجی و تعجیلی الیه کرامتی
کانهم لم یعرفوا قط صورتی
غداة اتی یومی علی ولیلتی

ترجمہ: میری حالت یہ ہے کہ میں دنیا سے رخصت ہوا چاہتا ہوں۔ اور جس روز اٹھانے والے میرا جنازہ اٹھاویں گے اسی روز میری قیامت آجاوے گی، اور میرے عزیز میرے لئے جلدی قبر کھدوادیں گے۔ اور مجھے اس کی طرف جلدی لے جانے کو میری تعظیم قرار دیں گے۔ اور اس لئے جس قدر جلد ممکن ہوگا۔ مجھے قبر میں پہنچادیں گے۔ اور جس روز میری موت کا دن اور اس کی رات میرے اوپر آدیگی اس روز ان کی یہ حالت ہوگی۔ کہ گویا کہ وہ مجھے پہچانتے بھی نہ تھے۔ انتہی۔

عمرؒ بن عبدالعزیز فرماتے تھے۔ کہ جب عمر بن الخطابؓ کو خنجر مارا گیا۔ تو آپ نے دودھ منگایا۔ اور اسے پیا۔ تو وہ دودھ زخم میں سے نکل گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اللہ اکبر۔ یہ سن کر لوگ ان کی تعریفیں کرنے لگے۔ آپ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ کاش میں دنیا سے ویسا ہی رخصت ہوجاؤں۔ جیسا میں دنیا میں آیا تھا۔ (یعنی نہ میں مستحق ثواب ہوں اور نہ مستحق عذاب اور نہ مجھ سے کوئی حساب وکتاب ہو) اور اگر میرے قبضہ میں تمام مشرق ومغرب ہوتے۔ اور میں ان کو دے کر ہول .... سے نجات پاسکتا۔ تو میں ضرور دے دیتا۔

جب سلمان فارسیؓ کا انتقال ہونے لگا۔ تو وہ رونے لگے۔ اور فرمایا کہ ہمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ دنیاوی سامان تمہارا اتنا ہونا چاہئے۔ جتنا سوار کا توشہ اور میری حالت یہ ہے (کہ میں نے یہ سامان جمع کررکھا ہے

(پھر میں کیوں نہ روؤں) پس جب وہ مرگئے تو اس کی قیمت کا تخمینہ کل پندرہ درہم ہوا (اس سے ان حضرات کا خوف ان کی احتیاط معلوم ہوسکتی ہے)۔

جب ابراہیم نخعی کا انتقال ہونے لگا۔ تو آپ رونے لگے۔ کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا۔ کہ مجھے اپنے پروردگار کے قاصد کا انتظار ہے۔ جو خدا کی طرف سے میرے پاس آئے گا۔ اور آکر نہیں معلوم جنت کی خوش خبری سنائے گا۔ یا دوزخ کی اطلاع دے گا۔

محمد بن المنکدرؒ کا انتقال ہونے لگا تو وہ رونے لگے، اس پر ان سے کہا گیا کہ کیوں روتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنے ان گناہوں پر روتا ہوں جن کو میں اپنی نظر میں معمولی سمجھتا تھا، مگر وہ خدا کے نزدیک بہت بڑے تھے۔

محمد بن سیرینؒ کا انتقال ہونے لگا تو وہ بھی رونے لگے۔ سو ان سے بھی پوچھا گیا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ میں ایک تو اس کوتاہی پر روتا ہوں جو میں گذشتہ ایام میں کر چکا تھا، اور دوسرے اس پر روتا ہوں کہ اس وقت اس کی سزا میں مجھے گرم آگ میں داخل کیا جائے گا۔

جب عمر بن عبدالعزیزؒ کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے فرمایا: اے اللہ میں گنہگار ہوں۔ اب اگر آپ مجھے معاف فرمادیں تو یہ آپ کا احسان ہے، اور اگر آپ عذاب دیں تو یہ آپ کا عدل ہے اور اصلاً ظلم نہیں۔ مگر میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔ اس کے بعد انتقال ہوگیا۔

جب عامرؒ بن قیس کا انتقال ہونے لگا تو وہ روئے اور فرمایا کہ موت سے گھبرا کر یا دنیا کی حرص سے نہیں روتا، بلکہ میں اس لئے روتا ہوں کہ میں نے جی بھر کر خدا کی اطاعت نہ کرلی، اور نہ جی بھر کر جاڑوں میں نمازیں پڑھیں۔

جبکہ عبداللہ بن مبارکؒ کا انتقال ہونے لگا تو اپنے غلام سے فرمایا کہ میرا سر زمین پر رکھ دو۔ غلام یہ سن کر رونے لگا تو دریافت کیا کہ کیوں روتا ہے؟ اس نے کہا مجھے آپ کے عیش کا زمانہ یاد آگیا۔ اللہ اللہ ایک وہ زمانہ تھا اور ایک یہ زمانہ ہے کہ آپ

اس طرح جان دے رہے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ بھائی یہ افسوس اور رنج کی بات نہیں۔ میں نے خود حق تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ میں ایسی حالت میں مروں۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب میری حالت بدل جاے تو مجھے **لا الہ الا اللہ** تلقین کرنا۔ اور ایک دفعہ تلقین کر کے دوبارہ تلقین نہ کرنا۔ ہاں اگر اس کے بعد مجھ سے کوئی اور کلام صادر ہو تو پھر کلمہ مذکور تلقین کرنا (تا کہ میرا آخر کلام **لاالہ الا اللہ** ہو)۔

عطاءؒ بن یسار فرماتے تھے کہ ابلیس امام احمدؒ بن حنبل کے سامنے کھڑا ہوا، اور کہا کہ اے احمد تم مجھ سے بے خطر ہو کر دنیا سے جا رہے ہو تو انہوں نے فرمایا کہ میں ابھی بے کھٹکے نہیں ہوں بلکہ اس وقت بے کھٹکے ہوں گا جب میری روح پرواز کر جاوے گی۔

حسنؒ بصری ایک شخص کے پاس گئے جو نزع کی حالت میں تھا، اور فرمایا کہ جس کا انجام یہ ہوا، اس کا آغاز بھی اس قابل ہے کہ اس سے بے رغبتی کی جاوے۔ (مطلب یہ ہے کہ یہ زندگی کا انجام ہے۔ پس زندگی ہی اس قابل نہیں کہ اس کی خواہش کی جاوے)۔

جب ابوذر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہونے لگا تو آپ نے فرمایا کہ اے موت جلدی سے گلا گھونٹ دے کیونکہ میں خدا سے (جلدی) ملنا چاہتا ہوں۔

ابوالدرداءؓ ایک قریب مرگ شخص کے پاس گئے تو اسے الحمد للہ کہتے پایا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ ارے بھائی یہ کام تو نے بہت ٹھیک کیا ہے، کیونکہ حق سبحانہ جب کوئی حکم نافذ فرماتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ لوگ اس پر ان کی تعریف کریں۔

سفیان ثوریؒ ایک بچے کے پاس گئے جو نزع میں مبتلا تھا، اور اس کے ماں باپ اس کے پاس بیٹھے رو رہے تھے۔ تو اس بچہ نے کہا کہ آپ لوگ روئیں نہیں۔ میں جس کے پاس جا رہا ہوں، وہ مجھ پر تم سے زیادہ مہربان ہے۔

جب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے فرمایا اے اللہ! اس گناہ گار اور سنگدل بڈھے پر رحم فرما، اور اے اللہ میری ٹھوکر دور کر دے

(اور میری لغزش معاف فرماوے) اور اس شخص کی نادانی کے ساتھ جو آپ کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں رکھتا اور نہ آپ کے سوا کسی سے توقع رکھتا ہے حلم کا برتاؤ کیجئے اور یہ کہہ کر دھاڑیں مار کر رونے لگے۔

جب ہشامؒ ابن عبدالملک کا انتقال ہونے لگا تو اس نے اپنی اولاد کی طرف نظر کی۔ یہ لوگ اس وقت اس کے پاس بیٹھے رو رہے تھے اور دیکھ کر کہا کہ ہشام نے تمہیں دنیا دی، اور تم اس پر روئے، اس نے تمہارے لئے اپنا جمع کیا ہوا ذخیرہ چھوڑا اور تم نے اس پر اس کے کمائے ہوئے گناہ چھوڑے۔ (حاصل یہ کہ میں نے تم کو فائدہ پہنچایا، مگر تم سے مجھے سوائے لغویات اور مضر باتوں کے اور کچھ نہ ملا)۔ سو اب ہشام کا برا انجام ہے۔ اگر خدا نے اسے معاف نہ کیا۔

جب ابو ہریرہؓ کا انتقال ہونے لگا تو وہ رونے لگے۔ اس پر لوگوں نے پوچھا کیوں روتے ہو؟ تو فرمایا کہ منزل دور ہے۔ توشہ کم ہے، یقین کمزور ہے اور پل صراط سے دوزخ میں گرنے کا ڈر ہے، اس لئے روتا ہوں۔ اھ۔

اب اے بھائی! تو اپنے نفس کو ٹٹول، کیونکہ تو ہر دم مرنے پر بیٹھا ہوا ہے۔ اور ایک سانس بھی تیرے قبضہ میں نہیں کہ تیرے اختیار سے باہر آجاوے یا اندر چلا جاوے۔ اور رات دن خوب استغفار کیا کر، کیونکہ تو اس گھاٹی کے کنارہ پر ہے جو گرنے کو ہے۔ اللہ تیری ہدایت کا کفیل ہو، اور وہی نیکیوں کی کفالت کرتا ہے اور اسی پر اعتماد ہے۔ **الحمدللہ رب العالمین۔**

جنازہ دیکھنے پر عملِ سلف

۱۵- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب وہ کسی جنازہ کو دیکھتے ہیں تو اس سے نہایت عبرت حاصل کرتے ہیں اور روتے ہیں، اور موت کا نہایت اہتمام کرتے ہیں۔

چنانچہ ابو ہریرہؓ جب کسی کو جنازہ لے جاتے دیکھتے تو جنازہ کو خطاب کر کے

فرماتے کہ میاں خدا کے پاس جاؤ۔ ہم بھی تمہارے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔

مکحولؒ دمشقی جب کسی جنازہ کو دیکھتے تو فرماتے کہ تم صبح کو جاؤ، شام کو ہم بھی آنے والے ہیں۔ (اور فرماتے کہ موت بھی) نہایت بلیغ اور مختصر نصیحت ہے (اور ہماری غفلت بھی) بہت بری غفلت ہے کہ اگلا جاتا ہے اور پچھلے کو عبرت نہیں ہوتی، (اور وہ نہیں خیال کرتا کہ ایک روز ہم بھی یوں ہی چلے جائیں گے) اور جنازہ کو دیکھ کر) کئی دن تک ان کی ایسی حالت رہتی جیسے کوئی دیوانہ ہو۔

اسید بن حضیرؓ فرماتے تھے کہ جب کبھی میں کسی جنازہ کو دیکھتا ہوں تو مجھے صرف اس حالت کا خیال آتا ہے جو اس کی ہونے والی ہے، اور اس کے سوا اور کوئی خیال نہیں آتا نیز وہ (جنازہ کو دیکھ کر) چند روز تک کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے۔ اور ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ وہ کسی جنازہ کے ساتھ قبرستان گئے، جب میت کو قبر میں اتارا گیا تو یہ بیہوش ہو گئے، اور لوگ ان کو اس پلنگ پر اٹھا کر گھر لائے جس پر وہ اس مردے کو قبرستان لے گئے تھے۔

مالک بن دینارؒ اپنے ایک بھائی کے جنازہ میں شریک ہوئے اور اس کو دیکھ کر رونے لگے، اور فرمایا کہ مجھے اس وقت چین آئے گا جب مجھے یہ معلوم ہو جاوے گا کہ میرے بھائی کا انجام بخیر ہوا۔

اعمشؒ فرماتے تھے کہ ہم جنازہ میں شریک ہوتے تو یہ نہ پہچان سکتے کہ اہل میت کون ہیں جن کی تعزیت کی جائے، کیونکہ سب لوگوں کو رنج وغم ہوتا تھا۔ (اور اس کی وجہ سے اہل میت اور دوسرے لوگ سب ہم رنگ ہوتے تھے)۔

ثابتؒ بنانی فرماتے ہیں کہ ہم جنازوں میں شریک ہوتے تو ہر شخص کو منہ لپیٹے ہوئے اور روتے ہوئے دیکھتے تھے۔

ابراہیم زیاتؒ کا کچھ لوگوں پر گذر ہوا جو کسی میت کے لئے دعائے رحمت کر رہے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ صاحبو! وہ مردہ جس کی تم کو فکر ہے، تین منزلیں طے کر چکا ہے۔ ایک ملک الموت کا دیکھنا۔ دوسری موت کی تلخی چکھنا۔ تیسری سوء خاتمہ سے

بے خوفی، اور تم کو یہ تینوں مرحلے طے کرنے ہیں۔ اس لئے تم کو اپنا اندیشہ ہونا چاہئے۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

عمرو بن ذرؒ ایک ایسے شخص کے جنازہ میں شریک ہوئے جو سخت بدافعال تھا، اور لوگ اس کی بدکاری کی وجہ سے اس کے جنازہ میں شرکت سے احتراز کرتے تھے۔ جب لوگوں نے اس کو قبر میں اتارا تو انہوں نے فرمایا کہ اے فلاں خدا تجھ پر رحم کرے تو نے توحید کی حمایت اور اپنے چہرہ کو (خدا کے سامنے) خاک آلود کیا (کیونکہ تو نماز پڑھتا تھا) اگرچہ لوگ تجھ پر الزام لگاتے ہیں کہ گناہ گار اور سخت بدکار تھا، مگر ہم میں سے کون ایسا ہے جو گناہ نہیں کرتا، اور اس سے غلطی نہیں ہوتی۔ ان کے اس بیان کا اتنا اثر ہوا کہ وہ شخص جو نعش اٹھائے ہوئے تھا رونے لگا (نعش اس پلنگ وغیرہ کو کہتے ہیں جس پر مردہ کو لے جاتے ہیں)۔

پس اے بھائی تو اس کو سمجھ لے، اور تو بھی یونہی عبرت حاصل کیا کر جس طرح یہ اکابر عبرت حاصل کرتے تھے۔ اور خوب رویا کر اور خوب چیخا کر، کیونکہ تیرے سامنے وہ ہولناک واقعات ہیں جن کا بیان نہیں ہوسکتا۔ والحمد للہ رب العالمین.

موت کی تنگی اور سختی کو یاد کرنا

۱۶- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب وہ لوگ موت اور سکرات موت کو یاد کرتے ہیں تو اپنے سوء خاتمہ کے خوف سے نہایت رنج وغم کرتے ہیں یہاں تک کہ شدت غم سے ان کی عقلیں متزلزل ہو جاتی ہیں۔

کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب یعقوب علیہ السلام کے پاس یوسف علیہ السلام کے زندہ اور خوش عیش ہونے کی خبر دینے والا آیا اور آ کر اس نے یہ خوش خبری سنائی تو آپ نے فرمایا کہ بھائی میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس سے میں تیری اس خوش خبری کا بدلہ دے سکوں۔ ہاں میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر سکرات موت کو آسان فرمائے۔ (اس سے تم سمجھ لو کہ سکرات موت کس قدر خوف کی

چیز ہے اور اس سے کس قدر ڈرنا چاہئے) میں کہتا ہوں کہ بعض حضرات کا یہ ملفوظ پیشتر گذر چکا ہے کہ میں آسانی سے روح پرواز کرنے کو پسند نہیں کرتا، بلکہ اس میں سختی کو پسند کرتا ہوں، کیونکہ وہ مومن کا آخری عمل ہے۔ اس لئے اس کو جس قدر ثواب مل جاوے غنیمت ہے۔ پس (تم دعائے تخفیف والتجائے تشدید میں تعارض نہ خیال کرنا۔ کیونکہ دونوں کے محامل جداگانہ ہیں۔ چنانچہ) دعائے تخفیف اس موقع پر ہے جہاں تشدید سے ناگواری کا اندیشہ ہو (التجائے تشدید وہاں ہے جہاں ناگواری کا اندیشہ نہ ہو۔) واللہ اعلم

نیز کعب احبارؒ فرماتے تھے کہ موت کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خاردار درخت آدمی کے بدن میں داخل کردیا جاوے، اور اس کا ہر ہر کانٹا بدن کی ایک ایک رگ کو پکڑ لے۔ پھر اس کو کوئی زور سے کھینچ لے جس سے کچھ رگیں ٹوٹ جائیں، اور کچھ ماؤف ہو کر رہ جائیں۔

سلمان فارسیؓ فرماتے تھے کہ جب موت کے وقت مومن کی پیشانی پر پسینہ آئے، اور آنکھوں میں چمک ہو، اور نتھنے پھول جائیں تو یہ علامتیں اچھی ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ میت مرحوم ہے (کیونکہ پیشانی کا پسینہ شدت نزع پر دلالت کرتا ہے جو مکفر ذنوب ہے اور آنکھوں کا چمکنا اور نتھنوں کا پھولنا دلالت کرتا ہے کہ میت کو نعمائے آخرت کا مشاہدہ ہوا ہے جس سے اس کو خوشی حاصل ہوئی ہے) اور جب وہ یوں خرخر کرے جیسے گلا گھونٹا ہوا شخص کرتا ہے، اور اس کی رنگت ماند پڑ جاوے۔ اور منہ پر جھاگ آجائیں، تو یہ علامتیں بری ہیں۔ اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ میت معذب ہے (چونکہ یہ علامتیں بعضے تخمینی ہیں، اس لئے ان پر اعتماد نہ کرنا چاہئے)۔ واللہ اعلم۔

حسنؒ بصری جب اپنے کسی بھائی کے قبض روح کے وقت موجود ہوتے تو ان پر اس کا اس قدر اثر ہوتا کہ کئی دن تک نہ کچھ کھاتے اور نہ پیتے۔ اور صرف رونے اور چیخنے سے کام ہوتا۔ اور فرماتے تھے کہ مومن کو تین چیزیں کبھی نہ بھولنی چاہئے۔ ایک دنیا، دوسرے اس کے حالات کا اختتام، تیسرے موت (دنیا کو نہ بھولنے کے معنی یہ ہیں کہ

اس سے ہر وقت ہوشیار رہنا چاہئے۔ مبادا کسی وقت دھوکا دیدے، اور اس کے حالات کے اختتام کو نہ بھولنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کی خوشی اور غم کو معتد بہ نہ سمجھے۔ نہ خوشی سے بے فکر ہو اور نہ غم سے متفکر ہو، بلکہ سمجھے کہ یہ سب ختم ہونے والے ہیں۔ اور موت کے نہ بھولنے کا یہ مقصد ہے کہ ہر وقت اس کے لئے تیاری کرتا رہے۔ (واللہ اعلم).

سفیان ثوریؒ کے سامنے جب کوئی موت کا تذکرہ کر دیتا تو (شدت غم سے ان کی یہ حالت ہو جاتی کہ) بالکل معطل ہو جاتے، اور کوئی ان سے منتفع نہ ہو سکتا۔ اور اگر کوئی شخص کوئی بات پوچھتا بھی تو فرما دیتے کہ مجھے معلوم نہیں (کسی اور سے دریافت کرلو)۔

شفیقؒ زاہد فرماتے تھے کہ لوگوں نے دین میں چند باتوں کی (نہایت شدید) مخالفت کی ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ (دینی حیثیت سے) اقرار کرتے ہیں کہ خدا ہماری روزی کا کفیل ہے مگر (وہ اس پر عمل نہیں کرتے اور ان کو کفالت خداوندی پر اعتماد نہیں، بلکہ) وہ اسی پر مطمئن ہوتے ہیں جس کو وہ جمع کر لیتے ہیں۔ دوسرے وہ (دینی حیثیت سے) اقرار کرتے ہیں کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے مگر (وہ اس پر عمل نہیں کرتے۔ چنانچہ) ہم ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ مال جمع کرتے ہیں لیکن وہ (اس سے آخرت میں منتفع ہونے کے لئے) اس کو خرچ نہیں کرتے۔ تیسرے وہ اقرار کرتے ہیں کہ ہمیں مرنا ضرور ہے مگر وہ (عملاً اس کی بھی مخالفت کرتے ہیں اور) ایسے لوگوں کے سے کام کرتے ہیں جن کو موت کا خیال بھی نہیں۔

جب عطاءؒ سلمی کے انتقال کا وقت ہوا اور ان کے احباب ان کے نزع کی آسانی کی دعا کرنے لگے تو انہوں نے ان کی طرف دیکھا، اور فرمایا کہ ایسی دعا نہ کرو۔ کیونکہ میں ان ہولناک واقعات کے خوف سے جن سے میں بعد مرگ دفعۃً ملاقی ہوں گا، یہ چاہتا ہوں کہ قیامت تک میری جان (نہ نکلے اور) میرے گلے اور کوے کے درمیان پھرتی رہے، اور فرماتے تھے کہ جو شخص زمین کی وہ حالت دیکھنا چاہے جو اہل زمین کے فنا ہونے کے بعد ہوگی، وہ حاجیوں کے چلے جانے کے بعد ان کے

فرودگاہوں کو دیکھ لے۔

ابوالعتاہیہؒ نے اس مضمون کو نظم کیا ہے۔اور کہا ہے ؎

نفنی و تبقی الارض بعد کمثل ما

یبقی المناخ و ترحل الرکبان

ترجمہ: ہم فنا ہوجاویں گے۔ اور زمین رہ جاوے گی جس طرح پڑاؤ رہ جاتا ہے اور سوار کوچ کر جاتے۔

حسنؒ بن عمران فرماتے تھے کہ موت آروں سے چیرنے سے اور ہانڈیوں میں پکانے سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔اور اگر میت کے ایک بال کی تکلیف تمام اہل دنیا پر ڈالی جاوے تو اس سے وہ اس قدر تکلیف محسوس کریں کہ ان کو کھانے اور پینے کا خیال نہ رہے۔

حسن بن علیؓ کا ایک مکان کے دروازہ پر گذر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ مکان ایک وقت میں گویا تھا اب کیا بات ہے کہ میں اسے خاموش دیکھتا ہوں، یعنی پہلے اس میں سے آدمیوں کی آوازیں آتی تھیں اور اب کسی کی آواز نہیں آتی ، تو دروازہ کے پیچھے سے ایک عورت نے جواب دیا کہ اس کے رہنے والے یتیم اور بیوہ ہوگئے (یعنی صاحب خانہ کا انتقال ہوگیا ، اور چہل اور پہل ختم ہوگئی) یہ سن کر امام حسن اتنے روئے کہ آنسوؤں سے ریش مبارک تر ہوگئی۔

جب امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ زخمی کئے گئے تو لوگوں نے کہا کہ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ کے جسم کو آگ نہ چھووے گی۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ تم لوگ ناواقف ہو۔ (تمہیں میری حالت کی کیا خبر، مجھے ڈر ہے کہ کہیں جہنم کا کوئلہ نہ بنوں)۔

اہل اللہ کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنی نیکیوں کو ہیچ اور اپنی معمولی کوتاہیوں کو پہاڑ کے برابر سمجھتے ہیں، اس بناء پر امیر المؤمنین نے ایسا فرمایا ہے۔ حضرات شیعہ اس قسم کے مضامین سے امیر المؤمنین پر طعن کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ کچھ تو تھا جو اتنا خوف تھا، ورنہ کیوں

ڈرتے تھے، مگر یہ ان کی صریح بددیانتی ہے، کیونکہ حضرات اہل بیت سے بھی اس قسم کی باتیں ثابت ہیں تو کیا وہ ان پر بھی طعن کریں گے۔(**نعوذ باللہ من سوء الفهم وتقلید الباطل** ۔مترجم) نیز ان کے زخمی ہونے کی حالت میں کچھ لوگ ان کے پاس گئے اور کہا کہ اپنے بعد اپنے صاحبزادہ عبداللہؓ کو خلیفہ بنا دیجئے کیونکہ وہ نیک آدمی ہے ،تو آپ نے فرمایا کہ کیا آل خطاب کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ان میں کا ایک فرد خدا کے سامنے اس طرح حاضر کیا جاوے گا کہ اس کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوں گے۔ (میرے نزدیک یہ کافی ہے،اور میں نہیں چاہتا کہ اپنے عزیزوں میں سے کسی کو اس بلا میں مبتلا کروں۔)

ابن ابی ملیکہؒ فرماتے تھے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انتقال ہوا تو ان کی اولاد میں سے کسی نے ان کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ ابا جان آپ نے موت کو کیسا پایا؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں محسوس کرتا تھا کہ میری جان زنجیروں میں باندھ کر نکالی جاتی ہے۔اور یہ سوال مجھ سے حق تعالیٰ نے بھی فرمایا تھا،اور میں نے ان کو بھی یہ ہی جواب دیا تھا۔اس پر انہوں نے فرمایا تھا کہ ہم نے آپ پر موت کو آسان کر دیا تھا۔ (ورنہ موت نہایت سخت چیز ہے)۔

ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ جب ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح قبض کرنے آئے تو فرمایا کہ کیا آپ نے آج شراب پی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میرا تو روزہ ہے۔اس پر انہوں نے منہ سونگھا اور منہ کی بو کے ساتھ روح قبض کرلی۔ جب ان کا انتقال ہو چکا تو ان سے پوچھا گیا کہ اے موسیٰ فرمایئے آپ نے موت کو کیسا پایا؟ آپ نے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے زندہ بکری کی کھال کھینچی جاتی ہو۔

ربیعؒ بن خیثم فرماتے تھے کہ اس وقت سے پہلے پہلے اپنی مقدور بھر موت کی تمنا کرلو جبکہ تم ایسے مکان میں منتقل ہو جاؤ جہاں تم موت کی تمنا کرو،اور تمہاری درخواست قبول نہ ہو۔مطلب یہ ہے کہ دوزخ میں جانے سے پہلے موت کی تمنا کرلو(اور موت کی تمنا سے مراد زبان سے تمنا نہیں ہے، بلکہ موت کے لئے عملی تیاری اور شوق آخرت

مراد ہے)۔

ابن سیرینؒ کی یہ حالت تھی کہ جب لوگ ان کے سامنے موت کا تذکرہ کرتے تو ان کا ہر عضو معطل ہو جاتا (اور سکتہ کی سی کیفیت ان پر طاری ہو جاتی)۔

کعب احبارؒ فرماتے تھے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے سام بن نوح کو زندہ کیا تو اس سے فرمایا کہ تم کب سے مردہ ہو اس نے کہا چار ہزار برس سے، پھر پوچھا کہ تم نے موت کو کیسا پایا؟ تو اس نے کہا کہ اب تک اس کی تکلیف اور اس کی گرمی نہیں گئی۔

رابعہؒ عدویہ سے کہا گیا کہ کیا آپ موت پسند کرتی ہیں؟ تو (انہوں نے فرمایا کہ اگر میں کسی آدمی کی نافرمانی کرتی تو مارے شرمندگی کے اس کے سامنے جانا پسند نہ کرتی۔ پھر خدا کی نافرمانی کر کے اس کے سامنے جانا کیوں کر پسند کرونگی۔

یحییٰ بن معاذؒ نے کسی دولتمند کے گھر میں کسی عورت کو نوحہ کرتے سنا تو آپ نے فرمایا کہ دنیا سے دھوکا کھانے والوں کی حالت پر افسوس ہے۔ یہ لوگ اپنے گھروں میں کب تک آخرت کا شور سنتے رہیں گے اور خواب غفلت سے بیدار نہ ہوں گے۔ (مطلب یہ ہے کہ نوحہ آخرت کا شور ہے، جو لوگوں کو آخرت کی طرف بلاتا ہے مگر وہ اتنے غافل ہیں کہ نہیں سنتے، اور آخرت کے لئے تیار نہیں ہوتے)۔

حامدؒ لفاف فرماتے تھے کہ جو شخص موت کو زیادہ یاد کرے گا اس کو تین نعمتیں عطا ہوں گی۔ ایک تو یہ کہ اپنے گناہوں سے جلدی توبہ کرے گا، اور دوسری یہ کہ اس کو قناعت نفس حاصل ہوگی، تیسرے یہ کہ وہ جی کھول کر عبادت کرے گا۔

وہب بن منبہؒ فرماتے تھے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا تو آسمانوں کے فرشتے ایک دوسرے کے پاس متاسفانہ اپنے رخساروں پر ہاتھ رکھے ہوئے آئے، اور کہا کہ بس جی، جب موسیٰ کلیم اللہ بھی مر گئے تو اب کون رہ گیا جو نہ مرے گا۔ (یہ قصہ کچھ جی کو نہیں لگتا۔ وہب بن منبہ اسرائیلیات کے ماہر تھے، انہوں نے ان کی کسی کتاب میں دیکھ کر نقل کر دیا ہے واللہ اعلم)۔

نیز وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ آدمی اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ وہ کاتب

اعمال فرشتوں کو نہیں دیکھ لیتا۔ اب اگر اس نے ان کے ساتھ خوبی سے رفاقت کی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ خدا تجھ سے رفیق کو جزائے خیر دے تو ہمارا اچھا رفیق تھا تو ہمیں بہت مرتبہ اپنے ساتھ مجالس خیر میں لے گیا ہے اور تیری بے ریا طاعت میں ہم نے بہت مرتبہ عمدہ خوشبوئیں سونگھی ہیں اور اگر اس نے برائی کے ساتھ ان کی رفاقت کی ہے، تو کہتے ہیں کہ خدا تجھے جزائے خیر نہ دے تو ہمارا برا رفیق تھا، تو نے بہت مرتبہ اپنے ساتھ ہمیں معاصی میں موجود ہونے کا موقعہ دیا ہے، اور ہم نے تجھ سے بہت مرتبہ بدبو سونگھی ہے۔ نیز وہ یہ فرماتے تھے کہ خدا کو وہی شخص راضی کرسکتا ہے جو ہر وقت یہ سمجھتا ہو کہ خدا مجھے دیکھتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ محققین نے بیان کیا ہے کہ خدا کو اس طرح پیش نظر رکھنا کہ کسی سانس میں غفلت نہ ہو، انسانی طاقت سے باہر ہے۔ واللہ اعلم۔ اس مقام پر غور کرلیا جاوے (میں کہتا ہوں کہ وہب بن منبہ کا یہ مقصود نہیں ہے، بلکہ ان کا مقصود اس مراقبہ کی کثرت ہے، جس کو مبالغۃً دوام سے تعبیر کردیا۔ واللہ اعلم مترجم)

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ کل بھی زندہ رہے گا، وہ موت کے لئے تیار نہیں ہے۔ نیز وہ فرماتے تھے کہ طاعت خدا کی یاد سے پیدا ہوتی ہیں، اور معاصی اس کے بھولنے سے۔ پس اے بھائی تو خوب سمجھ لے اور تنہائی نیز علماء باعمل اور عابدوں وزاہدوں کی صحبت اختیار کر، اور اہل غفلت اور راغبین فی الدنیا کی صحبت سے نہایت درجہ پرہیز کر کیونکہ ان کا میل جول قلب میں تاریکی پیدا کرتا ہے اور قیامت کے خوفناک احوال کے مشاہدہ سے مانع ہوتا ہے۔ والحمدللہ رب العالمین.

دنیا پر عبرت کی نظر

۱۷- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ دنیا کو اور اس کی خواہشات کو بنظر عبرت دیکھتے ہیں نہ کہ بنظر محبت، چنانچہ جمہور سلف صالحین اسی طریق پر چلتے تھے۔

سعدؓ بن ابی وقاص ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ نے فرمایا سعد کہاں تھے؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضور میں جنگل میں ایسے لوگوں کے پاس تھا، جن کو کھانے پینے اور شہوت رانی کے سوا کوئی مشغلہ ہی نہیں۔اس پر جناب رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم کو ان کی حالت پر تعجب ہے؟ تم کہو تو میں تم کو ان سے بھی زیادہ قابل تعجب بات بتلادوں۔انہوں نے عرض کیا کہ ضرور فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص ایسی باتوں کی برائی کو جانتا ہو جن کو تم نے ان لوگوں کے متعلق معترضانہ لہجے میں بیان کیا ہے اور پھر وہ اس قسم کی باتیں کرے، اس کی حالت ان سے زیادہ قابل تعجب ہے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ جو شخص دنیا کی حالت میں غور کرے، اور اس سے عبرت حاصل کرے، اس کے اعمال نیک میں کمی نہ آئے گی۔اور حاتم اصمؒ سے کسی نے پوچھا کہ آدمی کب اس قابل ہوتا ہے کہ اس کو دنیا سے عبرت حاصل کرنے والا سمجھا جاوے۔آپ نے فرمایا کہ جب آدمی دنیا کی ہر چیز کا انجام بربادی سمجھے، اور سمجھے کہ اس کا مالک ایک روز مٹی میں جائے گا (یعنی یہ علم اس کے لئے ہر وقت مستحضر ہو۔اور اس کے مقتضیٰ پر عامل ہو۔ورنہ اتنی بات ہر شخص جانتا ہے)۔

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے تھے کہ تم جو دنیا کو دیکھو تو اس سے تمہارا مقصد عبرت حاصل کرنا ہونا چاہئے، اور تم جو اس کے لئے کوشش کرو تو یہ کوشش سخت مجبوری کی حالت میں ہونی چاہئے، اور اپنے اختیار سے جو کام کرو، وہ یہ ہونا چاہئے کہ دنیا پر لات ماردو۔

حاتم اصمؒ فرماتے تھے کہ جس کے گھر سے جنازہ نکلے، اور وہ اس سے عبرت نہ حاصل کرے تو نہ اس کے لئے علم نافع ہے، نہ حکمت اور نہ نصیحت۔

احمد بن حربؒ فرماتے تھے کہ زمین دو شخصوں کی حالت پر تعجب کرتی ہے۔ ایک وہ شخص جو اپنے سونے کے لئے خواب گاہ درست کرے اور بچھونا بچھائے، اس سے زمین کہتی ہے کہ تو یہ کیوں نہیں یاد کرتا کہ تجھے میرے اندر زمانہ دراز تک بلابستر رہنا ہوگا۔اور دوسرے وہ شخص جو اپنے کسی بھائی کے ساتھ کسی قطعہ زمین کے بارہ میں جھگڑا

کرتا ہے۔اس سے زمین کہتی ہے کہ تو ان لوگوں کی حالت میں کیوں نہیں غور کرتا جو تجھ سے پہلے اس کے مالک رہ چکے ہیں، کیونکہ بہت سے ایسے لوگ گذر گئے ہیں جو اس کے مالک ہوئے مگر اس میں رہ نہ سکے۔

مالک بن دینارؒ فرماتے تھے کہ جس شخص کی ظاہری و باطن آنکھ نے اس دنیا سے عبرت حاصل کر کے آخرت کی طرف انتقال نہ کیا اس کے دل پر پردہ پڑا ہوا ہے، اور وہ عمل کم کرے گا۔

ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے تھے کہ ابراہیم تیمیؒ کا قاعدہ تھا کہ وہ رات کو اپنے مکان کے آنگن میں پیشاب کیا کرتے تھے۔ایک رات وہ حجرہ سے پیشاب کرنے نکلے تو صبح تک دنگ کھڑے رہے۔اس پر ان سے کسی نے اس کا سبب پوچھا، تو فرمایا کہ جب میں نے پیشاب کرنے کا ارادہ کیا تو مجھے دوزخیوں اور ان کی تکالیف کا خیال آ گیا، اور وہ لوگ عالم خیال میں میرے سامنے صبح تک زنجیروں اور بیڑیوں میں بندھے ہوئے پیش ہوتے رہے۔ یہ سماں دیکھ کر میری نیند اڑ گئی (اور میں متحیر کھڑا رہا)۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کی بیوی فاطمہ فرماتی تھیں کہ واللہ نہ عمر بن عبدالعزیز کو کسی نے زہر دیا، اور نہ کسی نے انہیں (خفیہ تدبیر سے) قتل کیا جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ان کا انتقال تو خدا کے خوف اور دوزخ کے ڈر سے ہوا۔

ثابت بنانیؒ فرماتے تھے کہ داؤد علیہ السلام کا ایک تنور پر گذر ہوا، جو دھونکا جا رہا تھا۔اس کو دیکھ کر ان کو دوزخ یاد آ گئی۔اس کے یاد آتے ہی لوٹ گئے اور بے ہوش ہو گئے۔اور خدا کے خوف سے ان کی یہ حالت ہوتی تھی کہ ان کے اعضاء اور جوڑ ایک دوسرے سے جدا ہونے کو ہو جاتے اور لوگ ان کے اعضاء کو رسیوں سے باندھ دیتے تھے، تاکہ وہ ان کو حرکت دے سکیں اور چند روز تک یوں ہی بندھے رہتے۔اور گرمی کے زمانہ میں فرماتے تھے کہ الٰہی ہم سے تو آپ کے آفتاب کی گرمی بھی برداشت نہیں ہوتی، ہم آپ کی آگ کا تحمل کیوں کر کریں گے۔

یزید بن مرثدؒ کی آنکھوں سے برابر آنسو جاری رہتے تھے۔ کسی نے اس کا سبب پوچھا، تو فرمایا: کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے یہ کہتے کہ وہ میری نافرمانی کی صورت میں حمام کے پانی میں داخل کریں گے، تو اس وقت بھی مجھے زیبا تھا کہ میں خون کے آنسوؤں سے روؤں۔ اوراب تو یہ فرمایا ہے کہ جوکوئی میری نافرمانی کرے گا میں اسے دوزخ میں جلاؤں گا، تواب کیسے نہ روؤں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قبرستان پر گذر ہوا، وہاں آپ نے کسی کو کہتے سنا کہ کتنے ہی بے نقص بدن، اور تمکین چہرے اور فصیح زبانیں مٹی کے اندر عذاب الٰہی سے چیختے ہیں (اور کوئی ان کی مدد نہیں کرسکتا)۔

احمد بن حربؒ فرماتے تھے کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ ہم لوگوں سے زیادہ ضعیف العقل ہو۔ ہم لوگ دھوپ کے مقابلہ میں سایہ کو اختیار کرتے ہیں مگر دوزخ کے مقابلہ میں جنت کو اختیار نہیں کرتے۔ حالانکہ دوزخ دھوپ سے کہیں زیادہ موذی ہے، اور جنت سایہ سے کہیں زیادہ راحت بخش ہے۔ پس اے بھائی ان باتوں کو سمجھ لے اوراپنے مشاہدہ موجودات کو موجب عبرت بنا، یعنی جو کچھ تو دیکھے اس سے عبرت حاصل کر۔ والحمدللہ رب العالمین.

نصیحت وخیر خواہی اہل اسلام

۱۸- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو اس سے بچاتے ہیں کہ وہ ان کے (ان) برے افعال کا اتباع کریں (جوان سے سہو یا غفلت کی وجہ سے بعض اوقات صادر ہوجاتے) اوراس سے مقصودان کا لوگوں کی خیرخواہی ہوتی ہے زندگی میں بھی (کہ وہ میرے افعال سے بچیں) اورمرنے کے بعد بھی (کہ ان کے برے نتائج سے بچیں)۔ نیز اس میں خودان حضرات کی ایک غرض ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ ان لوگوں کے سبب سے جنہوں نے ان حضرت کا ان بری باتوں میں اتباع کیا تھا، جو ان سے بوجہ غفلت یا بوجہ سہو احیانا صادر ہوجاتی تھیں، خود یہ حضرات گنہگار نہ ہوں۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ سکندر ذوالقرنین کے زمانہ میں سیلاب کے ذریعہ سے ایک شخص کی قبر ظاہر ہوئی جس کا طول وعرض دس دس ہاتھ تھا۔ لوگوں نے اس قبر کو کھولا تو دیکھا کہ ایک شخص ایسے تخت پر سو رہا ہے جس کے پائے سونے کے ہیں اور ریشمیں چادر اوڑھے ہوئے ہے۔ اور اس کے گلے میں زبرجد کی ایک تختی پڑی ہوئی ہے۔ جس میں لکھا ہے باسم واجب الوجود وعلة العلل (یہ بجائے بسم اللہ کے ہے۔ اور اس کے بعد اصل مقصود ہے جو یہ ہے) جس چیز کی ابتداء ہے اس کی انتہا بھی ہے۔ چنانچہ میں ایک ہزار برس تک دنیا کے ربع مسکون کا مالک رہا۔ اور میرے ملک کی روزانہ آمدنی اس قدر سونا تھی، جس قدر میری قبر میں لگا ہوا ہے۔ آفتاب و ماہتاب، اور تمام آسمان میرے تابع تھے۔ ہوا پانی آگ لوہا یہ سب میرے فرماں بردار تھے۔ یہ سب کچھ تھا مگر پھر بھی میں عالم بالا کو چلا گیا، اور تمہارے درمیان اپنا یہ جسم چھوڑ گیا، جو کہ کسی وقت فنا ہو جاوے گا، تا کہ میرے بعد آنے والی نسلیں اس سے سبق لیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو پیدا ہوا ہے وہ ضرور فنا ہوگا۔ باقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اھ اس واقعہ کو امام غزالیؒ نے ذکر کیا ہے اور اس جگہ اس کے بیان کرنے سے یہ مقصود ہے کہ اس بادشاہ نے لوگوں کو اس سے بچا دیا کہ وہ دنیا میں مشغول ہو کر موت سے غافل ہونے میں اس کا اتباع کریں۔

وہب بن منبہؒ فرماتے تھے کہ داؤد علیہ السلام بیت المقدس کے ایک غار میں داخل ہوئے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک تخت رکھا ہے جس پر ایک مردہ پڑا ہے اور اس کے سرہانے ایک تختی رکھی ہوئی ہے، جس میں یہ لکھا ہے: میں فلاں بادشاہ ہوں میں نے ہزار سال دنیا پر حکومت کی اور ہزار دوشیزہ لڑکیوں سے شادی کی، اور ہزار شہر بسائے، اور ہزار لشکروں کو شکست دی، اور میں یہاں مردہ پڑا ہوں سوائے اہل دنیا میری حالت سے عبرت حاصل کرو۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ بسا اوقات آدمی کا دشمن اس کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے، مگر اللہ اس کو اس سے دفع کر دیتا ہے، اور اس کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اس کے بعد

یہ آیت پڑھتے: ﴿اذکروا نعمة الله علیکم اذھم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیھم فکف ایدیھم عنکم﴾.

انس بن مالکؓ فرماتے تھے کہ قیامت سے پیشتر ایک زمانہ ایسا ضرور آئے گا کہ اس میں لوگوں کو شعر سننا بہ نسبت قرآن سننے کے زیادہ محبوب ہوگا۔

یحیٰی بن معاذ فرماتے تھے کہ مجھے لوگوں پر تعجب آتا ہے کہ وہ نیکوں پر اس قدر سختی کرتے ہیں کہ اگر وہ بیچارے کوئی مباح کام کرتے ہیں تو یہ لوگ ان سے اس کو برا سمجھتے ہیں اور اپنے ساتھ اتنی نرمی کرتے ہیں کہ نہایت برے برے گناہ کرتے ہیں اور کبھی نہیں خیال کرتے کہ ہم لوگ برا کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ غیبت کرتے ہیں، چغلی کھاتے ہیں، حسد کرتے ہیں، کینہ رکھتے ہیں، کھوٹ رکھتے ہیں، تکبر کرتے ہیں، خود پسندی کرتے ہیں۔ غرض کہ ہر قسم کے گناہ کرتے ہیں مگر کبھی صدق دل سے استغفار نہیں کرتے۔ اور اگر کوئی بزرگ مباح کپڑا پہن لے یا مباح مٹھائی یا مباح شکر کھالے تو اس پر طعن کرتے ہیں (کہ یہ کیسے بزرگ جو ایسا ایسا کرتے ہیں۔ خدا بچائے اس غلط بینی اور غلط فہمی سے)۔

ابوحمزہؒ بغدادی فرماتے تھے کہ جب علماء موت روحانی میں مبتلا ہوکر عوام کی خوشامدانہ شکرگذاری کرنے لگیں تو تم اس پر نظر نہ کرو بلکہ تم اس شکرگذاری پر نظر کرو جو عابدوں اور زاہدوں کی جانب سے ان لوگوں کی کیجاتی ہے، (کیونکہ یہ نسبت علماء کے عباد و زہاد اس سے دور تر تھے۔ پھر جب وہ بھی اس بلا میں پھنس گئے تو علماء کی کیا شکایت ہے)۔

صالحؒ مری نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کا دروازہ برابر کھٹکھٹاتا رہے گا تو کبھی نہ کبھی ضرور کھل جاوے گا۔ یہ سن کر ایک عورت نے کہا کہ کیوں حضرت کیا اللہ تعالیٰ کا دروازہ کبھی کسی پر بند بھی ہوا ہے؟ تو ان کو اپنی غلطی پر تنبہ ہوا، اور فرمایا کہ عورت تو سمجھ گئی مگر بڈھا مرد نہ سمجھا۔

(یہ تھا ان حضرات کا اتباع حق، اور یہ حالت تھی ان کی لوگوں کو اپنی لغزشوں

کی اتباع سے بچانے کی)۔

عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے کہ نبی یا بزرگ کو وہی برا کہتے ہیں جو ان کے اہل شہر یا پڑوسی ہیں، کیونکہ وہ ان کو نصیحت کرتے ہیں اور وہ سننا نہیں چاہتے۔ لہٰذا وہ انہیں برا سمجھتے اور برا کہتے ہیں (اور اس زمانہ میں تو حالت اور بھی خراب ہوگئی ہے اس لئے کہ اہل اللہ کے اہل شہر اور پڑوسی بالخصوص ان کے ہم قوم محض حسد کے طور پر ان سے جلتے ہیں۔ خدا بچاوے اس پرفتن زمانہ سے۔ مترجم)

یحییٰ بن معاذ فرماتے تھے کہ جب تو کسی عالم کو کسی ایسی جگہ دیکھے جو ان کے شایان شان نہیں ہے تو اس پر ملامت کرنے میں جلدی نہ کر، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ باوجود حاضر ہونے کے تجھ سے زیادہ اس مقام سے بچنے والا ہو، اور باوجود تیری ملامت کے تجھ سے کم قابل ملامت ہو، (کیونکہ ممکن ہے کہ اس کو کوئی عذر ہو، جس کی تجھے اطلاع نہ ہو، اور بلا عذر کے وہ اس بارہ میں تجھ سے زیادہ محتاط ہو)۔ میں کہتا ہوں کہ اس کتاب میں یہ مضمون بھی آئے گا کہ بعض دیندار ایسے بھی ہیں جو معصیت کے مقام سے نہیں ہٹتے، کیونکہ وہ وہاں کے رہنے والوں کے لئے سفارش کرتے ہیں اور ان کی سفارش ان کے حق میں قبول کی جاتی ہے، اور اس بناء پر وہ نزول بلا سے ان کے محافظ ہوتے ہیں، ایسی حالت میں ان لوگوں پر جلدی سے اعتراض نہ کردینا چاہئے، ان کی حالت کی تحقیق کر کے اعتراض کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے تھے کہ جب نفس کو مال مل جاوے تو ایسا سمجھو جیسا بھیڑیئے کو جنگل میں بکری مل جاوے، (کیونکہ جس طرح بھیڑیا بکری کا بھوکا ہوتا ہے، یوں ہی نفس مال کا بھوکا ہے)۔ ابوالدرداءؓ فرماتے تھے کہ خدا کی عبادت کو اپنے اوپر مصیبت نہ بناؤ۔ ان سے پوچھا گیا کہ حضرت اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے ذمہ کوئی نیک کام ٹھہرا لے، پھر اسے پورا نہ کرے جس سے اس پر اس کا وبال ہو، اور چونکہ اس وبال کا ذریعہ خدا کی عبادت ہوئی ہے اس لئے ہم نے کہا کہ خدا کی عبادت کو اپنے اوپر مصیبت نہ بناؤ۔

عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے کہ خدا کے ہر کلام کے معنی اس طرف راجع ہوتے ہیں کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے اور کسی کو اس بارہ میں شک نہ کرنا چاہئے۔

حاتم [(۱)] اصمؒ فرماتے تھے کہ جو شخص درہم سے اس کی ذات کے لئے محبت کرتا ہے، وہ بھی اس سے آخرت کے لئے محبت کرتا ہے (مطلب یہ ہے کہ جس کو خود روپیہ سے محبت ہے، یہ محبت بھی مذموم نہیں۔ کیونکہ روپیہ فی حد ذاتہ خدا کی نعمت ہے، اور خدا کی ہر نعمت قابل محبت ہے، اور اس کی محبت شرعاً مطلوب ہے۔ ہاں اگر کسی کو روپیہ سے اس لئے محبت ہے کہ وہ اس کو معاصی کا ذریعہ بنا دے گا تو یہ بیشک مذموم ہے)۔

پس اے بھائی اس مضمون کو سمجھ لے اور خدا سے دعا کر کہ اللہ ہمیں دوسروں کے لئے سبب عبرت نہ بنا، اور ہم کو ہمارے عیوب دکھلا دے۔ والحمد للہ رب العالمین.

تواضع وانکساری

۱۹- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے کو سب سے زیادہ فاسق سمجھتے ہیں، اور جانتے ہیں کہ وہ اس قابل نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرے، اور اسی لئے ان میں سے بعض حضرات استسقاء و دفع بلاء کے لئے لوگوں کے ساتھ نہ جاتے تھے۔

سعیدؒ بن جبیر فرماتے تھے کہ شاہان بنی اسرائیل میں سے کسی بادشاہ کے زمانہ میں قحط پڑا۔ لوگوں نے بارش مانگی مگر مینہ نہیں برسایا گیا۔ اس پر بادشاہ نے کہا کہ اگر خدائے تعالیٰ نے ہم پر بارش بھیج دی تو خیر ورنہ میں اسے ستاؤں گا۔ کسی نے اس سے کہا کہ تو اسے کیسے ایذا دے سکتا ہے؟ کیونکہ حق تعالیٰ کا آسمان میں ہونا بھی محال ہے، کیونکہ وہ زمانہ اور مکان سے منزہ ہے (تو تیرا اسے ایذا دینا کیوں کر ممکن ہے؟) تو اس نے کہا کہ (یہ صحیح ہے، مگر میں اسے اس طرح ایذا دوں گا) کہ اس کے دوستوں اور

(۱) اصل عبارت یہ ہے کان حاتم الاصم یقول من احب الدرهم لذاته فقد احبه للآخرة اس عبارت کے مطلب میں غور کرلیا جاوے۔ ۱۲ منہ

فرمانبرداروں کو قتل کردوں گا۔ پس یہی اس کی ایذاء ہے۔ سو (گو یہ بات نہایت بیباکی وجرات پر دلالت کرتی ہے اور اس لئے وہ بادشاہ سخت سزا کا مستحق تھا مگر) اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور علم سے انہیں بارش عطا فرمادی۔

مالک دینارؒ سے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ استسقاء کے لئے کیوں نہیں تشریف لے چلتے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں اتنا گنہگار ہوں کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میری وجہ سے تم پر پتھر نہ برسنے لگیں۔ اور فرماتے تھے کہ تم لوگ تو سمجھتے ہو کہ بارش میں بہت دیر ہوگئی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ سنگ باری میں دیر ہوگئی (اور یہ خدا کا فضل ہے۔ ورنہ ہم لوگ عرصہ سے اس کے مستحق ہو چکے ہیں)۔

وہب بن منبہؒ فرماتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام استسقاء کے لئے تشریف لے گئے اور جا کر بہت روئے پیٹے، مگر بارش نہ ہوئی۔ تب آپ نے فرمایا کہ صاحبو! جس کسی نے گناہ کیا ہو، وہ چلا جاوے۔ یہ سن کر سب لوٹ گئے اور صرف ایک آدمی رہ گیا۔ اس سے آپ نے فرمایا کہ کیوں میاں تم نے کوئی گناہ نہیں کیا؟ اس نے کہا جی ہاں (خدا کا شکر ہے کہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا)۔ صرف ایک مرتبہ اتنا ہوا تھا کہ میں نے ایک عورت کی طرف دیکھ لیا تھا۔ سو جب وہ چلی گئی تو میں نے اس کا تدارک یہ کیا کہ اپنی آنکھ میں انگلی ڈال کر اسے نکال لیا۔ تب عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا لوگوں کے لئے خدا سے دعا کرو۔ اس نے دعا کی تو فوراً سارے آسمان پر ابر چھا گیا اور لوگوں کو بارش دی گئی۔

موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ وہ تین روز استسقاء کے لئے باہر تشریف لے گئے مگر بارش نہ ہوئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تم لوگوں میں ایک شخص چغلخور ہے۔ جب تک وہ تم میں رہے گا میں تمہاری دعا نہ قبول کروں گا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: کہ اے اللہ ہمیں بتلا دیجئے وہ کون ہے؟ تا کہ ہم اسے اپنے درمیان سے نکال دیں۔ اس پر حضرت حق نے فرمایا کہ اے موسیٰ میں تمہیں تو چغلخوری سے منع کرتا ہوں اور خود چغلخور بن جاؤں۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کہ

صاحبو! سب لوگ چغل خوری سے توبہ کرلو۔ یہ سن کر سب نے توبہ کرلی اور اسی وقت بارش ہوگئی۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ بنی اسرائیل پر سات برس تک قحط پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ مردار جانور اور اپنے بچوں کو کھانے لگے۔ جب یہاں تک نوبت پہنچی تو لوگوں نے یہ کیا کہ پہاڑوں میں جانے اور گریہ زاری کرنے لگے، لیکن اس پر ان کی دعا قبول نہ ہوتی تھی (جب لوگ حد سے زیادہ پریشان ہوئے) اس وقت حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ آپ ان سے فرمادیجئے کہ اگر تم میری اتنی عبادت کرو کہ سوکھ کر پرانے کوزے کی طرح ہوجاؤ، تب بھی میں دعا قبول نہ کروں گا، تاوقتیکہ تم ناجائز طور پر حاصل کئے ہوئے مالوں اور دیگر حقوق کو ان کے مستحقین کو واپس نہ کردو۔ اور ایک اور مرتبہ بنی اسرائیل پر قحط پڑا۔ اس وقت بھی لوگوں نے خدا سے بارش مانگی اور ان کو بارش نہ دی گئی تھی۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی آئی تھی کہ میں ان کی دعا کیسے قبول کرسکتا ہوں، یہ لوگ نجس بدن لے کر آئے ہیں اور جو ہاتھ ہماری طرف اٹھاتے ہیں، وہ وہ ہیں جن سے انہوں نے حرام کھایا ہے حتی کہ انہوں نے حرام سے اپنا خوب پیٹ بھرلیا، اب تو ان کو ہم سے دوری ہی ہوگی، اور یہ لوگ قحط میں مبتلا ہوں گے۔ اگر یہ لوگ یوں چاہتے ہیں تو اپنے گناہوں سے توبہ کریں۔ میں ان سے قحط اٹھالوں گا۔ ایک مرتبہ ان پر اور قحط پڑا تھا، اور اس قدر سخت پڑا تھا کہ لوگ کتے اور مرادار جانور کھاگئے تھے، اور اس وقت بھی انہوں نے بارش کی دعا کی تھی مگر ان کو بارش نہ دی گئی تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی تھی کہ آپ ان سے فرمادیجئے کہ اگر تم پیدل اس قدر چلو کہ تھک کر گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ۔ اور تمہارے عمل آسمان تک پہنچ جائیں، اور تمہاری زبانیں دعا کرتے کرتے تھک جاویں، تب بھی میں کسی دعا کرنے والے کی دعا نہ قبول کروں گا اور نہ تم میں سے کسی رونے والے پر رحم کروں گا، تاوقتیکہ تم حقوق مغصوبہ ان کے مالکوں کو واپس نہ کردو۔ سو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ حکم ان کو پہنچادیا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ایسے حقوق تو بیحد ہیں، ہم کیسے

واپس کر دیں؟ سو جب انہوں نے تعمیل حکم سے انکار کیا تو قہر الٰہی بحال رہا اور وہ بھوکے پیاسے مر گئے۔ اے بھائی تو سلف کے بکثرت اپنے نفسوں کو متہم کرنے کو دیکھ اور تو بھی ان کی تقلید کر اور ہرگز استسقاء کے لئے جانے میں جلدی نہ کر۔ ہاں اگر تو سمجھتا ہو کہ خدا نے میرے تمام گناہ معاف کر دئے ہیں تو مضائقہ نہیں، (مگر یہ گمان کیسے ہو سکتا ہے۔ اس لئے اب یہ ہی کہا جاوے گا کہ) اگر تو ایسا خیال نہیں کر سکتا تو توقف کر اور اللہ تعالیٰ سے خوب توبہ کر اور پھر نکل۔ والحمدللہ رب العالمین.

عفو اور درگذر کرنا

۲۰- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو شخص ان کو مار کر یا ان کا مال لے کر یا ان کی آبرو پر حملہ کر کے یا ایسے ہی کسی اور طریق سے ان کو تکلیف دے تو وہ اخلاق محمدی سے آراستہ ہونے کی وجہ سے اس کو معاف کر دیتے اور اس سے درگذر کرتے ہیں، کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ بھی اپنی ذات کے لئے انتقام نہ لیتے تھے بلکہ اس وقت انتقام لیتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ کی قابل احترام اشیاء کی (احکام ہوں یا شعائر) تحقیر کی جاوے۔

جعفر بن محمدؒ فرماتے تھے کہ میں معاف کر کے پشیمان ہولوں یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میں سزا دے کر پشیمان ہوں۔

حاتم اصمؒ فرماتے تھے کہ یہ تمہاری ناانصافی ہے کہ جب دوسرے لوگ خدا کی نافرمانی کریں تو تم ان سے عداوت رکھو۔ اور جب تمہارا نفس خدا کی نافرمانی کرے تو اس سے عداوت نہ رکھو۔ میں کہتا ہوں کہ اپنے نفس سے عداوت رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کو بھوک اور پیاس کے ذریعہ سے اور بستر پر نہ سو کر۔ نیز اسی قسم کی باتوں سے سزا دی جاوے، اور اس کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جاوے، جیسا آدمی اس کے ساتھ کرتا ہے جس کو وہ ناپسند کرتا ہے، یعنی اس پر غصہ کرتا ہے اور مہربانی نہیں کرتا۔ اور اس کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کیا جاوے جیسا عاشق اپنے معشوق سے کرتا ہے کہ اس کی ہر خواہش

پوری کرنے کی کوشش کی جاوے۔

شیخ بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ اپنے نفس سے عبادت کے لئے کہا، تو اس نے نہ مانا، تو میں نے اس کو سزا دی اور ایک سال تک پانی بند کر دیا۔

مدائنیؒ فرماتے تھے کہ یہ نہایت برا بدلہ ہے کہ برائی کے بدلے میں برائی کی جاوے۔

تیمیؒ فرماتے تھے کہ کثرت تحمل محبت پیدا کرتی ہے، (یعنی جب بہت مرتبہ کسی کی زیادتیاں برداشت کر لی جاویں گی تو آخرکار اس کے دل میں محبت پیدا ہو جاوے گی، اور وہ دشمن سے دوست بن جاوے گا)۔

لوگ ایک ایسے شخص کو عبداللہ ابن الزبیرؓ کے حضور میں لے گئے جس نے کوئی جرم کیا تھا۔ عبداللہ بن زبیر (بعد ثبوت جرم) اس کے مارنے کے لئے کوڑے منگائے، تو اس شخص نے کہا کہ میں آپ سے اس ذات کا واسطہ دے کر جس کے سامنے آپ قیامت میں اس سے زیادہ ذلیل ہوں گے جس قدر میں آپ کے سامنے ذلیل ہوں، درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے معاف فرمادیں۔ یہ سن کر عبداللہ بن الزبیرؓ تخت سے اترے اور زمین پر رخسار رگڑ کر فرمایا کہ میں نے معاف کر دیا۔ میں کہتا ہوں کہ شاید ان کا اس قسم دینے والے کو سزا نہ دینا کسی عذر شرعی کی بناء پر تھا، مثلاً یہ کہ سزا دینے میں بہ نسبت سزا نہ دینے کے زیادہ اندیشہ فساد ہے۔ واللہ اعلم (میں کہتا ہوں کہ اس توجیہ کی کیا ضرورت ہے، کیونکہ روایت میں کسی جرم خاص کی تصریح نہیں ہے، تاکہ اس توجیہ کی ضرورت ہو۔ اس لئے اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ جرم ایسا ہوگا جس میں سزا نہ دینے کا امام کو اختیار ہے جبکہ مجرم کی طرف سے اطمینان ہو کہ آئندہ ایسا نہ کرے گا۔ مترجم)

قتادہؒ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ عالی مرتبہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا جس کا عفو سب سے زیادہ ہو۔

ایک عورت نے مالکؒ بن دینار کا قرآن اور چادر وغیرہ چرائے۔ جب ان کو معلوم ہوا تو پیچھے دوڑے۔ پس وہ دوڑتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ بی تو ڈر

مت، میں تجھے کچھ نہ کہوں گا۔ تو چادر لے جا، اور قرآن شریف مجھے دیدے۔

ابو سعید[1] مقبریؒ فرماتے تھے کہ پورا عفو یہ ہے کہ ظالم سے انتقام نہ لے اور اس پر رحم کرے، اور خدا سے اس کے لئے عفو کی درخواست کرتا رہے۔

جب امام مالکؒ کو مارا گیا ہے۔ تو آپ نے پہلے کوڑے پر مارنے والے کو معافی دیدی تھی۔

یہی خبر ہم کو امام احمدؒ کے متعلق ملی ہے کہ جب ان کو مارا گیا تھا تو انہوں نے بھی مارنے والے کو معاف فرمادیا تھا۔ اور فرماتے تھے کہ آدمی کا کیا نقصان ہے اگر اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے کسی کو عذاب نہ دے۔

کعب بن احبارؒ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنی بیوی کی تکلیف پر صبر کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کا سا ثواب دے گا، اور جو عورت اپنے خاوند کی زیادتی پر صبر کرے گی، اللہ تعالیٰ اس کو وہ ثواب دے گا جو آسیہ بنت مزاحم یعنی فرعون کی بیوی کو دے گا۔

عنقریب آخر کتاب میں اس مضمون کی انشاء اللہ مزید تفصیل آئے گی (منتظر رہو) والحمد للہ رب العالمین۔

اکرام واحترام اہل اسلام

۲۱- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ حرمت مسلمین کی بہت عظمت کرتے ہیں، کیونکہ وہ ان شعائر اللہ میں سے ہے جن کی بے توقیری حرام ہے۔ نیز وہ مسلمانوں کی بہتری کو پسند کرتے ہیں۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ کوئی شخص کسی مسلمان کو حقیر نہ سمجھے، کیونکہ معمولی درجہ کا مسلمان بھی خدا کے نزدیک مرتبہ میں بڑا ہے۔

(۱) سعید مقبری تو معروف ہیں۔ مگر ابو سعید مقبری نہیں معلوم کون بزرگ ہیں۔ غالباً یہ زلت قلم ہے۔ (واللہ اعلم ۱۲ مترجم۔)

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ ہمنشین کی عزت کرنا اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے۔
نیز وہ کعبہ کی طرف دیکھتے اور فرماتے تھے کہ اے کعبہ اللہ تعالیٰ نے تجھے محترم اور شریف اور مکرم بنایا ہے، مگر مومن خدا کے نزدیک حرمت میں تجھ سے بڑھ کر ہے۔
عکرمہؒ یہ فرماتے تھے کہ خبردار کسی عالم کو نہ ستانا، کیونکہ جو کسی عالم کو ستائے گا وہ جناب رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچائے گا، (کیونکہ علماء آنحضرت کے وارث ان کے جانشین ہیں اور ان کی تکلیف سے آنحضرت ﷺ کو تکلیف ہونا لازمی ہے۔ مگر یہ اس وقت ہے جبکہ ایذاء عالم ناحق ہو۔ اور اگر جائز طور پر ہو تو وہ اس وعید میں داخل نہیں)
ابوہریرہؓ فرماتے تھے کہ مومن کی وقعت خدا کے نزدیک بعض ان فرشتوں سے زیادہ ہے جو کہ اس کے پاس رہتے ہیں۔
حاتم اصمؒ سے دریافت کیا گیا کہ ہاتھ کی دیت پانچ سو دینار ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ پانچ درم میں چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاتھ کاٹنے میں صرف دراہم کا ہی لحاظ نہیں ہوتا بلکہ ان کے ساتھ پردہ دری، ظلم اور ترک احترام مال عبد بھی ملحوظ ہوتے ہیں، اور یہ امور ضرور مہتم بالشان ہیں، لہٰذا اب شبہ نہیں ہوسکتا۔ اب اے بھائی تو اپنے نفس کی حالت میں غور کر، اور دیکھ کہ کیا تو نے علماء صلحاء کو تو جانے دو، عامۂ مسلمین کی حرمت کی بھی اس طرح تعظیم کی ہے جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔ یا تو نے ان کو حقیر سمجھا، اور ان کی آبرو پر حملہ کیا۔ اور اس طرح تو فساق میں داخل ہو گیا (اس کا جواب تو یہ ہی دے گا کہ میں نے ان کی حرمت کی تعظیم نہیں کی) پس تو خدا سے استغفار کر، اور آئندہ کے لئے ایسا کرنے سے توبہ کر۔

گھر والوں سے حسنِ سلوک

۲۲- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بیویوں کی تکلیف پر صبر کرتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ان کی بیویوں سے ان کی جس قدر مخالفتیں سرزد ہوتی ہیں، وہ صورت ہیں، ان کے خدا کے ساتھ معاملہ کی (یعنی چونکہ وہ خدا کی

مخالفت کرتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کی بیویوں کو ان کا مخالف بنا دیتا ہے تا کہ ان کو تنبہ ہو اور وہ سمجھیں کہ مخالفت کس قدر ناگوار چیز ہے، اور سمجھ کر وہ خدا کی مخالفت سے احتراز کریں) مگر یہ قاعدہ اکثر یہ ہے کلیہ نہیں، کیونکہ بعض اوقات انبیاء کی بیویاں بھی مخالفت کرتی ہیں مگر انبیاء مخالفت حق تعالیٰ سے معصوم ہوتے ہیں۔ سو وہاں کچھ اور مصلحت ہوگی۔ خیر یہ حالت تو خواص سلف کی تھی اور عوام سلف چونکہ اتنی دقیق نظر نہ رکھتے تھے، اس لئے وہ اس بات کو تو نہ سمجھتے تھے مگر وہ یہ سمجھ کر ان کی اذیتوں کا تحمل کرتے تھے کہ ان کا نفع ان کے ضرر سے زیادہ ہے۔ غرض کہ عوام وخواص سب عورت کا پورا حق ادا کرتے تھے، اور اس کی مخالفت اس سے ان کو مانع نہ ہوتی تھی، کیونکہ ان کو اس حدیث پر عمل مقصود ہوتا تھا کہ جس نے تمہیں امین بنایا ہے۔ تم اس کی امانت ادا کرو، اور جو تم سے خیانت کرے تم اس سے خیانت نہ کرو۔ (پس اس حدیث کی بناء پر وہ عورت کے جملہ حقوق ادا کرتے تھے اور اپنی حق تلفی کی پرواہ نہ کرتے تھے۔) گو جس طرح عورتوں کے مردوں کے ذمہ حقوق ہیں، یوں ہی مردوں کے بھی عورتوں پر حقوق ہیں، جیسا کہ کتب حدیث وفقہ میں مصرح ہے (اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ جب عورتیں مردوں کے حق میں کوتاہی کریں، تو مردوں کی طرف سے ان کے حق میں کمی کی جائے) اور اس سے پہلے خلق میں کعبؓ احبار کا قول گذر چکا ہے کہ جو شخص عورت کی تکلیف پر صبر کرے گا، اس کو صبر ایوب علیہ السلام کا اجر ملے گا۔ علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ عورت کا جہاد یہ ہے کہ وہ خوبی کے ساتھ اپنے خاوند کی ہو رہے۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ چار باتیں بدبختی کی ہیں۔ ایک بال بچوں کا زیادہ ہونا۔ دوسرے مال کا کم ہونا۔ تیسرے ہمیشہ رہنے کے مقام میں پڑوسی کا برا ہونا۔ چوتھے بری عورت جو اپنے خاوند سے خیانت کرے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ جس نے شادی کی اس نے دنیا اپنے گھر میں گھسالی، اور جس نے دنیا گھر میں گھسالی، اس نے گویا شیطان کی بیٹی سے شادی کرلی، اور جس نے شیطان کی بیٹی سے شادی کرلی، اس کے گھر میں شیطان کی بیٹی کی وجہ سے

شیطان کی بکثرت آمد و رفت ہوگی۔تو خلاصہ یہ ہے کہ شادی کرنا، شیطان کو گھر میں دخیل بنانا ہے۔لہٰذا شادی سے بچنا چاہئے۔

میں کہتا ہوں کہ سفیانؒ کا کلام اس شادی کے بارہ میں ہے جو نیک نیتی کی بناء پر نہ ہو بلکہ دنیاوی حیثیت سے ہو، کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص رضائے الٰہی کے لئے شادی کرے گا، خدا اس کے لئے کافی اور اس کا محافظ ہوگا۔پس سفیان کے کلام کو محمل مذکورہ پر حمل کرنا ضروری ہوا تا کہ انبیاء اور محفوظین و اولیاء اس سے خارج ہو جاویں۔واللہ اعلم (میں کہتا ہوں کہ سفیانؒ ثوری نے یہ بات اپنے زمانہ کی عورتوں کی حب دنیا، اور مردوں کی ضعف دین پر نظر کر کے...... فرمائی ہے پس اس کو عام نہ سمجھنا چاہئے، بلکہ اس کو اس کی علت تک محدود رکھنا چاہئے۔واللہ اعلم)۔

حدیث شریف میں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عورت پر شرم کا پردہ نہ ڈال دیتا، تو وہ مٹھی بھر مٹی کے برابر بھی نہ ہوتی (کیونکہ نہایت بدکار رہوتی)۔

علی بن ابی طالبؓ فرماتے تھے کہ پانچ باتیں آدمی کی کمال خوش نصیبی ہیں۔ ایک یہ کہ بیوی اس کے مزاج کے موافق ہو۔دوسرے اولاد اس کی نیک ہو۔تیسرے دوست احباب اس کے نیک ہوں۔چوتھے پڑوسی اس کے اچھے ہوں۔پانچویں روزی اس کی اس کے وطن میں ہو۔اور اس کے لئے اس کو باہر نہ جانا پڑے۔

جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: کہ اے اللہ میں آپ سے تین قسم کے آدمیوں سے پناہ مانگتا ہوں۔ایک اس آدمی سے جو دین سے غافل ہو، دوسرے برے پڑوسی سے، تیسرے اس بیوی سے جو خاوند کو ستائے۔

جب مالکؒ بن دینار کی بیوی کا انتقال ہوگیا تو انہوں نے اس کے بعد شادی نہیں کی، اور فرماتے تھے کہ بھائی اب تو تعلقات سے بہت جی گھبراتا ہے۔اگر مجھ سے یہ ہو سکتا کہ اپنے آپ کو طلاق دے دیتا تو میں اپنے آپ کو بھی طلاق دیتا، کیونکہ مجھے اپنا آپ بھی برا معلوم ہوتا ہے۔

احمد بن حربؒ فرماتے تھے کہ جب کسی عورت کے اندر یہ چھ باتیں جمع

ہو جاویں تو وہ پوری صالح ہے۔ اول یہ کہ پنج وقتی نماز کی پابند ہو۔ دوم یہ کہ اپنے خاوند کی فرمانبردار ہو۔ تیسرے یہ کہ اپنے خاوند کو خوش رکھے۔ چوتھے یہ کہ اپنی زبان کو غیبت اور چغلی سے محفوظ رکھے۔ پانچویں یہ کہ سامان دنیا (زیور لباس وغیرہ) سے اسے رغبت نہ ہو۔ چھٹی یہ کہ مصیبت پر صبر کرے۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے تھے کہ عورتوں کا وہ فتنہ جس سے جناب رسول اللہ ﷺ ڈراتے تھے، یہ ہے کہ وہ مردوں سے قطع رحم کراتی ہیں، اور ان کو ایسے ذلیل کاموں کے لئے مجبور کرتی ہیں جو ان کی ذاتی خواہش نفسانی و رغبت کے فتنہ سے زائد ہیں۔ (خلاصہ یہ ہوا کہ عورتوں کا فتنہ ایک تو یہ ہے کہ وہ مرد کو ماں باپ بہن بھائی وغیرہ سے چھوڑاتی ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ وہ ان کو ان کاموں کے لئے مجبور کرتی ہیں جن کو آدمی اپنی خواہش نفسانی کی وجہ سے نہیں کرسکتا، (کیونکہ وہ لایعنی فرمائشات کرتی ہیں اور ان کی فرمائشوں کے پورا کرنے کے لئے آدمی کو ہر ممکن تدبیر کرنی پڑتی ہے، خواہ وہ کتنے ہی ذلیل کیوں نہ ہو، حالانکہ وہ اپنی ذاتی خواہش کے لئے ایسا نہیں کرسکتا۔ واللہ اعلم)

حاتم اصمؒ فرماتے تھے کہ نیک عورت دین کا ستون ہے جس سے دین محفوظ رہتا ہے، اور گھر کی آبادی ہے، اور عبادت کی معین ہے۔ اور ناموافق عورت خود ہنسی خوشی رہتی ہے اور خاوند کے دل کو غم سے گھلادیتی ہے۔

عبداللہؓ بن عمرو فرماتے تھے کہ عورت کے دوزخی ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب شوہر آوے تو اسے دیکھ کر خوشی ظاہر کرے۔ اور جب وہ چلا جاوے اس کے پیچھے اس کے مال میں اور اس کی آبرو میں خیانت کرے۔

شفیق بلخی اپنی بیوی سے فرماتے تھے کہ اگر اہل بلخ تمام میرے ساتھ ہوں، اور ایک تو میرے خلاف ہو تو میں اپنے ہی کو نہیں بچا سکتا۔

مدائنیؒ فرماتے تھے کہ کسی نبی نے حق تعالیٰ سے اپنی بیوی کی بدمزاجی کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اس کو تمہارا عذاب کا حصہ بنادیا ہے (یعنی اپنی بعض لغزشوں پر تم جس سزا کے مستحق تھے، ہم نے اس کا بدلہ اس سے کردیا ہے۔)

عبدالملک بن عمرؒ فرماتے تھے کہ جب عورت کی عمر زیادہ ہو جاتی ہے، تو اس کا رحم بچہ پیدا کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے، اور اس کی زبان بگڑ جاتی ہے اور عادت خراب ہو جاتی ہے، اور جب مرد کی عمر زیادہ ہو جاتی ہے تو اس کی عقل مضبوط ہو جاتی ہے، اور اس کی تیزی جاتی رہتی ہے، اور عادت اچھی ہو جاتی ہے۔

حاتمؒ اصم فرماتے تھے کہ نیک عورت کی شناخت یہ ہے کہ اس کا وصف خدا کا خوف ہو، اور اس کی دولت جو کچھ خدا نے دیا ہے اس پر قناعت ہو، اور اس کا زیور اپنے مال میں سخاوت ہو، اور اس کی عبادت خاوند کی عمدہ خدمت ہو، اور اس کا مقصد موت کے لئے تیاری ہو۔ اور فرماتے تھے کہ تو اپنی بیٹی اور بہن کے مقابلہ میں اپنے داماد اور بہنوئی کی طرف داری کر اس سے تو اپنی بیٹی اور بہن کے دین کو سنوارے گا، اور اپنی بیٹی یا بہن کے ساتھ ہو کر اپنے داماد اور بہنوئی کی مخالفت مت کر، کیونکہ ایسے کرنے سے تو ان کا دین بگاڑے گا۔

ابو مطیع بلخی نے ایوب بن خلف سے اپنی بیوی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ جب تو اس کی تکلیف پر صبر نہیں کر سکتا تو پھر تو کیسے دعویٰ کر سکتا ہے کہ تجھے اس پر فوقیت ہے، (کیونکہ نہ اس میں تحمل ہے نہ تجھ میں۔) اور نہ اس میں عقل ہے، نہ تجھ میں، تو اب تم دونوں برابر ہو گئے)۔

حاتم اصم اپنے گھر میں یوں رہتے تھے جیسے بندھا ہوا جانور، اگر کسی نے کچھ آگے رکھ دیا کھا لیا، ورنہ خاموش بھوکے رہے۔

حدیث میں ہے کہ ایک بد عورت ہزار بد مردوں کے برابر ہے۔

ایاس بن معاویہ فرماتے تھے کہ میرے پاس دو شخصوں کا علاج نہیں۔ ایک وہ جو پیشاب روکنے کے سبب امراض خبیثہ میں مبتلا ہو جاوے، دوسرے بری عورت۔ انتہی۔

اس خلق پر اس کتاب کے مختلف مقامات میں مزید کلام آئے گا، پس تم کو متنبہ رہنا چاہئے۔ خلاصہ کلام یہ کہ سلف صالحین اسی طریق پر چلتے تھے کہ وہ عورتوں کی تکلیف

پر صبر کرتے، اوران کو بدلہ یا سزا نہ دیتے، بجز اس صورت کے کہ اس میں خود عورت کی مصلحت ہو۔ والحمدللہ رب العالمین ولا حول ولاقوۃ الا باللہ.

ترک ریاست وحب جاہ

۲۳- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب تک سرداری خود بخود ان کو نہیں ملتی وہ از خود اس کے لئے کوشش نہیں کرتے۔ لوگ بطور خود ان کو اپنا سردار بناتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اس منصب امانت وغیرہ کے اہل نہیں، اور لوگ کہتے ہیں کہ آپ ضرور اس کے اہل ہیں بلکہ اس منصب سے آپ کی شان اعلیٰ ہے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ جو شخص سرداری کو اس کے از خود آنے سے پہلے طلب کرے گا، وہ اس سے بھاگے گی، اور اس سے بہت سا علم چھوٹ جاوے گا (کیونکہ جب وہ طلب ریاست کے لئے جدوجہد میں مصروف رہے گا تو تحصیل علم کا موقع اسے کم ملے گا، اور اس لئے وہ علم سے محروم رہ جاوے گا۔ اور اگر اس نے تحصیل جاہ کا ذریعہ یہ ہی خیال کیا کہ علم حاصل کیا جاوے۔ اور اس وجہ سے وہ علم میں مصروف رہا، تب بھی وہ بہت بڑے علم سے محروم رہے گا، کیونکہ جس قدر حقائق اس شخص پر منکشف ہوتے ہیں جو خدا کے لئے علم حاصل کرے، اس پر نہیں کھلتے، جو دنیا کے لئے علم پڑھے۔ پس بہر صورت اس کا بہت سے علوم سے محروم ہونا ثابت ہوگیا۔ واللہ اعلم) نیز وہ فرماتے تھے کہ ستر برس تک مجاہدہ کرنے سے پہلے آدمی کو سرداری کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، (اس کا یہ مطلب نہیں کہ ستر برس مجاہدہ کے بعد کوشش کرنی چاہئے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب تک ستر برس مجاہدہ نہ کرلیا جاوے آدمی کے اندر سرداری کی قابلیت پیدا نہیں ہوتی)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے: کہ جب لوگ تمہیں سردار بنائیں تو تم تابع بنو اور سرداری قبول نہ کرو.......... مطلب ہے کہ جب تم کو سردار بنایا جائے تب بھی تم اپنے کو سردار نہ سمجھو، بلکہ خدام میں سے سمجھو)۔

حجاجؒ بن ارطاۃ فرماتے تھے کہ مجھے طلب ریاست اوراس کی محبت نے ہلاک کردیا (یہ بطورتواضع وانکسار کے فرماتے تھے)۔

انطاکیؒ فرماتے تھے کہ ریاست جڑ ہے حب ریا کی، اور معشوق ہے نفس کا، اور آنکھ کی ٹھنڈک ہے شیطان کی، (مطلب یہ ہے کہ سرداری میں تین عیب ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے ریا کی محبت پیدا ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ اس سے نفس پھولتا ہے، تیسرے یہ کہ اس سے شیطان خوش ہوتا ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ سے اس کو اس کے مقصد اضلال میں کافی مدد ملے گی)۔

ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے تھے کہ تم دم بنو، سر نہ بنو۔ کیونکہ سر ہلاک ہو جاتا ہے اور دم بچ جاتی ہے، (یعنی سر محل آفات ہے، اور دم آفات سے دور ہے۔ پس تم سر نہ بنو بلکہ دم بنو، یعنی متبوع نہ بنو بلکہ تابع بنو)۔

فضیلؒ بن عیاض فرماتے تھے کہ جو شخص سرداری کو پسند کرتا ہے وہ اس کو پسند کرتا ہے کہ لوگوں کے نقائص اور عیوب بیان کرے تاکہ وہ کمال میں سب سے ممتاز معلوم ہو (اور اس طرح اس کا مقصد سرداری حاصل ہو سکے) .... اور اس کو ناپسند کرتا ہے کہ لوگ کسی کو اچھا کہیں، (کیونکہ اس سے اس کے مقصد کو صدمہ پہنچتا ہے)، اور جو شخص ریاست پر عاشق ہو گیا سمجھ لو کہ اپنی اصلاح کو خیر باد کہہ دیا۔

سفیانؒ ثوری فرماتے تھے کہ ریاست کا چھوڑنا، اور عورت کی محبت کا ترک کرنا، ایلوے سے زیادہ تلخ ہے۔

میمونؒ بن مہران فرماتے تھے کہ جب تم کسی ضرورت کے پورا کرنے کے لئے کہیں جاؤ تو کسی کو اپنے ساتھ یا اپنی رکاب میں نہ چلنے دینا، کیونکہ یہ امر متبوع کے لئے فتنہ ہے اور تابع کے لئے ذلت (تابع کے لئے ذلت ہونا ظاہر ہے، اور متبوع کے لئے فتنہ ہونا اس لئے ہے کہ اس سے متبوع کے اندر عجب و کبر و حب جاہ پیدا ہوں گے۔ اور یہ تمام امراض مہلک ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا)۔

سب سے پہلا شخص جس کی متابعت میں لوگ مسجد سے گھر تک چلے ہیں،

اشعث بن قیس تھا، چنانچہ وہ سوار ہوتا تھا، اور غلام اس کے آگے آگے چلتے تھے۔ سو اس وقت کے لوگ اس کو دیکھ کر یہ کہتے تھے کہ خدا اس جبار کو غارت کرے۔ پس اے بھائی تو کسی ایسے کام میں جو بلا واسطہ یا بواسطہ دنیاوی ہو، سردار بننا ہرگز پسند نہ کرنا (بلا واسطہ دنیاوی امور حکومت وغیرہ ہیں، اور بواسطہ دنیاوی امور امانت وغیرہ ہیں، کیونکہ گو یہ امور بالذات دینی ہیں مگر جب ان سے جاہ مقصود ہو تو یہ بھی دنیاوی ہو جاتے ہیں۔ واللہ اعلم) اور اس کی مزید تفصیل اس کتاب میں مختلف مقامات پر آئے گی (تم کو متنبہ رہنا چاہئے)۔ والحمدللہ رب العالمین۔

نصیحت وخیر خواہی اہل اسلام

۲۴- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ حضرات آپس میں ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں، بڑا چھوٹے کو اور چھوٹا بڑے کو (مگر جب چھوٹا بڑے کو نصیحت کرتا ہے تو ادب کو ملحوظ رکھ کر کرتا ہے) اور ان میں سے کوئی نصیحت سے مکدر نہیں ہوتا، اور یہ روش ان کی آج کل کے متکبرین کے طرز عمل کے خلاف ہے، کیونکہ اگر ان کو کوئی نصیحت کرتا ہے تو یہ بہت برا مانتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ میں نے اس زمانہ کے ایک شیخ کو نصیحت کی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرتے دم تک مجھ سے ناراض رہا اور مجھ سے نہیں ملا۔

انس بن مالکؓ فرماتے تھے کہ سب سے زیادہ خدا کو وہ جوان پسند ہے، جو بڈھے کو نصیحت کرے اور وہ بڈھا پسند ہے جو ان کو نصیحت کرے، اور اسی وجہ سے وہ جوان جو گناہوں سے توبہ کرے خدا کا محبوب ہے، (کیونکہ اس نے اپنے نفس کو نصیحت کی)۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں تمہیں جوانوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کی نصیحت کرتا ہوں، کیونکہ یہ لوگ نرم دل ہوتے ہیں (جس کی وجہ سے اثر کو جلدی قبول کر لیتے ہیں اور اب اگر تم انہیں اچھی باتیں سکھاؤ گے تو یہ اچھے ہو جاویں

گے اور بری باتیں سکھاؤ گے تو برے ہو جاویں گے۔ پس تم ان کو اچھی باتیں سکھانا)۔ دیکھو خدا نے مجھے گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا تھا، پس جوانوں نے میرے ساتھ نشست و برخاست رکھی، اور بڈھوں نے مجھ سے مخالفت کی آ ھ اور لوگ اس بارہ میں یہ شعر پڑھتے تھے۔

ان الغصون اذ لاینتها اعتدلت

ولن یلین اذا لاینتها الخشب.

یعنی جب تم شاخوں کو نرم کرو تو وہ سیدھی ہو جاویں گی، اور جب تم سوکھی لکڑی کو نرم کرو تو وہ نرم نہ ہوگی (بس اس شعر میں جوان کو شاخ سے تشبیہ دی گئی ہے، اور بڈھے کو سوکھی لکڑی سے۔ اور بتلایا ہے کہ جوان شاخ کی طرح قابل تاثیر ہیں، اور بڈھے سوکھی لکڑی کی طرح اثر قبول کرنے سے آبی)۔

انسؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جوان لوگ عبادت کم کرتے تھے مگر آپ کے انتقال کے بعد وہ عبادت زیادہ کرنے لگے، اور وجہ اس کی یہ بیان کی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہم کو اطمینان تھا کہ ہم پر عذاب نہ نازل ہوگا، مگر آپ کے انتقال کے بعد وہ امان جاتی رہی۔

احمد بن حربؒ فرماتے تھے: کہ آدمی کو چاہئے کہ ان اوقات میں لہو ولعب اور معاصی کو چھوڑ دے۔ ایک تو جب چالیس برس کی عمر ہو جاوے، دوسرے جب بال سفید ہونے لگیں، تیسرے جب خانہ کعبہ کا حج کرے، چوتھے جب نکاح ہو جاوے، کیونکہ نکاح کے بعد زنا بد سے بدتر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ان کا مقصود یہ ہے کہ جن لوگوں میں یہ باتیں اجتماعاً یا انفراداً پائی جائیں، ان کے لئے گناہ سخت معیوب ہیں۔ اور یہ معنی نہیں کہ چالیس برس سے پیشتر مثلاً گناہ مباح ہیں، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہتے ہیں کہ روزہ دار کے لئے ترک غیبت اولیٰ ہے۔ سو اس کے یہ معنی نہیں کہ جو روزہ دار نہ ہو اس کے لئے غیبت مباح ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ روزہ دار کے لئے اس کا ارتکاب دوسروں سے زیادہ نامناسب ہے۔

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے تھے کہ دنیا میں اگرچہ آدمی کتنا ہی زیادہ رہے مگر بمقابلہ جنت کے اس کا یہ رہنا بمنزلہ ایک سانس کے ہے، اور جو ایک ایسے سانس کو ضائع کردے جس کے سبب وہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہ سکتا ہے، وہ بھی ٹوٹے والوں میں ہے (پھر جو لوگ تمام عمر برباد کردیتے ہیں ان کی نسبت سمجھ لو کہ وہ کس قدر ٹوٹے میں ہوں گے)۔

کعبؒ احبار فرماتے تھے کہ جوان عبادت گذار بوڑھے عبادت گذار سے بہتر ہے۔

خذیفہ بن الیمانؓ کے پاس کچھ نوجوان بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص ان کے پاس آیا اور پوچھا کہ یہ نوجوان تمہارے پاس کیوں جمع ہیں؟ آپ نے فرمایا: کہ یہاں بہتری نوجوانوں میں ہے۔ کیا تو نے نہیں سنا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قالو سمعنا فتی یذکرھم یقال لہ ابراھیم﴾ نیز فرماتے ہیں: ﴿انھم فتیة آمنوا بربھم﴾ . نیز فرماتے ہیں ﴿قال لفتاہ آتنا غدآء نا﴾ . نیز اللہ تعالیٰ نے جس قدر انبیاء کو مبعوث فرمایا ہے جوان مبعوث فرمایا ہے (ان امور سے جوانوں کے فضائل ثابت ہوئے، اس لئے میں نے نوجوانوں کو اپنا ہمنشین بنایا ہے)۔

زبور میں ہے کہ جو شخص ستر برس کی عمر کو پہنچ جاتا ہے بلا بیماری کے بیمار ہوتا ہے (کیونکہ تمام قویٰ میں طبعی طور پر ضعف پیدا ہوجاتا ہے، اور اس سے افعال طبعیہ میں خلل آجاتا ہے)۔

محمد بن حسان فرماتے تھے کہ میاں جو عمل تم پچھلے سال کرتے تھے۔ اس کے اس سال اپنے نفس سے خواہاں نہ ہو، کیونکہ آدمی دن بدن گھٹتا ہے (اس لئے جس عمل پر وہ پچھلے سال قادر تھا، اس سال اس پر اتنا قادر نہ ہوگا)۔

ایک بڈھے سے پوچھا گیا کہ بڑے میاں کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ حالت یہ ہے کہ جو جوان عمل میں میرے ساتھ تھے، وہ اب آگے بڑھ رہے ہیں، اور جو پیچھے تھے وہ برابر ہوگئے، اور جو اچھی بات سنتا ہوں بھول جاتا ہوں، اور جب کھڑا ہوتا ہوں تو زمین مجھ سے قریب ہوجاتی ہے، (کیونکہ میں سیدھا کھڑا نہیں ہوسکتا) اور

جب بیٹھتا ہوں تو دور ہو جاتی ہے۔ اور ایک کو دو دیکھنے لگا ہوں، اور جس کا میں سفید ہونا پسند کرتا تھا وہ سیاہ ہو گیا ہے، (یعنی رنگ، کیونکہ بڑھاپے میں خون کی قلت سے رنگت میں سیاہی آ جاتی ہے، اور جس کا سیاہ ہونا پسند کرتا تھا وہ سفید ہو گیا ہے یعنی بال، اور جس کا نرم ہونا پسند کرتا تھا وہ سخت ہو گیا ہے یعنی دل، اور جس کا سخت ہونا پسند کرتا تھا وہ نرم ہو گیا یعنی اعضاء اھ۔

پس اے بھائی! جو باتیں میں نے بیان کی ہیں، ان میں غور کرو اور اپنی جوانی کو غنیمت سمجھ، اور اپنے بڑھاپے کا کثرت استغفار سے جبر نقصان کر جو رخنہ تیرے دین میں پڑ چکا ہے، وہ اس سے بند ہو جاوے۔ **والحمدللہ رب العلمین**۔

ہر شخص کا ادب واحترام

۲۵- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ بڑے چھوٹے وغیرہ متعلق عالم وجاہل ہر کسی کے ساتھ ادب سے پیش آتے ہیں۔

دیکھئے حق تعالیٰ نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کے ساتھ رعایت ادب کی تعلیم فرمائی تھی، اور فرمایا تھا ﴿**فقولا لہ قولا لینا**﴾ یعنی اس سے نرمی سے گفتگو کرنا، حالانکہ فرعون نہایت بدکار کافر تھا۔ (پس جبکہ رعایت ادب فرعون کے ساتھ بھی ضروری ہوئی، تو دوسرے تو بدرجہ اولیٰ اس کے مستحق ہوں گے)۔

نیز یہ امر سب کا متفق علیہ ہے کہ علو درجات زیادتی ادب سے حاصل ہوتا ہے، یعنی جس کے اندر جس قدر ادب زیادہ ہوگا اسی قدر اس کا مرتبہ عالی ہوگا۔ اور (راز اس میں یہ ہے کہ) ادب کا منشا یہ ہے کہ آدمی قلیل الادب لوگوں کی حالت کے برعکس اپنے اندر نقص کا اور دوسروں کے اندر کمال کا مشاہدہ کرے، (اور ظاہر ہے کہ جس کے اندر جس قدر یہ صفت زیادہ ہوگی اسی قدر اس کا مرتبہ بلند ہوگا اور جس کے اندر جس قدر یہ بات کم ہوگی اسی قدر اس کا رتبہ کم ہوگا۔ پس دعویٰ مذکور ثابت ہو گیا)۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو ناپسند فرماتے تھے کہ ایک شخص

دوسرے کو گھورے (کیونکہ اس میں تعلّی کی شان ہے، اور یہ خلاف ادب ہے)۔

میمون بن مہران کا قاعدہ تھا کہ وہ دعوت شادی میں شریک ہوتے تو بچوں اور غریبوں کے ساتھ بیٹھتے، اور دولتمندوں کو چھوڑ دیتے (ان کے پاس نہ بیٹھتے)۔

سعید بن عامرؒ فرماتے تھے کہ جو شخص کسی کو ایسی صفت قبیحہ کے ساتھ موصوف کرے جو اس میں نہیں ہے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک روز کا واقعہ ہے کہ کسی شخص نے ان کو پہچانا تو تھا نہیں، اور بلا پہچانے ہوئے کسی دوسرے شخص کے دھوکے میں یا اصلع [1] کہہ کر پکارا۔ تو آپ نے فرمایا بھائی! تجھے تو فرشتوں کی لعنت کی ضرورت نہ تھی، (پھر تو نے مجھے ایسی صفت کے ساتھ کیوں موصوف کیا جو مجھ میں نہیں ہے، کیوں فرشتوں کی لعنت مول لی؟

علی بن ابی طالبؓ فرماتے تھے کہ سب سے زیادہ خداشناس وہ ہے جو **لا الٰہ الا اللہ** کہنے والوں کی سب سے زیادہ عظمت کرے، کیونکہ ان کی عظمت کرنا تعظیم خداوندی پر دلالت کرتا ہے، اور تعظیم خداشناسی ہے، خداشناسی سے اس لئے سب سے زیادہ خداشناس وہ شخص ہوا)۔

ابوبکر بن عبداللہ مزنی فرماتے تھے کہ جب تو اپنے سے بڑے کو دیکھے تو اس کی تعظیم کر اور یہ سمجھ کہ اس نے تجھ سے پہلے اسلام وعمل صالح اختیار کیا ہے اور جب تو اپنے سے چھوٹے کو دیکھے تو اس کی بھی تعظیم کر اور یہ خیال کر کہ میں اس سے پہلے گناہوں میں مبتلا ہوا ہوں، اور لوگ جب تیری تعظیم کریں تو تو یہ سمجھ کر یہ خدا کا تجھ پر انعام ہے، اور جب وہ تیری توہین کریں تو سمجھ لو کہ یہ میرے گناہ کا بدلہ ہے جو میں نے کیا ہے، اور جب تو اپنے پڑوسی کے کتے کے ڈھیلا مار دے تو سمجھ کہ تو نے اپنے پڑوسی کو ایذا دی۔

وہب بن منبہ فرماتے تھے کہ جب بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے بہت سے سوالات کئے اور انہیں دق کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کے اظہار کے لئے ایک دن میں ایک ہزار آدمیوں کو نبی بنا دیا، تا کہ وہ حضرت

---

(۱) اصلع اس شخص کو کہتے ہیں جس کے سر کے اگلے حصہ کے بال گر جائیں اور تانبا سا سر نکل آوے ۱۲۔

موسیٰ علیہ السلام کی اعانت کریں۔ پس جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اعانت کی تو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بے رخی کر کے ان جدید نبیوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رشک ہوا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ایک ہی روز میں ان تمام انبیاء کی روح قبض کر لی۔ میں کہتا ہوں کہ انبیاء کا رشک محمود ہوتا ہے، کیونکہ وہ معصوم ہوتے ہیں۔ اور ان کے رشک میں نفس کا دخل نہیں ہوتا، اور ان نبیوں کو ایک دن میں اٹھا لینا سزا کے طور پر نہ تھا (بلکہ اس لئے تھا کہ خدا کو معلوم تھا کہ ان کی عمر اس وقت ختم ہو جاوے گی۔ جبکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی مدد کر چکیں گے)۔ (میں کہتا ہوں کہ وہب بن منبہ نے جو قصہ بیان کیا ہے، وہ بھی غلط اور یہود کی گھڑت ہے۔ اور علامہ نے جو توجیہ کی ہے وہ بھی غلط ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ یہ قصہ ہی غلط ہے، اس لئے ہمیں کسی توجیہ کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم ۱۲ مترجم)۔

محمد بن واسع فرماتے تھے کہ جب آدمی کی یہ حالت نہ ہو جاوے کہ وہ ہر شخص کے ساتھ احسان کرے جو اس کے ساتھ تھوڑی دیر بھی رہا ہو۔ اس وقت تک وہ مقام احسان تک نہیں پہنچتا، اور خود ان کے احسان کی یہ حالت تھی کہ جب وہ کوئی بکری بیچتے تو خریدار سے فرما دیتے کہ بھائی اس کو اچھی طرح رکھنا، یہ ہمارے پاس رہ چکی ہے۔

حاتم اصمؒ فرماتے تھے کہ تین باتوں میں لوگوں کے اخلاق میں کمی آ گئی ہے۔ ایک اپنے بھائیوں کے اخلاق حمیدہ کی وقعت کرنا، دوسرے ان کے عیوب چھپانا، تیسرے ان کی تکلیف برداشت کرنا۔ (پس نہ کوئی دوسرے کے اخلاق حمیدہ کی وقعت کرتا ہے بلکہ اس سے جلتا ہے اور اس کے ہنر کو عیب بنانے کی کوشش کرتا ہے، نہ کوئی کسی کی عیب پوشی کرتا ہے بلکہ ان ہوئے عیوب اس میں پیدا کرتا ہے، اور نہ کوئی کسی کی ایذا سہتا ہے بلکہ اپنی طرف سے ایذا دینے کی کوشش کرتا ہے)۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے تھے کہ وہ لوگ بھی برے لوگ ہیں جن کی یہ حالت ہے کہ اگر ان کے درمیان کوئی مسلمان مالدار ہو جاوے تو اس کی تعریف کریں، اور اگر کوئی مفلس ہو جاوے تو اسے ذلیل کریں، اور جو کوئی چھوٹا بڑے کے آگے چلا ہے اس کو

ضرور یہ سزا دی گئی ہے کہ بھلائیوں سے محروم کر دیا گیا۔

فضیل بن عیاض کے سامنے ایک شخص کی تعریف کی گئی اور کہا گیا کہ فلاں شخص خبیص (۱) نہیں کھاتا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ خبیص کھانا چھوڑنا۔ کیا چیز ہے۔ یہ دیکھو کہ صلہ رحم کے معاملہ میں اس کا کیا برتاؤ ہے، اور غصہ ضبط کرنے کے باب میں اس کا طرز عمل کیا ہے، اور دیکھو کہ پڑوسی بیوہ یتیم ان لوگوں پر اس کی شفقت کی کیا حالت ہے اور دیکھو کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ اس کے حسن خلق کی کیا حالت ہے؟ (غرض کہ کمالات شرعیہ پر نظر کرنی چاہئے، اور کمالات عرفیہ کو نظر انداز کر دینا چاہئے)۔

احمد بن حربؒ فرماتے تھے کہ جو شخص (خدا کے واسطے) لوگوں کو دین سکھاوے، اور اس کی طرف ان کی رہنمائی کرے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص بہت سے نوکر رکھ لے جو اپنے جسموں اور اپنے مالوں سے رات اور دن اس کی حیات میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا کام کریں (کیونکہ جب لوگ اس کے سکھائے ہوئے دین پر عمل کریں گے تو اس کا ثواب اس سکھانے والے کو بھی ہوگا تو گویا کہ یہ لوگ اس کے نوکر ہیں۔ اور اس کی خدمت کر رہے ہیں)۔

یحییٰ بن معاذ نے ایک شخص کو مال کی تمنا کرتے سنا تو اس نے فرمایا کہ میاں مال کیا کرو گے، تو اس نے کہا کہ میں غریبوں کو دوں گا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ غریبوں کا بار خدا پر رہنے دو۔ اس سے تمہیں ان سے محبت رہے گی، کیونکہ ان کا بار تم پر آپڑے گا، تو تم انہیں برا سمجھنے لگو گے، اور وہ تمہارے دل پر گراں ہونے لگیں گے۔ اور فرماتے تھے کہ مسلمان بھائی کی ایک تعظیم یہ بھی ہے کہ جب وہ دوسرے شہر میں ہو اور اس کے یہاں موت ہو جاوے تو اس کی تعزیت کے لئے سفر (۲) اختیار کیا جاوے، (اور اس کے گھر جا کر اس کی تعزیت کی جاوے)۔

---

(۱) نوعے از خوردنی کہ از خرما و روغن پزند ۱۲۔

(۲) اس سے ہمارے زمانہ کی تعزیت کے جواز پر استدلال نہ کیا جاوے کیونکہ یہ تعزیت نہیں۔ بلکہ عرفی رسم ہے جس میں شرعی قباحتیں ہیں، واللہ اعلم ۱۲ مترجم۔

جبکہ فضیل بن عیاض کے صاحبزادہ علی کا انتقال ہو گیا تو ابو معاویۃ الاسودان کی تعزیت کے لئے شام سے مکہ تشریف لائے، حالانکہ اس سے پیشتر حج وعمرہ کے لئے بھی تشریف نہ لائے تھے۔ (مطلب یہ ہے کہ انہوں نے تعزیت مسلم کو نفل حج وعمرہ پر ترجیح دی تھی، اور کچھ بعید نہیں کیونکہ بعض اوقات تعزیت مسلم بعض عوارض کے سبب نفل حج وعمرہ سے بڑھ سکتی ہے۔ **کما لا یخفی**)

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جو شخص اس سے خوش ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت میں دوزخ کی آگ سے بچائے، اس کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں سے رحم دلی اور نرم دلی کا برتاؤ کرے۔

محمد بن المنکدر رات کو نوافل پڑھتے تھے مگر جب ان کی والدہ ان کو پاؤں دبانے کے لئے بلاتیں تو صبح تک پاؤں دباتے، اور اس کو نماز سے افضل سمجھتے اور ایسا ہی بزرگوں نے آدمی کے پیر کے حق میں بیان کیا ہے (یعنی اگر آدمی اپنی خدمت کے لئے بلائے تو نفل عبادت کو چھوڑ دینا چاہئے۔

کہمس بن الحسن فرماتے تھے کہ میں اپنی والدہ کی خدمت کرتا تھا، اور ان کا پاخانہ تک اٹھاتا تھا۔ سلیمان بن علی نے یہ معلوم کر کے میرے پاس ایک تھیلی بھیجی کہ اس کے ذریعہ سے خادمہ خرید لو جو کہ تمہاری ماں کی خدمت کرے، اور خود تم اس محنت کے کام کو چھوڑ دو۔ سو میں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ جب میں بچہ تھا تو میری والدہ اس پر راضی نہ تھیں کہ ان کے سوا کوئی اور میری خدمت کرے۔ (ایک تو اس وجہ سے کہ محبت کا تقاضا تھا، اور دوسرے اس وجہ سے کہ دوسرے پر اطمینان نہیں تھا۔) سو میں بڑا ہو کر اس کو پسند نہیں کر سکتا کہ میرے سوا کوئی ان کی خدمت کرے۔

مورق عجلی اپنی ماں کی جوئیں خود دیکھتے تھے اور دوسرے کو نہ دیکھنے دیتے تھے، (کیونکہ ان کو دوسرے پر اطمینان نہ تھا، بلکہ سمجھتے تھے کہ ممکن ہے کہ دفع الوقتی کر دے۔ دوسرے وہ خدمت کو اپنی سعادت سمجھتے تھے، اور چاہتے تھے کہ جس قدر سعادت مل سکے، اسے چھوڑنا نہ چاہئے۔

حسن بصریؒ "ولا تقل لھما اف" کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ جب ماں باپ بڈھے ہو جاویں، اور جس طرح اس کے بچپن میں وہ دونوں اس کا پاخانہ اٹھاتے تھے اسی طرح اب اس کو ان کا پاخانہ اٹھانا پڑے تو اسے چاہئے کہ وہ اف نہ کرے اور نہ انہیں ڈانٹے، اور جس طرح وہ دونوں اس کے پاخانہ کی بدبو سے ناک پر ہاتھ نہ رکھتے تھے یوں ہی ان کے پاخانہ سے یہ بھی نہ رکھے اور والدین کے ساتھ ادب کی تفصیل ان اخلاق میں مختلف مقامات پر آوے گی، (تم کو متنبہ رہنا چاہئے)۔ اور جاننا چاہئے کہ جو شخص اپنے باپ یا ماں کا نام لے کر پکارے گا تو وہ عاق ہے ہاں یوں کہے ابا، اماں، اور اگر کوئی اپنے ماں باپ کے آگے چلے، وہ عاق ہے۔ ہاں کسی جائز غرض کے لئے آگے ہو لے مثلاً یہ کہ رستے میں کوئی تکلیف دہ چیز پڑی ہو تو اسے ہٹا دے تو اس کا مضائقہ نہیں، جیسا کہ ابن محیریز رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔ پس اے بھائی تو اپنے تمام مسلمان بھائیوں کے ساتھ باادب رہ، بالخصوص فقراء و مساکین کے ساتھ (کیونکہ اہل وجاہت کے ساتھ تو ادب ہر شخص برتتا ہے، یہ ہی بیچارہ ایسے ہیں جن کے ساتھ ادب برتنے کی پرواہ نہیں کی جاتی، اس لئے ان کے ساتھ ادب برتنے کا اہتمام کرنا زیادہ ضروری ہے)۔ والحمدللہ رب العالمین۔

خوف سوء خاتمہ

۲۶- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ خدا سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کا خاتمہ برا نہ کردے اور دوزخ میں جا کر اس سے محجوب ہو جاویں، اور ان میں سے بعض کی تو یہ حالت ہوتی تھی کہ وہ فکر و غم میں اس قدر مستغرق ہوتے تھے کہ ان کو یہ بھی خبر نہ رہتی تھی کہ ان کے پاس کون لوگ بیٹھے ہیں۔

حسن بصریؒ جب یہ حدیث سنتے کہ سب سے پچھلا شخص جو دوزخ سے نکلے گا، وہ ہوگا جو ہزار برس کے بعد نکلے گا، تو فرماتے کہ اے کاش میں ہی وہ شخص ہوں۔ کسی نے ان سے کہا کہ حضرت آپ یہ تمنا کیوں کرتے ہیں؟ تو فرمایا کہ کیا وہ دوزخ سے نہ

نکلے گا (مقصد یہ تھا کہ آخر وہ لوگ ہی ہوں گے جو ابدالآباد کے لئے دوزخ میں رہیں گے، اور یہ شخص بہرحال ان سے بہتر ہوگا، اور مجھ میں یہ ہی احتمال ہے کہ شاید میں بھی ان لوگوں سے ہوں جو ابدالآباد کے لئے دوزخ میں رہیں گے۔ اور میں اس کو پسند نہیں کرتا اس لئے میں تمنا کرتا ہوں کہ میں ابدالآباد رہنے والوں میں نہ ہوں، بلکہ ان میں ہوں جو کسی وقت اس سے نکلیں گے خواہ وہی ہوں جو سب سے پیچھے نکلنے والا ہے، کیوں کہ وہ بلا سے نکل تو جاوے گا، اوروں سے پیچھے ہی سہی)۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے دین پر مطمئن ہو جاتا ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس سے دین چھین لیا جاتا ہے (وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ مکر خداوندی سے بے خوف ہو جاتا ہے، اور خدا اس کو اس بے خوفی کا مزہ چکھاتا ہے)۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے تھے کہ اکثر آدمی کا ایمان مرتے وقت سلب کیا جاتا ہے (کیونکہ شیطان اس وقت ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے، اور اپنے قوت اضلال ختم کر دیتا ہے، اور اس کے مکر سے بہت کم لوگ بچتے ہیں۔ اللّٰھم احفظنا منہ لہٰذا کسی کو مطمئن نہ ہونا چاہئے، اور خدا سے اپنے ایمان کی سلامتی کی دعا کرتے رہنا چاہئے)۔

بشر حافیؒ فرماتے ہیں کہ جب فرشتے مومن کی روح لے کر آسمان پر چڑھتے ہیں، اور اسلام پر انتقال کرتا ہے تو فرشتے تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دنیا کے فریب سے کیسے بچ نکلا، حالانکہ ہمارے بہتر افراد اس میں ہلاک ہو گئے۔ (غالباً ہاروت و ماروت کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم)

ربیع بن خثیمؒ فرماتے ہیں کہ آدمی کی روح اسی حالت پر پرواز کرتی ہے جو اس پر موت سے پہلے غالب ہوتی ہے۔ اس کی تائید میں انہوں نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ میں ایک قریب المرگ شخص کے پاس گیا تو جب میں اسے لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرتا تھا تو وہ روپیوں کا حساب کرتا تھا (کہ اتنے روپے میرے فلاں کے ذمہ ہیں اور ابھی وہاں سے نہیں آئے وغیرہ وغیرہ)۔

مطرف بن عبداللہ فرماتے تھے کہ مجھے ہلاک ہونے والے پر تعجب نہیں ہوتا

کہ وہ کیسے ہلاک ہوگیا، بلکہ مجھے بچ جانے والے پر تعجب ہوتا ہے کہ یہ بچ کیسے گیا، کیونکہ دنیا میں رہ کر ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھنا مشکل نہیں ہے، بلکہ اس کا بچا لینا مشکل ہے۔) لہٰذا خدا کا سب سے بڑا انعام بندہ پر یہ ہے کہ وہ اس کو اسلام پر موت دے۔

زید بن اسلمؒ فرماتے تھے کہ اگر موت میرے قبضہ میں ہوتی تو میں اسلام کو دوست رکھتے ہوئے اپنے نفس کو موت کا مزہ چکھاتا مگر وہ میرے قبضہ میں نہیں ہے (اس لئے مجبوری ہے)۔

ایک مرتبہ سفیان ثوریؒ اس قدر روئے کہ بیہوش ہوگئے۔ اس پر ایک غلام نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ بھائی پہلے تو ہم گناہوں پر روتے تھے اور اب ہم اسلام پر روتے ہیں کہ دیکھئے اسلام بھی بچتا ہے یا نہیں؟ اور فرماتے تھے کہ بسا اوقات آدمی بتوں کی پرستش کرتا ہے مگر اللہ کے علم میں وہ اہل سعادت میں سے ہوتا ہے اور بسا اوقات آدمی حد درجہ مطیع خدا ہوتا ہے۔ مگر خدا کے علم میں وہ اہل شقاوت میں سے ہوتا ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ بعض آدمی جنت کے لئے عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے مگر تقدیر الٰہی غالب ہوتی ہے، اور وہ عمل جنت چھوڑ کر دوزخیوں کے سے کام کرنے لگتا ہے اور دوزخ میں چلا جاتا ہے۔ الی آخر الحدیث۔ یہ وہ بات ہے کہ اس سے عقلیں دنگ ہو جاتی ہیں، (اور کچھ کام نہیں دیتیں، اور کوئی فیصلہ نہیں کر سکتیں کہ فلاں شخص کا انجام کیا ہوگا)، اور حدیث شریف میں ہے کہ مومنوں میں سب سے زیادہ صادق الایمان وہ ہے جو دنیا کے حالات میں سب سے زیادہ غور کرنے (اور ان سے عبرت حاصل کرنے) کا عادی ہو، اور سب سے زیادہ جنت میں وہ شخص خوش ہوگا جو سب سے زیادہ دنیا میں (اپنے اعمال پر اور سوء خاتمہ کے خوف سے روتا ہے۔)

یحیٰی بن معاذ فرماتے تھے کہ تفکر اور عبرت حاصل کرنا، یہ دو چیزیں مومن کے خزانہ قلب سے عجیب حکمتیں نکالتی ہیں، اور آدمی اس سے ایسی ایسی باتیں سنتا ہے جن کو حکماء پسند کرتے ہیں، اور جن کے سامنے علماء کی گردنیں پست ہو جاتی ہیں، اور جس سے

فقہاء تعجب کرتے ہیں، اور جن کو یاد کرنے کے لئے اہل ادب دوڑتے ہیں۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ مومن کا خوف اور اس کا حزن اس کے نور بصیرت کے اندازہ پر ہوتا ہے (بس جس قدر نور بصیرت ہوگا اتنا ہی خوف وحزن ہوگا)۔

محمد بن واسع کا چہرہ شدت غم سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا اس عورت کا جس کا بچہ گم ہوگیا ہو اور وہ اس کے لئے غمگین ہو، اور اس کا اثر یہ تھا کہ جو کوئی ان کو دیکھ لیتا تھا اس کے دل کی سختی دور ہو جاتی اور اسمیں نرمی پیدا ہو جاتی تھی اور وہ فرمایا کرتے کہ صحبت ایسے شخص کی اختیار کرنی چاہئے (اور پیر اس کو بنانا چاہئے) کہ جس کو تم بات چیت سے پہلے صرف صورت دیکھ کر یہ سمجھ لو کہ یہ دین میں ہم سے بڑھا ہوا ہے (اور اس قابل ہے کہ اس کو پیر بنایا جاوے)۔

وہب بن الوردؒ فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنے دل کو دھوؤ۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ پانی تو وہاں تک پہنچتا نہیں، پھر میں اسے کیوں کر دھوؤں۔ حکم ہوا کہ (دل پانی سے نہیں دھلتا ہے بلکہ رنج وغم سے دھلتا ہے لہٰذا) تم کو چاہئے کہ میری طرف سے جو چیز تم سے فوت ہو چکی ہے، یا جس کے فوت ہونے کا آئندہ اندیشہ ہے، اس پر نہایت مہموم ومغموم ومحزون رہو اور اس طرح دل کو دھو دو جلا دو)۔

ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے تھے کہ جس طرح جسمانی بیماریوں کا منبع جسمانی روگ ہیں، یوں ہی دل کی بیماریوں کی جڑ گناہ ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کی دوا پیدا کی ہے (اس لئے اس نے دل کی بیماریوں کی بھی دوا پیدا کی ہے، اور وہ دوا حزن وملال ہے۔) پس جبکہ (اپنے گناہوں کے سبب) نہایت غمگین ہوگا، اور اس کے آنسو اس کے آنکھوں سے دل کی طرف منتقل ہو جاویں گے، (یعنی وہ بجائے آنکھوں سے رونے کے دل سے روئے گا) تو اس کا بدن کھل جاوے گا (اور وہ بالکل تندرست ہو جاوے گا)۔

کسی نے ابراہیمؒ سے عرض کیا کہ آپ کی ریش مبارک سفید ہوگئی ہے، آپ خضاب کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ نے فرمایا کہ میاں خضاب زینت میں شمار ہوتا ہے، اور

ہم لوگ رات دن سوگ میں رہتے ہیں (تو زینت کو سوگ سے کیا نسبت)۔

بشر بن الحارثؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے ہم آپ کو ہمیشہ مغموم دیکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میاں بات یہ ہے کہ میں وہ شخص ہوں جس کو حاکم کی جانب سے سرکاری وغیر سرکاری حقوق کے متعلق طلب کیا گیا ہے (اور ابھی پیشی ہوئی نہیں ہے اس لئے وہ ڈرتا ہے کہ دیکھئے ان بہت سے مقدمات کا کیا نتیجہ ہو، جو مجھ پر قائم ہیں۔ لہٰذا میرا غمگین رہنا ضروری ہے) نیز وہ فرماتے تھے کہ ہر غم دیر سویر ختم ہو جاتا ہے، برخلاف گناہوں کے غم کے کہ یہ ہر سانس کے ساتھ تازہ ہوتا ہے (کیونکہ دوسرے غموں کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ ان کے اسباب یا تو جاتے رہتے ہیں یا پرانے ہو جاتے ہیں، اس لئے غم بھی جاتے رہتے ہیں، برخلاف گناہوں کے غم کے کہ یہ جوں جوں زمانہ گذرتا ہے اسی قدر اس کے سبب کو قوت ہوتی ہے، کیونکہ موت اور پیشی کا زمانہ قریب آتا جاتا ہے، اس لئے اس کا ہر سانس میں بڑھنا ضروری ہے)۔

حاتم اصمؒ حق تعالیٰ کے ارشاد ان ''ان لاتخافوا ولا تحزنوا'' کے متعلق فرماتے تھے کہ عدم خوف وعدم حزن ان لوگوں کے لئے ہوگا جو دنیا میں گناہوں سے بہت خائف اور بہت غمگین رہ چکے ہیں۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے گناہ کیا اور اس پر نادم نہ ہوئے بلکہ اترائے، اس کو یہ حکم نہ ہوگا کہ وہ نہ ڈریں اور نہ غمگین ہوں۔

معاذ بن جبلؓ فرماتے تھے کہ جب تک جہنم کے پل یعنی پل صراط سے نہ گذر جائے اس وقت تک آدمی کے لئے کسی قسم کی خوشی مناسب نہیں۔

علی بن ابی طالبؓ روتے تھے اور فرماتے تھے کہ چرند پرند مچھلیاں مر کر سب چین سے ہو جاویں گی، مگر مجھے مر کر بھی چین نہ ہوگی بلکہ میں اپنے اعمال کے سبب محبوس رہوں گا۔

حاتم بن عبدالجلیلؒ کا قاعدہ تھا کہ جس روز عید ہوتی (سب لوگ تو خوش ہوتے مگر) وہ اپنے متعلقین کو جمع کرتے اور سب کے سب ایک جگہ بیٹھ کر روتے۔ کسی نے پوچھا حضرت کیا بات ہے کہ دنیا عید کو خوش ہوتی ہے مگر آپ روتے ہیں؟ آپ نے

فرمایا کہ بھائی میں بندہ ہوں جسے خدا نے طاعت کا حکم دیا ہے، اور معصیت سے منع فرمایا ہے، اور مجھے معلوم نہیں کہ میں نے اس امر و نہی کا حق ادا کر دیا یا نہیں (پس میں کیسے خوش ہو سکتا ہوں)۔ عید کی خوشی تو ان ہی لوگوں کو زیبا ہے جن کو عذاب کا کھٹکا نہیں رہا ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جب کبھی جبریل میرے پاس آتے ہیں تو ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ غمگین اور خدا کی ہیبت سے کانپ رہے ہوتے ہیں۔

وہب بن منبہ فرماتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام کو خدا نے اس لئے خلیل بنایا ہے کہ وہ خدا سے بہت ڈرتے تھے، اور خوف کے سبب یہ حالت ہوتی تھی کہ لوگ ان کی دل کی حرکت کی آواز ایک میل سے سنتے۔

موسیٰ بن مسعود فرماتے تھے کہ ہم جب سفیان ثوریؒ کے پاس بیٹھتے تو ہم کو ان کی شدت خوف و جزع و فزع کے سبب ایسا معلوم ہوتا جیسے ہم کو چاروں طرف سے آگ گھیرے ہوئے ہو۔

فضیل بن عیاض فرماتے تھے کہ خدا کے ایسے بھی بندے ہیں کہ وہ خدا کی عظمت کو یاد کرتے ہیں تو ان کے دل پاش پاش ہو جاتے ہیں اور پاش پاش ہونے کے بعد پھر جڑ جاتے ہیں۔ غرض جب تک وہ زندہ رہتے ہیں، برابر یہ ہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ نیز وہ فرماتے تھے کہ آدمی کو اللہ تعالیٰ کا خوف اسی قدر ہوتا ہے جتنی کہ اس کو خدا کی معرفت ہوتی ہے۔

ابراہیم بن الحارث اس وجہ سے کہ آسمان قبلہ دعاء ہے (اور اس کی طرف توجہ خدا کی طرف ہے) خدا کے خوف اور شرم سے اس کی طرف آنکھ نہ اٹھاتے تھے۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ بسا اوقات سفیان ثوری و مالک بن دینار و فضیل بن عیاض رحمہم اللہ پر خوف کا غلبہ ہوتا اور منہ اٹھا کر کسی طرف کو چل دیتے، اور ان کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔

عمران حصینؓ (غلبہ خوف میں) فرماتے تھے کہ واللہ میرا یہ جی چاہتا ہے کہ میں راکھ ہو جاؤں اور آندھی روز ہوا میں مجھے اڑا دا لے۔

اسحاق بن خلف فرماتے تھے کہ خوف یہ نہیں کہ آدمی بیٹھا رویا کرے، اور آنسو پونچھتا رہے، بلکہ حقیقی خوف یہ ہے کہ آدمی ان باتوں کو چھوڑ دے جن پر اسے عذاب کا خوف ہو۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ میں بار بار کل نفس ذائقة الموت پڑھ رہا تھا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ تو کب تک اس آیت کو دہراتا رہے گا، تو نے اس کو پڑھ کر چار ہزار جنوں کا خون کر دیا ہے۔ چنانچہ جب انہوں نے اس آیت کو سنا تو غلبہ ہیبت کے سبب آسمان کی طرف آنکھ نہ اٹھا سکے اور وہیں ٹھنڈے ہو لئے۔

فضیل بن عیاض نے عرفہ کے دن عرفات میں وقوف فرمایا، اور زوال غروب تک اپنی ریش مبارک پکڑے ہوئے روتے رہے، اور یہ فرماتے تھے کہ اگرچہ میری برائی (بہ برکت حج معاف ہو چکی مگر مجھے اب بھی اس پر افسوس ہے۔)

حماد بن زیدؒ جب بیٹھتے تو اکڑو بیٹھتے، اور اچھی طرح نہ بیٹھتے۔ کسی نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ بھائی اطمینان کے ساتھ وہ شخص بیٹھ سکتا ہے جو عذاب خداوندی کی طرف سے بے کھٹکے ہو۔ اور میں رات دن میں کسی وقت بھی اس سے بے خوف نہیں ہوں کہ مجھ پر عذاب نازل ہو (پھر میں اچھی طرح کیسے بیٹھ سکتا ہوں)۔

عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے تھے کہ غفلت نہ ہوتی تو تمام مخلوق خدا کے خوف سے مرجاتی (پس تم اس سے خدا کے خوف کا اندازہ کرلو کہ کیا چیز ہے، اس لئے تمہیں اس کا احساس ہونا چاہئے)۔

مالک بن دینار (کہ خوف کی یہ حالت تھی کہ وہ) فرماتے تھے کہ میں نے ارادہ کر رکھا ہے کہ میں اپنے گھر والوں کو وصیت کر دوں کہ جب میرا انتقال ہو جاوے تو مجھے طوق اور بیڑیاں پہنا کر قبر میں رکھیں جیسا کہ اس قصوروار غلام کے ساتھ کیا جاتا ہے جو اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہو، اور تم لوگ یہ تو بتلاؤ کہ تم مستحق دوزخ وہلاکت ہو کر کس

منہ سے اپنے نفس کو جنت میں جانے ،اور حوروں اور بہشتی محلوں سے تمتع کی امید دلاتے ہو۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ واللہ نہ مجھے کسی نبی مرسل پر رشک ہوتا ہے، اور نہ کسی مقرب فرشتے پر، کیونکہ یہ سب قیامت کے ہولناک واقعات کا مشاہدہ کریں گے، (اوران سے اپنی اپنی حیثیت کے متاثر بھی ہوں گے) بلکہ مجھے توان پر رشک آتا ہے جو ہنوز پیدانہیں ہوئے، (کیونکہ یہ لوگ احوال قیامت سے بالکل بے تعلق ہیں۔ پس میں چاہتا ہوں کہ میں بھی ان کی طرح پیدا نہ ہوتا، اور مجھے بھی ان کی طرح احوال قیامت سے دو چار نہ ہونا پڑتا ہے)۔

سفیان بن عیینہؒ کا یہ قول پیشتر مذکور ہو چکا ہے کہ آدمی کو ایسا ہونا چاہئے کہ خدا کے یہاں تو وہ نہایت معزز لوگوں میں ہو اور اپنے نزدیک سب سے بدتر ہو اور مخلوق کے نزدیک اوسط درجہ کا ہو۔ (حاصل یہ ہے کہ آدمی کو اپنا طرز عمل یہ رکھنا چاہئے کہ خدا کی اصلا نافرمانی نہ کرے تاکہ خدا کے نزدیک اس کا مرتبہ بلند ہو، اور با ایں ہمہ اپنے کو بدترین مخلوق سمجھے، اور مخلوق خدا کے ساتھ نہ ایسا برتاؤ کرے جس سے وہ اسے برا کہیں، اور نہ اس کی کوشش کرے کہ وہ اسے اچھا کہیں۔ واللہ اعلم۔

فرقد سنجی فرماتے تھے کہ بیت المقدس میں پانسو کنواری لڑکیاں گئیں۔ وہاں کسی عالم اہل کتاب نے ان سے آخرت کے واقعات بیان کئے تو وہ سب کی سب ایک ہی وقت جاں بحق ہو گئیں، وہ لڑکیاں تارک الدنیا تھیں۔ چنانچہ ان کا لباس ٹاٹ کا تھا جو کہ اس وقت زہاد کا لباس تھا۔

عطاء سلمیؒ یوں فرماتے تھے کہ اے اللہ میں آپ سے عفو اور درگذر کی درخواست کرتا ہوں، اور یہ کہنے کی ان کو ہمت نہ ہوتی تھی کہ اے اللہ مجھے جنت میں داخل کر دے (کیونکہ ان کو شرم آتی تھی کہ میں ایسے افعال پر ایسی درخواست کروں۔ اور یہ ان کا کمال تواضع تھا)۔

فرقد سنجی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم عطاء سلمی کے پاس گئے تو ہم نے دیکھا کہ

دھوپ میں زمین پر رخسارہ رکھے ہوئے پڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر جو ہم نے اور غور کیا تو دیکھا ان کے رخساروں پر آنسو بہنے کی لکیریں بنی ہوئی ہیں، اور ابھی رو کر تھمے ہیں۔ نیز ہم نے دیکھا کہ ان کے رخسار کے نیچے کی زمین آنسوؤں سے گارا اور کیچڑ ہو گیا ہے، اور وہ یہ کرتے تھے آنسوں کو ہاتھ سے پونچھ کر ادھر ادھر جھٹک دیتے تھے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ انہوں نے وضو کیا ہے، اور یہ وضو کا گارا ہے نہ کہ آنسوؤں کا۔ اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے چالیس برس سے آسمان کی طرف نہ دیکھا تھا۔ ایک روز بھولے سے اس کی طرف نظر اٹھ گئی اور پیٹ کے بل گر پڑے، جس سے ان کے پیٹ کے اندر کوئی چیز پھٹ گئی اور اس کے سبب سے وہ بیمار ہو گئے اور اسی مرض میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کا قاعدہ تھا کہ جب ان کے اہل شہر پر کوئی مصیبت آتی تو فرماتے کہ یہ میرے گناہوں کا وبال ہے۔ اگر میں یہاں سے نکل گیا ہوتا تو ان بیچاروں پر یہ مصیبت نہ نازل ہوتی، اور رات کو اکثر اپنے بدن پر ہاتھ پھیرتے رہتے تھے کہ مبادا میں اپنے گناہوں کی سزا میں مسخ کر دیا گیا ہوں۔ اور فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم عتبۃ العلام کے ساتھ جارہے تھے۔ راستہ میں ایک مقام آیا، عتبۃ العلام اس کو دیکھ کر بیہوش ہو کر گر پڑے، جب ان کو ہوش آیا تو فرمایا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں میں نے بالغ ہونے سے پہلے خدا کی نافرمانی کی تھی۔ اور یہ حالت ان کی اس وقت ہوئی تھی جبکہ وہ اور ان کے مرید چالیس برس تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھ چکے تھے، اور ان کے بدن دبلے ہو گئے تھے، اور رنگتیں بدل گئی تھیں، اور ایسے ہو گئے تھے جیسے تربوز کے چھلکے (اس سے ان حضرات کے خوف کا اندازہ کر لو کہ کس قدر تھا۔ اور بعض سلف کی یہ حالت تھی کہ وہ روتے روتے بیہوش ہو جاتے تھے، اور بعض یوں روتے رہتے تھے جیسے کسی مردہ کو روتے ہیں، یہاں تک کہ اس حالت میں ان کا انتقال ہو جاتا تھا۔ اس موضوع پر اور کلام آئے گا، تم کو منتظر رہنا چاہئے۔ **والحمدللہ رب العلمین**.

تہجد پر دوام

۲۷- **اللہ والوں کے اخلاق میں** سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ گرمی ہو یا جاڑا ہر

حال میں قیام لیل پر مداومت کرتے ہیں اور بمنزلہ فرض کے اس کو اپنے اوپر مؤکد سمجھتے ہیں، اور اس میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ جو فقیر بلا غلبہ نیند کے رات کو سوتا ہے، اس سے طریق میں کچھ ہونے والا نہیں ہے۔ (مگر یہ تشدد صرف التزام عمل کے لئے ہے۔ اعتقاد پر اس کا کچھ اثر نہیں) مگر آج کل اس خلق کو بہت سے صوفیوں نے چھوڑ کر رکھا ہے، اور وہ عوام واہل دنیا کی طرح بے تکلف رات کو بستروں پر سوتے ہیں (اور قیام لیل کا خیال تک بھی نہیں آتا) اور بعض کے تنعم کی تو یہ کیفیت ہے کہ محض بلا ضرورت اور صرف تنعم کے طور پر (امراء کی طرح) ہر صبح حمام میں جاتے ہیں اور طلوع شمس تک وہاں سے نہیں نکلتے شیخ ہوکر ہر روز صبح کے وقت حمام میں جاوے، اور عوام و مریدین اس کی یہ حالت دیکھیں نہایت بری بات ہے، اور وہ نہایت برا شیخ ہے۔ (کیونکہ اس سے وہ خود ہی خراب نہیں ہوتا بلکہ عوام و مریدین کو بھی اپنے ساتھ خراب کرتا ہے) میدان شب کے وہ شہسوار جن کو میں نے پایا ہے، ان میں سے آخری شخص ایک شیخ محمد بن عنان ہیں، جن کا معمول ہر شب پانسو رکعت کا تھا۔

شیخ صالح صاحب احوال و کرامات شیخ فرج جو ناحیہ شان شلموں واقعہ شرقیہ کے رہنے والے ہیں، سیدی محمد بن عنان مذکور کے پاس آتے تھے اور فرماتے اھلا براعی الصھیب، اور راعی صہیب ان کو اس لئے کہتے تھے کہ وہ قیام لیل پر مداومت فرماتے تھے، اور ان کا معمول تھا کہ تہجد کی نماز جاڑوں میں کوٹھی پر پڑھتے تھے، اور حدیث شریف میں ہے کہ تم قیام لیل کا التزام کرو، کیونکہ اس میں بہت سے فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ تم سے پہلے کے نیک لوگوں کی سنت ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ تقرب خداوندی کا ذریعہ ہے۔ تیسرے اس سے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ چوتھے یہ کہ وہ گناہوں سے روکتا ہے۔ پانچویں یہ کہ وہ جسم سے بیماری کو دفع کرتا ہے۔

سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی والدہ نے ان سے فرمایا کہ بیٹا رات کو نہ سویا کرو، کیونکہ جو رات کو سوئے گا قیامت میں نیکیوں سے خالی ہاتھ آئے گا۔ اور حق تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام سے بذریعہ وحی کے فرمایا کہ اے داؤد جو شخص میری محبت کا دعویٰ

کرے، اور جب رات ہو تو مجھ سے غافل ہو کر سوئے، وہ جھوٹا ہے (کیونکہ عاشق ایسے وقت کے منتظر ہوتے ہیں جس میں بفراغ خاطر محبوب کے ساتھ عرض و معروض کی جاسکے، اور یہ ایسے وقت کو قصداً کھوتا ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ جھوٹا ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے ذریعہ سے ملائکہ پر فخر کرتے ہیں جبکہ وہ سردی کی رات میں تہجد پڑھتا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ میرے بندہ کو دیکھو کہ میری خاطر اس نے دنیا کو اور اپنی خوبصورت بیوی کو چھوڑ دیا، اور لحاف میں سے نکل کر مجھ سے میرے کلام (قرآن شریف) کے ذریعہ باتیں کرتا ہے۔ میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اسے بخش دیا۔ اس حدیث کو نافع نے بیان کیا ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ کا قاعدہ تھا کہ وہ رات کو اٹھتے، اور فرماتے نافع کیا صبح ہوگئی؟ وہ فرماتے کہ نہیں۔ اس پر آپ نماز پڑھنے کھڑے ہوجاتے، اور جب نماز سے فارغ ہوجاتے تو پوچھتے نافع کیا صبح ہوگئی؟ وہ کہتے کہ جی ہاں۔ تب بیٹھ کر استغفار کرتے رہتے، یہاں تک کہ فجر ہوجاتی (اور نماز کا وقت آجاتا۔ اس وقت آپ نماز پڑھتے)۔

امام زین العابدینؒ فرماتے تھے کہ ایک روز اتفاقاً یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کی آنکھ لگ گئی اور معمول شب قضاء ہوگیا، اور وجہ اس کی یہ ہوئی تھی کہ جو کی روٹی پیٹ بھر کر کھالی تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان سے بذریعہ وحی کے فرمایا کہ اے یحییٰ اگر تم جنت الفردوس کو ایک مرتبہ بھی جھانک کر دیکھ لیتے تو اس کے عشق میں تمہارا جسم گھل جاتا، اور آنسو بہا چکنے کے بعد تمہاری آنکھوں سے کچھ لہو بہتا۔ اور ٹاٹ چھوڑ کر تم لوہا پہنتے۔ (غرض کہ اس کی تحصیل کے لئے تم ہر قسم کی سختیاں جھیلتے، مگر چونکہ تم نے دیکھا نہیں، اس لئے غافل ہو کر سو گئے)۔ عمر بن الخطابؓ کا قاعدہ تھا کہ جب ان کے معمول شب میں قرآن پڑھتے ہوئے کوئی وعید وغیرہ کی آیت آجاتی تو بیہوش ہو کر گر جاتے، اور کئی دن تک ان کی یوں عیادت کی جاتی جیسے بیمار کی کرتے ہیں۔ نیز وہ اپنے زمانہ خلافت میں نہ رات کو سوتے تھے نہ دن کو، بلکہ کبھی ... بیٹھے بیٹھے اونگھ جاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ اگر میں رات کو سوتا ہوں تو اپنے کو کھوتا ہوں (کیونکہ قیام لیل ترک ہوتا ہے) اور

اگر دن کو سوتا ہوں تو رعیت کو کھوتا ہوں ، اور مجھ سے ان کی نسبت بھی باز پرس ہوگی ۔ (اس لئے میں نہ دن کو سوسکتا ہوں ، اور نہ رات کو)۔

عبداللہؓ بن مسعود کا قاعدہ تھا کہ جب سب لوگ سو رہتے تو آپ تہجد کے لئے اٹھتے ، اور صبح تک آپ کے اندر سے ایسی آواز سنائی دیتی رہتی جیسے مکھیوں کی بھنبھناہٹ (یعنی بہت آہستہ آواز سے قرآن پڑھتے ، تاکہ سونے والے کو تکلیف نہ ہو)۔

سفیان ثوریؒ جب اتفاق سے اپنے نفس کی طرف سے غافل ہو جاتے اور زیادہ کھالیتے تو ساری رات نماز پڑھتے ، اور فرماتے کہ جب گدھے کو چارہ زیادہ دیا جاتا ہے تو اس سے محنت کے کام لے کر اس کو تھکایا بھی زیادہ جاتا ہے ۔

طاؤس رحمہ اللہ عشاء کے وقت سے اپنا بستر خواب بچھاتے ، اور صبح تک ان کی آنکھ نہ لگتی ، اور (بے چینی کے سبب) برابر کروٹیں بدلتے اور روتے رہتے ۔ اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ عشاء سے صبح تک آنکھیں کھولے اور بے خبر کھڑے رہتے ۔ اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ صبح تک گردن جھکائے اور گریبانِ تفکر میں منہ ڈالے خاموش بیٹھے رہتے ، اور فرماتے تھے کہ دوزخ کے خوف نے اہل عبادت کی نیند اڑادی ۔

سلف صالحین کی یہ حالت تھی کہ جو شخص تہجد کی نماز نہ پڑھتا اس کو صورت دیکھ کر پہچان لیتے ، اور فرماتے کہ میاں رات ہم نے تمہیں خدائے تعالیٰ کے دربار میں نہیں دیکھا مگر فلاں فلاں موجود تھے اور ان کو انعام دیتے ، وہ حضرات آپس میں ایک دوسرے پر اس بناء پر نکتہ چینی کرتے تھے کہ وہ ایسے بستر پر سوئے جو اس کے لئے بچھایا گیا ہو (کیونکہ اس میں تنعم اور ریاست کی شان ہے ، اور یہ بات اخلاق صوفیہ سے بعید ہے)۔

بعض حضرات کا واقعہ ہے کہ جب وہ سفر سے آئے تو ایک بستر پر بیٹھ گئے ، تکان کی وجہ سے کمر سیدھی کرنے لیٹے تو نیند آ گئی ، اس نیند کے سبب ان کا معمول شب قضاء ہو گیا ۔ اس پر انہوں نے یہ کہا کہ بستر پر لیٹنے سے عمر بھر کے لئے میں نے قسم کھالی ہے ۔

عبدالعزیز ابی داؤد کے لئے بستر بچھایا جاتا ، تو وہ اس پر ہاتھ رکھتے ، اور

فرماتے کہ اے بستر تو نہایت نرم ہے، مگر میاں جنت کے بستر تجھ سے زیادہ نرم ہیں (میں تجھ پر سو کر ان کو نہیں کھونا چاہتا) یہ کہہ کر نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے، اور صبح تک نماز پڑھتے رہتے۔

فضیلؒ بن عیاض فرماتے کہ میں ساری رات نماز پڑھتا ہوں، اور جب صبح ہوتی ہے تو میرا دل کانپ جاتا ہے، اور کہتا ہوں کہ اپنے آفتاب کو لے کر دل آ کھڑا ہوا اور عیش و راحت کا زمانہ ختم ہوا۔ اب خدا خیر کرے۔)

بشرؒ حافی امام ابوحنیفہؒ یزیدؒ رقاشی، مالکؒ بن دینار، سفیانؒ ثوری، ابراہیمؒ بن ادہم، جب تک وہ زندہ رہے، ہمیشہ تمام رات نماز پڑھتے رہے۔

لوگوں نے ایک مرتبہ بشرؒ حافی سے کہا کہ رات کو تھوڑی دیر تو آرام فرمالیا کریں۔ انہوں نے فرمایا کہ صاحبو جناب رسول اللہ ﷺ اس قدر قیام لیل فرماتے تھے کہ آپ کے پائے مبارک ورم کر جاتے تھے اور ان میں سے خون ٹپکنے لگتا تھا، حالانکہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کئے جا چکے تھے، تو پھر میں کیسے سو سکتا ہوں، جبکہ مجھے یہ بھی علم نہیں ہے کہ میرا ایک گناہ بھی معاف ہوا ہے۔ (یا نہیں)

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ جس کسی کا قیام شب قضاء ہوتا ہے، وہ ضرور کسی ایسے گناہ کی سزا میں قضاء ہوتا ہے جس کا اس نے ارتکاب کیا ہے، پس تم ہر شب غروب آفتاب کے وقت اپنے نفسوں کی پڑتال کرو، اور دیکھو کہ آج تم نے کس قدر گناہ کئے ہیں، اور جس قدر گناہ کئے ہوں سب سے توبہ استغفار کرو، تاکہ تمہیں قیام لیل نصیب ہو اور فرماتے تھے کہ قیام شب اسی پر گراں ہوتا ہے جس پر گناہوں کا بوجھ ہوتا ہے (کیونکہ جس طرح حسی بوجھ سے جسم پر اثر ہوتا ہے، یوں ہی ثقل معنوی سے روح پر اثر ہوتا ہے)۔

ابوالاحوصؒ فرماتے تھے کہ ہم نے پہلے علماء و عباد کو اس حالت میں پایا ہے کہ وہ رات بھر نہ سوتے تھے، اور میں رات کے وقت جس گھر یا مسجد کا چکر لگاتا تھا، اس میں شہد کی مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ سنتا تھا، مگر نہیں معلوم ہمارے زمانہ کے لوگوں کو کیا ہوا کہ جس

چیز سے وہ لوگ ڈرتے تھے اور اس سے ڈر کر اس قدر تکلیف برداشت کرتے تھے، اس سے یہ لوگ بے خطر کیوں کر ہو گئے۔

صلہؒ بن اشیم عشاء سے صبح تک قدم جمائے نماز میں کھڑے رہتے، اور جب نماز سے فارغ ہوتے تو (بجائے لمبی چوڑی درخواستوں کے) یہ فرماتے کہ اے اللہ میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ جنت کی درخواست کروں۔ ہاں آپ مجھے دوزخ سے پناہ دیجئے (اور یہ درخواست بھی اس بناء پر نہیں ہے کہ میں اس کا مستحق ہوں، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ مجھ میں اس کے تحمل کی قوت نہیں)۔

ایک شخص نے حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سے عرض کیا کہ میں قیام لیل نہیں کر سکتا، آپ مجھے کوئی دوا بتلا دیجئے (جس سے میں قیام لیل کر سکوں۔ آپ نے فرمایا کہ میاں دن میں گناہ چھوڑ دو، جب تم دن میں گناہ نہیں کرو گے تو حق سبحانہ رات کو تمہیں اپنے سامنے کھڑا کر لیں گے، اور راز اس میں یہ ہے کہ رات میں حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا، بہت بڑی عزت ہے، اور نافرمان اس شرف کا مستحق نہیں ہو سکتا (پس تم نافرمانی ترک کر دو)۔

عتبۃؒ الغلام رات کے وقت وضو کرنے کے بعد اور نماز کے لئے کھڑے ہونے سے پہلے فرماتے تھے، اے اللہ میں نے اپنے نفس پر معاصی و قبائح کا ناقابل برداشت بوجھ لاد دیا ہے، حتیٰ کہ میں زمین میں دھنسا دئے جانے، اور مسخ کر دئے جانے کے قابل ہو گیا ہوں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے ہر اس شخص کے .... پیچھے کھڑا ہوں جو روئے زمین پر کہیں بھی آپ سے عرض معروض کر رہا ہو، صرف اس توقع پر کہ آپ ان میں سے ضرور کسی کی مغفرت فرمائیں گے، اور اس طرح اس کا کچھ حصہ مجھے بھی نصیب ہو جاوے گا۔

حسنؒ بن صالح کا قاعدہ تھا کہ وہ اور ان کی لونڈی رات کو قیام لیل کرتے تھے۔ اتفاقاً کسی ضرورت سے انہوں نے اس لونڈی کو بیچ دیا۔ بس جب وہ مشتری کے یہاں گئی تو اس نے حسب معمول عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد نماز شب شروع

کر دی، اور صبح تک پڑھتی رہی۔ پس جب رات کا کچھ حصہ گذرتا تھا تو وہ کہتی تھی ارے گھر والو! اٹھو نماز پڑھو۔ اور اس کا یہ جواب دیتے تھے کہ ہم تو صبح کو اٹھیں گے۔ جب اس نے یہ حالت دیکھی تو وہ حسنؒ بن صالح کے پاس آئی اور شکایت کی کہ آپ نے مجھے ایسے لوگوں کے ہاتھ بیچا جو تمام رات سوتے ہیں، اور مجھے اندیشہ ہے کہ ان کے آرام کو دیکھ کر کبھی میری ہمت نہ پست ہو جاوے۔ یہ حالت معلوم کر کے حسن کو اس پر رحم آیا اور اداء حق صحبت کا خیال ہوا، اور اسے واپس لے لیا۔

رابعہ عدویہؒ کا قاعدہ تھا کہ جب رات ہوتی تو آپ وضو کرتیں، اور بدن میں خوشبو لگاتیں اور اپنے شوہر سے کہتیں کہ آپ کو میری ضرورت ہے؟ اگر وہ کہہ دیتے کہ نہیں، تو پھر صبح تک نماز میں کھڑی رہتیں اور اول شب میں فرماتیں کہ اے اللہ لوگ سو گئے، اور ستارے چھپ گئے، اور شاہان دنیا نے اپنے دروازے بند کر لئے مگر ایک آپ کا دروازہ ہے کہ بند نہیں ہوتا۔ پس آپ مجھے معاف کر دیجئے، پھر نماز کے لئے قدم برابر کرتیں۔ اور فرماتیں کہ آپ کی عزت و جلال کی قسم جب تک میں زندہ رہوں گی، ہر شب صبح تک آپ کے سامنے یوں ہی کھڑی رہوں گی۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ کھانا کم کھانے کا التزام کرو۔ تم کو قیام لیل پر قابو حاصل ہو جاوے گا۔

ثابتؒ بنانی تمام رات نماز پڑھتے اور اپنے گھر والوں سے فرماتے کہ اٹھو اور نماز پڑھو، کیونکہ قیام لیل کی تکلیف قیامت کے خوفناک واقعات کے جھیلنے سے آسان ہے۔

ابو الجویریہؒ فرماتے تھے کہ میں چھ مہینہ تک امام ابو حنیفہؒ کے اس طرح ساتھ رہا کہ ایک دن کو بھی جدا نہیں ہوا، مگر میں نے اس عرصہ میں نہیں دیکھا کہ کسی رات انہوں نے زمین سے پیٹھ لگائی ہو، اور دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ رات کے لئے امام صاحب کے پاس کوئی بستر انہ تھا (کیونکہ وہ رات کو سوتے ہی نہ تھے تا کہ بستر ے کی ضرورت ہوتی)۔

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے نہ امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ عبادت کرنے والا دیکھا، اور نہ ان سے زیادہ دنیا سے بے رغبت دیکھا............اور نہ ان سے زیادہ پرہیزگار دیکھا۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ حق سبحانہ رات کے وقت تجلی فرماتے ہیں، تو فرماتے ہیں کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو دن کو میری محبت کے دعوے کیا کرتے ہیں؟ کیا عشاق کا یہ قاعدہ نہیں ہے کہ وہ اپنے محبوب کے ساتھ خلوت چاہتے ہیں اور ضرور ہے) تو اب میں اپنے عشاق کی طرف متوجہ ہوں۔ وہ حاضر ہو کر مجھ سے گفتگو کریں، اور مشاہدہ کے طور پر مجھ سے خطاب کریں، اور کل کو میں اپنے دیدار سے جنت میں اُن کی آنکھیں ٹھنڈی کردوں گا۔

مغیرہؒ بن حبیب فرماتے تھے کہ میں نے بوقت شب مالکؒ بن دینار کو بچشم خود دیکھا کہ وہ عشاء کے وقت ڈاڑھی پکڑ کر خدا کے سامنے کھڑے ہوتے اور روتے اور کہتے کہ اے اللہ مالک کے بڑھاپے پر رحم فرما۔ اور اسی طرح صبح کردیتے۔ نیز انہوں نے بیان کیا کہ میں نے عبدالواحد بن زید کو ایک مہینے تک دیکھا کہ وہ رات کو اصلا نہ سوتے تھے، اور رات کو تھوڑی دیر میں فرماتے تھے کہ اے گھر والو! جاگ جاؤ، کیونکہ دنیا سونے کا گھر نہیں۔ یاد رکھو کہ عنقریب تمہیں کیڑے کھائیں گے۔

صہیبؒ عابد بصرہ میں ایک عورت کے غلام تھے، اور ساری رات نماز میں کھڑے رہتے تھے۔ اس پر ان کے آقا نے ایک روز کہا کہ رات کو اتنی دیر کھڑے رہنا دن میں تمہاری خدمت میں خلل ڈالے گا (پس تم رات کو اتنے نہ جاگا کرو، تاکہ دن میں کام کرسکو)۔ یہ سن کر انہوں نے فرمایا کہ میں کیا کروں، جب مجھے دوزخ یاد آجاتی ہے تو میری نیند اڑ جاتی ہے۔

ازہرؒ بن مغیث فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے ایک نہایت خوبصورت حور کو خواب میں دیکھا اور پوچھا تو کس لئے ہے؟ اس نے کہا کہ اس شخص کے لئے جو جاڑوں کی راتوں میں قیام لیل کرے۔

علاءؒ بن زیاد نماز میں تمام شب کھڑے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی بیوی نے کہا کہ کچھ دیر آرام بھی کرلیا کرو۔ اس پر انہوں نے اس کا کہنا مان لیا، تو ان کے خواب میں ایک شخص آیا اور ان کے موئے پیشانی پکڑ کر کہا: کہ اٹھو نماز پڑھو اور اپنے پروردگار کی عبادت کا حصہ ضائع نہ کرو۔ سو وہ اٹھے اور اٹھ کر ان بالوں کو کھڑا ہوا پایا اور وہ ان کے انتقال تک کھڑے ہی رہے۔

ابراہیم بن ادہم ایک شب بیت المقدس میں سوئے تو انہوں نے حجرہ کی جانب سے ایک آواز سنی کہ کوئی کہتا ہے کہ قیام شب آگ کے شعلہ کو ٹھنڈا کرتا ہے، اور پاؤں کو پل صراط پر جماتا ہے۔ پس تم قیام شب میں سستی نہ کیا کرو۔ اس واقعہ کے بعد انہوں نے مرتے دم تک اس کو ترک نہیں کیا۔ پس اس کو خوب سمجھ لو اور اس پر عمل کرو۔

والحمد لله رب العلمين. تم الباب الاول.

☆☆☆

دوسرا باب

کچھ اور اخلاق کے بیان میں

کسرِ نفس اور تواضع

۲۸- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ نہایت کسر نفسی کرتے ہیں، یہاں تک کہ ان میں کے بعض حضرات اپنے شاگردوں سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ حالانکہ (ان کی دنیاوی عزت کی یہ حالت ہوتی ہے) کہ ان کو دوسرے لوگ (پالکی وغیرہ میں) اٹھاتے ہیں (مگر وہ اس عزت کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور نہ ان کی اس پر نظر ہوتی ہے کہ وہ اپنے شاگرد سے زیادہ عالم ہیں، یا عمل میں اس سے بڑھے ہوئے ہیں۔ مگر یہ تمام باتیں حد شرعی کے اندر ہوتی ہیں۔ اور اس وقت ہوتی ہیں جب کہ اس شاگرد کے فتنہ (عجب و کبر میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ چنانچہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ جب امام شافعیؒ نے امام احمدؒ کے پاس اپنا قاصد سے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ آپ عنقریب ایک سخت مصیبت میں مبتلا ہونے والے ہیں، مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ آپ اس سے سلامتی دین کے ساتھ نجات پا جائیں گے۔ ان کا مقصد اس سے اس مسئلہ کی طرف اشارہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق، تو جب قاصد نے یہ پیغام پہنچایا ہے تو انہوں نے اس کے آنے کی خوشی میں اپنا پیراہن مبارک اتار کر اس کے حوالہ کر دیا۔ اب جب کہ قاصد کرتہ لے کر امام شافعیؒ کے پاس پہنچا اور ان کو اس واقعہ کی اطلاع کی تو امام نے اس سے دریافت کیا کہ امام احمدؒ اس کرتے کے نیچے تو کچھ نہیں پہن رہے تھے؟ اس نے عرض کیا کہ نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر امام نے اس کو بوسہ دیا، اور اپنی آنکھوں سے لگایا اور ایک برتن سے اس پر پانی ڈال کر اس کو خوب ملا اور اس کے بعد اسے نچوڑا، اور اس دھوون کو ایک شیشیہ میں بند کر کے اپنے پاس رکھا۔ اس کے بعد ان کا یہ معمول تھا کہ جب ان کا کوئی متعلق بیمار ہوتا، تو وہ پانی اس کے پاس

بھیجتے اور وہ اس کو اپنے بدن میں ملتا اور فوراً شفایاب ہوتا۔ اب تم غور کرو کہ باوجودیکہ امام احمدؒ امام شافعیؒ کے شاگردوں میں سے تھے مگر با ایں ہمہ امام کا اس کے ساتھ کس قدر متواضعانہ برتاؤ تھا۔ اور اس سے تمہیں معلوم ہوگیا ہوگا کہ یہ حضرات باوجود اپنے اعمال صالحہ کی کثرت کے اپنے کو کسی مسلمان سے بالاتر نہیں سمجھتے تھے، برخلاف آج کل کے بنے ہوئے مشائخ کے (کہ وہاں اعمال صالحہ کا تو نام بھی نہیں، اور کبر وعجب کی یہ حالت ہے) کہ کسی کو اپنے برابر بھی نہیں سمجھتے اپنے سے اعلیٰ تو درکنار (یہ تو پہلے زمانہ کا قصہ ہے)، اور جن مشائخ کو ہم نے دیکھا ہے، ان میں سے وہ آخری بزرگوار جو اپنے شاگرد کے معتقد اور اس سے برکت حاصل کرتے، اور اس کے پاس آشوب چشم والے اور دوسرے قسم کے بیمار کو جھاڑنے کے لئے بھیجتے تھے وہ شیخ محمد بن عنان اور شیخ محمدؒ سروی تھے۔ شیخ محمدؒ بن عنان اس شخص کو جو اپنے بیمار کے لئے دعا کرانا چاہتا، شیخ یوسف حریتی کے پاس بھیجتے تھے، اور شیخ محمدؒ سروی اس کو شیخ علیؒ حدیدی کے پاس بھیجتے تھے، حالانکہ شیخ یوسف اور شیخ علی مذکورین ان حضرات کے شاگردوں میں تھے۔ پس خدا ہم سب سے راضی ہو۔ اس مضمون کو خوب سمجھ لو (اور اس پر عمل کرو)۔ **الحمدللہ رب العلمین۔**

استحضار جلال خداوندی

۲۹ - اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان حضرات کو اس بات پر نہایت غیرت آتی ہے کہ کوئی شخص غفلت کی حالت میں (اور کسی دنیاوی غرض سے) خدا کا نام لے، مثلاً قاعدہ ہے کہ جب ماں رات کے وقت بچہ کی وجہ سے جاگ رہی ہو تو وہ اس کے سلانے کے لئے ذکر اللہ کرتی ہے (چنانچہ ہمارے یہاں کا قاعدہ ہے کہ عورتیں ایسے موقعہ پر اللہ اللہ یا اللہ جی اللہ کہتی ہیں۔ مترجم) تو یہ بات ان کو پسند نہیں، کیونکہ ذکر خدا کی شان اس سے ارفع ہے کہ ایسی غرض کے لئے کیا جاوے۔ ایک روز ایک بزرگ نے کسی مریض سے کہا کہ میاں تم (حصول شفاء کے لئے) یا لطیف پڑھا کرو۔ اور اس وقت ان کو اپنے خدا کے سامنے ہونے سے ذہول تھا تو حق سبحانہ نے

اس بات پر خواب میں ان پر عتاب فرمایا، اور فرمایا کہ تم نے میرے ذکر کو لہو ولعب بنالیا۔ پس اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے اور اس پر عمل کرنا چاہئے۔ والحمدللہ رب العلمین.

نرم خوئی

۳۰- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ حضرات نہایت ہی نرم خو ہوتے ہیں کہ ایک بچے کے ساتھ یوں چلے جاتے ہیں جیسے اونٹ بے چون و چرا شتربان کے پیچھے چلتا ہے۔ جس حدیث میں صفوں کو برابر کرنے کا حکم ہے، اس میں اس نرمی کا ذکر ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: لینوا فی یدا خوانکم یعنی اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہوجاؤ (اور جس طرح وہ تمہیں کھڑا کریں۔ اس طرح کھڑے ہوجاؤ اور مزاحمت نہ کرو)۔ نیز قرآن میں بھی اس کی فضیلت آئی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے ﴿ولو کنت فظا غلیظ القلب لا نفضوا من حولک﴾ یعنی اگر آپ تندخو، اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے پراگندہ ہوجاتے۔ جب تم کو نرمی کی خوبی اور اس کا نافع ہونا معلوم ہوگیا، تو اب سمجھو کہ فقراء کی نرمی میں یہ بھی داخل ہے کہ جب ان میں کا کوئی شخص ایسی جماعت کے پاس جاوے جو خدا کا یوں ذکر کر رہے ہوں جیسے عجمی لوگ یا مغربی حضرات۔ یا شاذیہ یا مطاوعہ یا رفاعیہ وغیرہم کرتے ہیں تو حد شرعی کے اندر نیت ؛ کر میں ان کی موافقت کر کے ان کے ساتھ مشغول ذکر ہو۔ اور اسی طرح نفس ذکر میں بھی ان کی موافقت کرے جوان کو مشائخ نے سلسلہ میں داخل کرتے وقت تعلیم کیا ہے مثلاً نفی واثبات یا اور کوئی، اور یہ نہ کہے کہ یہ وہ طریقہ نہیں ہے جس کی ہمارے شیخ نے تعلیم کی ہے، جیسا کہ بہت سے لوگ اس بلا میں مبتلا ہیں۔ اور اس سے ان کو دو قسم کے نقصانات ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ ثواب سے محروم رہتے ہیں۔ دوسرے بدخلقی اور سخت مزاجی کے بلا میں مبتلا ہوتے ہیں، (کیونکہ یہ موافقت عارضی تلقین شیخ کے منافی نہیں ہے، اس لئے کہ تلقین شیخ کا مقصد یہ ہے کہ تم کو بالاستقلال اس پر عامل ہونا چاہئے۔ اور اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ کسی عارض کے سبب سے بھی اس

کے خلاف نہ کرنا چاہئے)۔ پس اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے اور اس پر عمل کرنا چاہئے۔ الحمدللہ رب العلمین.

کم کھانا

۱۳۱- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ شرعی طریق سے بھوکے رہتے ہیں (مثلاً وہ روزہ رکھتے ہیں یا کھانا کم کھاتے ہیں وغیرہ) اور اگر ان کو حلال غذا میسر نہیں آتی تب بھی وہ کئی کئی دن بلا کھائے کاٹ دیتے ہیں۔ اور فائدہ اس میں یہ ہے کہ انہوں نے خلو معدہ کو تجربہ سے سراپا نور اور سراسر بہتر پایا ہے حتیٰ کہ انہوں نے اس مثل میں جو ڈھول کے بارے میں مشہور ہے، کہا ہے کہ اس کی آواز زوردار اور بلند اسی لئے ہوتی ہے کہ وہ اندر سے خالی ہوتا ہے (اور اس سے انہوں نے خلو معدہ کی خوبی پر استدلال کیا ہے)۔ نیز انہوں نے کہا ہے کہ عالم کو نہ چاہئے کہ وہ پیٹ بھر کر کھانا کھائے، بالخصوص تالیف کے زمانہ میں تاکہ وہ قرآن و حدیث و فقہ وغیرہ کے کماحقہ سمجھنے سے مانع نہ ہو جاوے کیونکہ جس کا پیٹ بھرا ہوتا ہے اس کی فہم کمزور ہوتی ہے۔ اور یہ ایک صحیح واقعہ ہے جس کو اس میں شبہ ہو، وہ تجربہ کر کے اطمینان کر لے، اور ہم نے صوفیہ کرام کی ایک بہت بڑی جماعت کو دیکھا ہے جس کو بھوکا رہنے میں حد درجہ کمال تھا، یہاں تک کہ بعض حضرات سات روز میں صرف ایک مرتبہ پاخانہ جاتے تھے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ سے شرم آتی تھی کہ وہ پاخانہ میں بکثرت جا کر ستر کھولیں۔

شیخ تاج الدین ذاکر کی حالت تو یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ وہ ہر بارہ روز میں صرف ایک مرتبہ وضو کرتے تھے۔

سیدی علیؒ شہاوی جو ذویب کے لقب سے مشہور تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ جو ان سے ملتا، وہ اس کو بھوکا رہنے کی نصیحت کرتے اور فرماتے کہ یہ مومن کا ہتھیار ہے (جس سے وہ قوائے بہیمیہ کو مغلوب کر کے نفس و شیطان کے مقابلہ میں کامیاب ہوتا

ہے)،اور فرماتے تھے کہ بھوکا آدمی اگر خدا کی اطاعت نہ کرے گا تو اس کی نافرمانی بھی نہ کرے گا۔ کیونکہ اس میں (بوجہ انکسار قوت بہیمیہ کے) مخالفت کا داعیہ ہی نہ ہوگا۔

جن حضرات کا معمول صوم دہر تھا۔ ان میں سے ایک شیخ عمرؒ النجینی سر برہنہ اور دوسرے آپ کے چچازاد بھائی شیخ عبدالقادر سر برہنہ تھے، اور یہ دونوں حضرات صوم دہر کی برکت سے نہایت نورانی الباطن اور غایت درجہ عالی ہمت تھے۔

بس تمہیں اس بارہ میں اپنے سلف کا اتباع کرنا چاہئے، اور اسی وقت کھانا کھانا چاہئے جبکہ تمہیں سخت بھوک لگی ہو اور تمہاری آنتیں بھوک سے مشتعل ہو جاویں، اور ان میں بوجہ اس مادہ کے موجود نہ ہونے کے جس کے نضج میں وہ مشغول ہوں، کھرچن سی لگ جائے۔ بس اسے خوب سمجھ لینا چاہئے اور اس پر عمل کرنا چاہئے۔ والحمد للہ رب العالمین.

اہتمام اصلاح

۳۲-اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب ان کو قرائن سے اپنے متعلقین کا عدم اخلاص معلوم ہو جاتا ہے، تو وہ ان کی تعلیم سے دست بردار نہیں ہوتے، کیونکہ تعلیم مقصود شارع ہے، (اور اصلاح نیت فرض متعلم، پس وہ اپنا فرض ادا کرتے ہیں، اور فرض متعلم کو اس کے اور خدا کے حوالہ کرتے ہیں)۔ اور شارع نے جو اپنا مقصود تعلیم رکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ علم کے دو فائدے ہیں۔ ایک اس پر عمل اور دوسرا احیاء شریعت۔ (اب اگر کسی کی نیت میں خلوص نہ ہوگا، تو احیاء شریعت تو اس سے بھی ہوگا۔ لہٰذا صاحب علم اس سے بہر حال ماجور ہوگا خواہ (عمل و احیاء کے سبب) اسے پورا اجر ملے یا (صرف احیاء کے سبب) اجر ناقص ملے۔

سیدی علیؒ خواص فرماتے تھے کہ ہر صاحب علم اپنے علم پر عمل کرتا ہے خواہ وہ گناہ ہی کرے اور اس کا عمل اپنے ہی حق میں ہو اور لوگوں کے نزدیک نہ ہو کیونکہ جب وہ گناہ بھی کرے گا تو دوسرے وقت اس سے توبہ کرے گا، اور اس پر نادم ہوگا۔ اب اگر

اسے علم نہ ہوتا تو اسے یہ بھی پتہ نہ ہوتا کہ یہ گناہ ہے، اور نہ وہ اس سے توبہ کرتا۔

پس اس حیثیت سے وہ اس پر اب بھی عامل ہے اگرچہ لوگوں کی اصطلاح میں وہ اس پر عامل نہ ہو۔ پس اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے۔ خلاصہ یہ کہ علم ہر حال میں نافع ہے اور یہ تو ہر زمانہ میں رہا ہے کہ لوگوں کا علم ان کے عمل سے زیادہ ہو۔ (پس نقصان عمل کی بناء پر علم کو بے سود نہ سمجھنا چاہئے۔ والحمدللہ رب العلمین.

علم پر عمل

۳۳- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ ہر اس عالم کے علم پر بھی عمل کرنے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں جو خود اپنے علم پر عمل کرنے کا اہتمام نہیں کرتا، اور اس کے علم پر عمل کر کے اس کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا دیتے ہیں (یعنی وہ اس کا ثواب اسے بخش دیتے ہیں اور اپنے اجر کے خدا کے فضل و احسان سے خواہاں ہوتے ہیں جیسا کہ ان کا معمول ہے کہ جب وہ کوئی علم پڑھتے ہیں تو اس کا ثواب اس کے مؤلف کو بخشتے ہیں اور اس میں اس کی مزاحمت نہیں کرتے، کیونکہ ہر قول کا ثواب اس کے قائل کو ہوتا ہے۔ اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے۔ مگر یہ بات انہی لوگوں میں پائی جاتی ہے جو بحکم ولاشہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومنین پر ان کے نفسوں سے زیادہ شفیق ہوں۔ چنانچہ ہم نے اپنی کتاب منین الکبریٰ میں اس بحث پر مبسوط کلام کیا ہے۔ والحمدللہ رب العلمین.

مخالفوں کے ساتھ حسن سلوک

۳۴- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ ان لوگوں سے جو بظاہر دوستی کا دعوی کرتے ہیں اور بباطن ان سے کاوش کرتے ہیں، میل جول رکھتے ہیں، اور اپنے طرز عمل سے ان پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کو ان کے دعوی محبت میں کچھ شبہ نہیں ہے، اور ان کے علم کو ان کے عدم خلوص واقعی تک رسائی نہیں ہے اور وہ صراحتہً ایسے لوگوں کے دعوی اخلاص کی تکذیب نہیں کرتے، اور نہ وہ ان کو جبکہ وہ تقرب کے خواہاں

ہوں، مقرب بنانے سے انکار کرتے ہیں، کیونکہ اس سے ان کی عداوت اور ان کا فتنہ اور بڑھے گا، مگر ایسے لوگوں کو جو اس طرح اپنے دشمن کے ساتھ میل جول رکھنے پر مجبور ہوں، اس کی ضرور احتیاط رکھنی چاہئے کہ اپنے اعضاء سے خلاف شریعت یا خلاف مصلحت افعال نہ صادر ہونے دیں، کیونکہ دشمن کا مقصود اختلاط سے بسا اوقات اس کی کچی حالت پر مطلع ہونا ہوتا ہے، تاکہ وہ اپنے ظہور مخالفت کے زمانہ میں مجالس عامہ میں علی الاعلان بیان کر کے اس کی ہجو کر سکے، چنانچہ ایسا بہت ہوتا ہے۔ الغرض جو شخص اپنے دشمن سے میل جول رکھے اس کے لئے نہایت احتیاط لازم ہے۔ اور سلامتی کی بات یہ ہی ہے کہ حتی الامکان صرف انہی لوگوں سے اختلاط رکھے جو خلوص ومحبت سے اس کے معتقد ہیں، اور دشمن سے اختلاط بھی نہ کرے، کیونکہ اس شخص کے لئے جو سیاست سے پورے طور پر واقف نہ ہو اور عمل میں بھی کمزوریاں رکھتا ہو۔ دشمن سے دور ہی رہنا بہتر ہے۔ پس اس کو خوب سمجھ لیا جاوے۔ والحمدللہ رب العلمین.

حسن ظن باہل اسلام

۳۵- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ صرف لوگوں کی خوبیوں کو دیکھتے ہیں اور ان کی برائیوں سے آنکھ بند کر لیتے ہیں حتی کہ وہ حضرات کسی مسلمان بھائی میں کوئی برائی ہی نہیں دیکھتے، جس سے وہ اس کی ہجو کریں، اور اس بناء پر تمام مسلمان ان کے نزدیک نیک ہوتے ہیں۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ حضرات نفسانیت سے کسی سے دشمنی نہیں کرتے بلکہ خود لوگ ہی ان حضرات سے بطور حسد وتعدی کے دشمنی کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ جو لوگ اس مرتبہ کے ہیں ان کا نفع ان کے مریدوں ومعتقدوں کو ضرور کم ہوگا، کیونکہ وہ نہ کسی کو نصیحت کریں گے، اور نہ کسی کو بری باتوں سے بچا دیں گے۔ لہٰذا وہ ہمیشہ مرتکب معاصی رہیں گے اور ان سے بچنے کی راہ نہ پائیں گے، کیونکہ جب ان حضرات نے ان کی برائیوں کو عمدہ محامل پر محمول کر لیا ہے اور اس لئے ان کے اندر برائی دیکھتے ہی نہیں تو نصیحت کس بناء پر کریں گے، تو

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بطور خود کسی کی نسبت برا گمان نہیں کرتے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ان کو بذریعہ الہام صحیح کسی کی برائی معلوم ہو جاوے اور اس بناء پر وہ اسے بوجہ اپنے تعلق کے روک دیں۔ پس حسن ظن کے ساتھ تحذیر مجتمع ہوگئی اور شبہ دفع ہوگیا۔ دوسرے حسن ظن کے ساتھ بدون الہام کے بھی تحذیر ممکن ہے۔ وہ یوں کہ وہ اس کی حالت کو اپنے اوپر قیاس کریں اور سمجھیں کہ جس طرح میرے اندر عیوب ہیں۔ ممکن ہے کہ ایسے عیوب اس میں بھی ہوں، کیونکہ جو بات میرے حق میں ممکن ہے وہ دوسرے کے حق میں بھی ممکن ہے، اس بناء پر وہ اس کو نصیحت کریں اور ایسا ہوتا بھی ہے، کیونکہ صوفیہ کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی برائیاں بطور تحذیر کے بیان کرتے ہیں نہ کہ بطور اطمینان واعتقاد کے (یعنی وہ لوگ جب نصیحت کرتے ہیں، تو ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ بات بری ہے۔ اگر تم میں ہو تو چھوڑ دو۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ضرور تم میں یہ برائی ہے)، کیونکہ یہ حضرات اس سے بری ہوتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ صوفیہ کرام شیخ کو آنکھوں والا کہتے ہیں، یعنی ہر بات دیکھنے کے لئے ایک جداگانہ آنکھ ہوتی ہے۔ پس ایک آنکھ سے وہ یہ دیکھتا ہے کہ اس آدمی کے اندر نقائص مثل ریا و نفاق وغیرہ نہیں ہیں۔ اور دوسری آنکھ سے وہ اس کے لئے اس احتیاط کو دیکھتا ہے، جو ایسے شخص کے ساتھ کی جاتی ہے، جس کو وہ بالفعل یا بالفرض نقائص کے ساتھ ملوث خیال کرتا ہے۔ تیسری آنکھ سے وہ تحذیر کو دیکھتا ہے۔ پس اس بناء پر وہ اس کو نقائص سے بری سمجھ کر بنا بر احتیاط اس کو تحذیر کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

شکر و استغفار در بارہ حسد

۳۶- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب ان کے حاسد اور دشمن زیادہ ہوتے ہیں تو وہ خدا کا شکر کرتے ہیں اور اس کے بعد خدا سے استغفار کرتے ہیں۔ شکر کی وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ خدا نے ان پر احسان کیا، جس سے وہ محسود ہوئے۔ اور استغفار کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ فی الجملہ سبب معصیت بنے، کیونکہ اگر وہ نہ

ہوتے تو ان پر انعام واحسان ہی نہ ہوتا۔ اور جب انعام واحسان نہ ہوتا تو لوگ ان پر حسد کر کے مرتکب حرام نہ ہوتے۔ پس اس ارتکاب جرم کا سبب وہ بنے اس لئے وہ استغفار کرتے ہیں، اور ان کا یہ استغفار کسی حقیقی معصیت کی بناء پر نہیں ہوتا، کیونکہ نہ ان کا وجود ان کے قبضہ میں تھا اور نہ انعام اور نہ حاسدین کے حسد میں ان کے اختیار کو دخل تھا بلکہ یہ استغفار لازم نعمت یعنی بلا اختیار سبب حسد بننے سے احتیاط کی بناء پر ہوتا ہے اور اس کو بڑے لوگوں کا استغفار کہتے ہیں، اور جس طرح وہ اپنے لئے استغفار کرتے ہیں یوں ہی وہ ان حاسدین کے لئے بھی استغفار کرتے ہیں جنہوں نے حسد کر کے ناحق اپنا دین برباد کرلیا، اور کہتے ہیں کہ اے اللہ ہمارے حاسدوں کے گناہ بخش دے، کیونکہ وہ بیچارے معذور ہیں اور آپ کے احسانات جو ہم پر ہیں ان کو اپنی تنگ حوصلگی کی بناء پر دیکھ نہیں سکتے، اور اگر یہ لوگ فراخ حوصلہ ہوتے تو ہمارے حسد میں مبتلا نہ ہوتے۔ اور یہ ایک ایسا خلق ہے جس سے بہت کم لوگ متعلق ہوتے ہیں ورنہ اکثر کی تو یہ حالت ہے کہ اپنے حاسد کے لئے ہر ممکن برائی کے آرزومند ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم.

منصفانہ برتاؤ

۳۷- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرات ان لوگوں کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرتے ہیں جو ان کے لئے بلا ان کی خواہش واطلاع کے .... خیر خواہی و نیک نیتی سے برے لوگوں اور حاکموں کے یہاں تحصیل رزق یا جاگیر یا ہدیہ وغیرہ کی کوشش کرتے ہیں، اور اس میں سے نصف یا چوتھائی۔ غرض جس مقدار کی نسبت وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس سے خوش ہو جاوے گا اس کو دیدیتے ہیں، بالخصوص اگر وہ شیخ کے زہد و صلاح و ورع بھی تعریف کرتا ہے تب تو وہ اس کا پورا اہتمام کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ حضرات جس قدر اس لانے والے نے لاکر ان کو دیا تھا، سب کا سب اسی کو دے دیتے ہیں، کیونکہ وہ ایسا ہے کہ جیسا کوئی خود مشقت کرے اور لوگوں کو دھوکا دے کر کچھ وصول کرے (گو واقع میں دھوکا تلبیس نہیں ہے۔) پس ایسی حالت

میں شیخ کو نہ چاہئے کہ جس قدر وہ کوشش کرنے والا مانگے اس کے دینے میں اس سے دریغ کرے، کیونکہ یہ حقیقت میں اسی مشقت کرنے والے کی کمائی شمار ہوتی ہے بلکہ اولی اس کے لئے یہ ہی ہے کہ اس میں سے خود کچھ بھی نہ لے۔ ہاں حد شرعی کے اندر لے لینے کا مضائقہ نہیں اور اس قسم کی محنت اس زمانہ میں بہت رائج ہے، یہاں تک کہ بعض مشائخ اپنے کارندے مقرر کردیتے ہیں جو امراء یا مشائخ عرب کے یہاں جاکر ان کے لئے تحصیل زر کی محنت برداشت کریں۔ پھر جب وہ اینٹھ کر کچھ لاتے ہیں تو سارا خود ہضم کرجاتے ہیں، اور جنہوں نے اس کے حاصل کرنے کی زحمت و مشقت گوارا کی تھی، ان کو کچھ بھی نہیں دیتے، اور یہ بڑا ظلم ہے۔ اور میں نے بعض کارندوں کو دیکھا ہے کہ انہوں نے شیخ کی تعدی سے مجبور ہوکر شیخ کی نالش کرکے ان کو حاضر عدالت کرایا، اور ان کے تقدس کے خوب خوب بخئے ادھیڑے، حتی کہ حاکم نے شیخ سے کہا کہ تو نہایت طامع شخص ہے۔ پس اے بھائی تو ایسے مشائخ کی حالت دیکھ کر یہ نہ سمجھنا کہ پہلے زمانہ کے مشائخ بھی ایسے ہی تھے کہ ان کے متعلق سوظن میں مبتلا ہوجاوے، کیونکہ وہ لوگ نہایت زاہد و پرہیزگار تھے اور ان کی حالت ہرگز مشائخ زمانہ کی سی نہ تھی پس اسے خوب سمجھ لینا چاہئے۔ والحمدللہ رب العلمین.

نوٹ از مترجم۔ واضح ہو کہ اس خلق میں دو قسم کے لوگوں کی حالت بیان کی گئی ہے ایک دیندار مشائخ دوسرے دنیا دار مشائخ، دیندار کی حالت تو یہ ہے کہ وہ نہ کسی کو تحصیل زر کے لئے مقرر کرتے ہیں اور نہ کسی سے اس کی خواہش رکھتے ہیں کہ کوئی ان کے لئے اس قسم کی کوشش کرے۔ ہاں اگر کسی مخلص نے از خود شیخ کی حاجت کو معلوم کرکے ان کی سفارش کردی اور کچھ لے آیا تو اور بات ہے، مگر اس پر بھی وہ لوگ احتیاط کرتے ہیں، اور خود اس میں سے کچھ نہیں لیتے بلکہ اسی لانے والے کو واپس کردیتے ہیں کہ تو جان اور تیرا کام، اور بعض لوگ اس کو مال مباح سمجھ کر لے لیتے ہیں مگر سب خود نہیں رکھتے بلکہ اس لانے والے کو بھی اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں تاکہ وہ بھی خوش ہوجاوے، کیونکہ محنت تو اسی نے کی ہے۔ رہے دنیادار سو یہ لوگ تحصیل زر کے لئے جال

پھیلاتے ہیں اور دھوکا دینے کے لئے لوگ مقرر کرتے ہیں، سو ایسا روپیہ حرام ہے۔ اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے۔ شیخ کی عبارت اس مضمون کے ادا کرنے میں قاصر ہے، اور اس کے بعض فقرات سے دیندار مشائخ پر بھی تحصیل دنیا کے لئے جال پھیلانے یا خود غرض اور دنیا دار حضرات کے دھوکا دے کر لائے ہوئے مال سے منتفع ہونے کا شبہ ہوتا ہے، اس لئے اس سے دھوکا نہ کھانا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ مترجم

اتباعِ شریعت

۳۸- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب وہ کسی عورت کو شادی کا پیغام بھیجتے ہیں تو سنت پر عمل کرتے ہیں اور اس کا چہرہ اور ہاتھ دیکھتے ہیں۔ اس دیکھنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ یہ رویت بلا شہوت کے ہونی چاہئے، کیونکہ ابھی وہ عورت محل تمتع نہیں ہے۔ اور جمہور اس کے خلاف ہیں، اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ شارع نے نظر کی اجازت دی ہے (اور ایسی حالت میں شہوت کا ہو جانا ایک طبعی امر ہے۔ پس یہ تمتع معفو ہے) پس اس سنت پر عمل کرنا چاہئے۔ اور شرم کا بہانہ نہ کرنا چاہئے، کیونکہ بلا دیکھے شادی کرنے میں بڑی خرابیاں ہیں جبکہ عورت مرد کو پسند نہ آئے۔ پھر جب آدمی اپنی منگیتر کو دیکھے تو قدر ضرورت پر اکتفاء کرے، اور خواہ مخواہ شہوت پرستی نہ شروع کر دے۔ اور اگر کسی کو دیکھنے کی صورت میں اپنے نفس کے بے قابو ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو یا تو جس قدر شریعت سے اجازت ہے اس سے بھی کم دیکھے، مثلاً ایک سرسری نظر ڈال لے جس سے اجمالاً اس کی حالت معلوم ہو جاوے اور معاملہ خدا کے سپرد کر دے، یا بالکل نہ دیکھے اور کسی عورت کو جس پر اطمینان ہو کہہ دے کہ وہ نیابۃً دیکھ لے۔ پس اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ جو شخص منگیتر کو نہیں دیکھتا اور شرم کا بہانہ کرتا ہے، وہ سنت سے ناواقف اور اکھڑا آدمی ہے، اور اس کی حیاء طبعی حیاء ہے نہ کہ شرعی۔ والحمدللہ رب العلمین۔

ادب استاذ

۳۹- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو شخص ان کو بچپن میں قرآن کی ایک سورۃ یا آیت پڑھا دیتا ہے، اس کا وہ نہایت ادب کرتے ہیں۔ پس جو شخص ان کو ایک سورۃ یا ایک آیت یا کسی علم کا ایک باب پڑھا دیتا ہے، اس کی وہ اس قدر تعظیم کرتے ہیں کہ اس کے پاس سوار ہوکر نہیں نکل سکتے، اور نہ اس کی مطلقہ بیوی سے شادی کر سکتے ہیں۔ اگر چہ وہ شیخ الاسلام یا شیخ طریقت ہو جاویں، اور جن آداب کو وہ اس کے ساتھ برتتے ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ حسب مقدور ان کو ہدایا دیتے رہتے ہیں۔ اور ان کے اور ان کے گھر کے لوگوں اور ان کے متعلقین کے لئے کپڑے بناتے رہتے ہیں اور یہ سب ان کی خاطر کے لئے کرتے ہیں۔

علی ہذا ان کے اخلاق میں سے یہ بھی ہے کہ جو معلم ان کے بچوں کو قرآن پڑھاتا ہے اس سے بخل نہیں کرتے۔ اور جو کچھ اس کو دیتے ہیں اس کو زیادہ نہیں سمجھتے۔

ابوزید قیروانی صاحب رسالہ کی حکایت ہے کہ جب ان کے بچہ کے معلم نے اس کو ایک منزل قرآن پڑھا دیا تو اسے سو دینار دیئے۔ اس نے لینے سے عذر کیا اور کہا کہ میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس پر میں اتنی بڑی رقم کا مستحق ہوں، تو انہوں نے اپنے بچے کو اس کے پاس سے اٹھا کر دوسرے معلم کے سپرد کر دیا اور فرمایا کہ یہ شخص قرآن کو حقیر سمجھتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میں نے بھی اپنے معلم شیخ حسن" صلبی کے ساتھ اسی خلق کے مطابق برتاؤ کیا ہے۔ چنانچہ میں ان کے انتقال تک ان کے لئے اور ان کے بال بچوں کے لئے کپڑے بنا کر دیتا رہا۔ اور با ایں ہمہ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے ان کا حق واجب ادا نہیں کیا۔

۹۱۸ھ کا واقعہ ہے کہ میں ایک روز شیخ شمس الدین وسیاطی کے ساتھ جا رہا تھا۔ اس اثناء میں انہوں نے ایک نابینا شخص کو دیکھا جس کو اس کی لڑکی لئے جا رہی تھی، اس کو دیکھ کر وہ گھوڑے سے اتر پڑے۔ اور اس کے ہاتھ چومے اور دور تک اس کے

ساتھ ساتھ پیدل گئے، جب وہ لوٹے تو میں نے ان نے اسی شخص کی نسبت کا سوال کیا کہ یہ کون صاحب تھے تو انہوں نے فرمایا: کہ یہ وہ شخص ہیں جن سے میں نے بچپن میں کچھ قرآن پڑھا تھا اور مجھ سے نہیں ہوسکتا کہ میں سوار ہوکران کے پاس کونکلوں (یہ حالت تھی ان کے ادب کی)، حالانکہ شیخ شمس الدین مذکور کو جو جاہ وعقیدت وعلم وصلاح سلاطین اوران سے کم درجہ کے لوگوں کے یہاں حاصل تھا ہم نے نہیں دیکھا کہ وہ جاہ وعقیدت وغیرہ ان کے ہم عصروں میں سے کسی کو بھی حاصل ہو حتیٰ کہ میں نے ایک روز دوفقیروں کے درمیان ان کو اس حالت میں دیکھا کہ لوگ ہاتھ چومنے کے لئے ان پر ہجوم کئے ہوئے ہیں، اور جو ان تک نہیں پہنچ سکتے وہ اپنی چادر کھول کر ان پر پھینکتے ہیں، تاکہ وہ شیخ کے کپڑوں سے چھو جائے اور اس کو چومتے ہیں جس طرح لوگ قاہرہ سے گذرتے وقت غلاف کعبہ کے ساتھ کرتے ہیں۔

پس تم اس کو خوب سمجھ لو، اور اہل ادب کی اقتداء کرو۔ خدا اہل ادب سے راضی ہو۔ والحمدالله رب العلمین.

اپنے اعمال کی تحقیر

۴۰- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے متعلق اس کا خیال نہیں کرتے کہ نفل عبادتوں کا ثواب مستقل طور پر ان کو ملے گا، اگرچہ نوافل کے لئے انہوں نے اس قدر کوشش کی ہو کہ ان کے پاؤں ورم کر گئے ہوں، بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ عبادتیں صرف اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ہوں گی جو ان کے فرضوں میں واقع ہوتی ہے، کیونکہ (ان کے عدم عصمت کے سبب ان کے فرائض میں نقصان کا وقوع ضروری ہے، پھر اس نقصان کی تلافی نوافل سے لازمی ہے۔ پس) نوافل حقیقت میں ان کے ہوتے ہیں جن کے فرائض مکمل ہوں اور ان میں نقصان نہ ہو، (اور وہ صرف جناب رسول اللہ ﷺ ہیں)۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ﴿ومن الليل فتهجد به نافلة لك﴾ میں اس طرف اشارہ فرما دیا ہے، اور بتلایا دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا تہجد ان

کے لئے فرضوں سے زائد ہوگا (یعنی ثواب میں مستقل ہوگا اور اس سے تکمیل فرائض نہ کی جاوے گی) کیونکہ ان کے فرائض کامل ہیں، اور ان کو جبر نقصان کی حاجت نہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ آپ معصوم ہیں اس سے کہ آپ کی عبادات میں کوئی نقص ہو۔

چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس مضمون کو اپنی کتاب خصائص اور اس کے سوا دوسری کتابوں میں بیان کیا ہے۔ اور اگر فرض بھی کرلیا جاوے کہ کسی ولی کی عبادات بھی نقص سے خالی ہوسکتی ہیں تو وہ بحکم وراثت نبوی ہوگا (لہٰذا اختصاص کمال عبادات برسول اللہ ﷺ میں خلل نہ آیا، اور باوجود اس کے یہ شاذ ہوگا۔ اور عام حالت یہی ہوگی کہ لوگوں کے فرائض ناقص اور محتاج جبر نقصان ہوں گے۔ پس حضرات صوفیہ کا وہ خیال کہ ان کی عبادات کا ثواب مستقل طور پر نہ ملے گا، ٹھیک رہا)۔

میں نے [1] بعض اہل علم کے کلام میں دیکھا ہے کہ فرشتے حق تعالیٰ کے سامنے کسی کے فرائض اس وقت تک نہیں پیش کرتے جب تک کہ نوافل سے ان کی تکمیل نہ ہوجاوے، کیونکہ وہ ناقص چیز کا حق تعالیٰ کے سامنے پیش کرنا خلاف ادب سمجھتے ہیں، کیونکہ دنیاوی بادشاہوں کا عملہ ان کے ساتھ یہی معاملہ کرتا ہے، اور جس کے بدن میں کوئی مرض ہو، اس کو حضور سلطانی میں نہیں پیش کرتا تاکہ ناقص پر اس کی نگاہ نہ پڑے۔ اور اگر کسی مقرب سلطانی مثل وزیر یا دفتر دار وغیرہ میں کوئی نقص پیدا ہوجاتا ہے تو اسے معزول کردیتے ہیں اور دوسرے کو اس کی جگہ مقرر کرتے ہیں، اور جس امر کو لوگ ادب شاہی سمجھتے ہیں وہ ادب حق سبحانہ ہے، کیونکہ شریعت نے بہت سے مواقع پر عرف کا اعتبار کیا ہے۔

چنانچہ یہ بات اہل علم کو معلوم ہے۔ پس تم کو چاہئے کہ اس خلق کو سمجھو اور اس پر عمل کرو۔ والحمد للہ رب العلمین ۔

ترک انتظار ہدایا

۴۱- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ حجاز یا شام وغیرہ

(۱) یہ نقل قابل اعتماد نہیں اور دلیل ناکافی ہے۔ فافہم۔

سے آنے والے کسی ہدیہ کے منتظر نہیں ہوتے، اور اپنے دل میں یہ خیال نہیں پکاتے کہ فلاں شخص ہم کو فلاں چیز بھیجے گا، بلکہ وہ ایسے خیالات سے خالی الذہن رہتے ہیں۔ اسی طرح اگر خود وہ لوگ کسی سفر سے آنے والے کو کوئی ہدیہ وغیرہ دیتے ہیں تو ان کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ وہ اس کا ہمیں بدلہ دے گا بلکہ وہ اس سے بھی بالکل خالی الذہن ہوتے ہیں اور یہ از قبیل سوء ظن نہیں ہے (کہ فلاں شخص احسان فراموش ہے) بلکہ اس کا منشا ترک طمع ہے، اور اگرچہ[1] ان کے اس خیال سے کہ وہ اس کا بدلہ نہ دے گا سوء ظن لازم آ جائے مگر ان کا مقصود نہیں ہوتا۔ اور آدمی سے مواخذہ اسی بات پر کیا جا سکتا ہے جس کا وہ قصد کرے (اور جو اس کے بلا قصد لازم آ جاوے اس پر مواخذہ نہیں)۔

میرے سردار علی خواص جب کسی کو سنتے کہ وہ اشعب طماع کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کے یہاں دھواں دیکھتا رہتا تھا (اور جس کے یہاں دھواں نکلتا دیکھتا اس کے یہاں کھانے کو جا پہنچتا،) تو فرماتے کہ خدا اس پر رحم فرمائے، اس کو اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن ظن تھا (اور وہ سمجھتا تھا کہ میرا کوئی پڑوسی بخیل نہیں ہے، اور مجھے کھانا دینے میں دریغ نہ کرے گا) پس اسے جزائے خیر دے۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ وہ اپنے ظن نیک میں قابل تعریف ہے اگرچہ اس سے طمع لازم آ گئی (اور مدح و ذم کا مدار امر مقصود ہے نہ کہ لازم)۔ اور تم کو سمجھ لینا چاہئے کہ جب تم کسی کے پاس ہدیہ بھیجو، اور تمہیں اس کی عادت سے کہ وہ احسان کیا کرتا ہے، یہ معلوم ہو کہ وہ اس کا بدلہ ضرور دے گا، تو ہدیہ کے ساتھ اپنے قاصد کے ہاتھ اس سے یہ کہلا بھیجنا چاہئے کہ یہ شے اس قابل نہیں ہے۔ کہ اس کے بدلہ کی فکر کی جاوے۔ اور میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ بدلہ کے خیال ہرگز نہ کریں ورنہ میری دل شکنی ہوگی، اور یہ اس لئے ہونا چاہئے تا کہ وہ بدلہ کے خیال کی زحمت سے بچ جاوے اگرچہ تھوڑی ہی دیر کے لئے سہی۔ ایک

(۱) یہ خیال کرنا کہ فلاں شخص بدلہ نہ دے گا اور چیز ہے اور بدلہ دینے یا نہ دینے سے خالی الذہن ہونا اور شئے سوئے ظن اول کے لئے لازم ہے۔ نہ کہ ثانی کے لئے اور ان کا خلق صورت ثانیہ ہے نہ کہ اول پس نہ اعتراض پڑتا ہے اور نہ جواب کی ضرورت ہے۔ فافہم۔ ۱۲ مترجم۔

مرتبہ میں نے اپنے دینی بھائی شیخ شمس الدین برہم توشی کے پاس کچھ ہدیہ بھیجا تو انہوں نے اس کے کئی گونہ زیادہ سے اس کا بدلہ کیا۔ اس سے مجھے اس اس کی عالی ہمتی معلوم ہوئی لیکن یہ امر ظاہر ہے کہ ابتداء ہدیہ بھیجنا شرعاً مطلوب ہے (اس لئے آدمی کو ہدیہ کی ابتداء کرنی چاہئے۔ رہا معاوضہ سو وہ تو لوگ خواہ مخواہ ہی کرتے ہیں، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اپنے ذمہ احسان کون رکھے)، بالخصوص جن دو شخصوں کے دلوں میں باہم عداوت ہو، ان کو تو ہدیہ کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے، (تاکہ عداوت مبدل بہ محبت ہو جاوے)۔

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ باہم ہدیہ کا لین دین رکھو، تم میں محبت پیدا ہوگی۔ اور عمدہ ہدیہ کا (جو خلوص پر مبنی ہو) اثر یہ ہے کہ اس سے سینہ کا کھوٹ دور ہو جاتا ہے۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ تمہیں بطریق شرعی (یعنی بخلوص ومحبت) ہدیہ کی ابتداء کرنی چاہئے اور کسی سفر سے آنے والے سے اس کا منتظر نہ ہونا چاہئے کہ وہ ہمارے لئے کچھ لایا ہوگا، اور نہ جس کو تم ہدیہ دو اس سے تم کو بدلہ کا متوقع رہنا چاہئے، اور جب تم اس کے خلاف کرو گے۔ تم اپنے سلف کے طریق سے نکل جاؤ گے۔ اس کو خوب سمجھ لو۔ والحمد للہ رب العالمین۔

مہمان نوازی

۴۲- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مہمان پر سخت تاکید کرتے ہیں کہ وہ کھانا کہیں اور نہ کھائے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ جو کچھ ان کے یہاں کھائے گا اپنے مقدر کا کھائے گا (اور اس میں ان کا کچھ نقصان نہیں)۔

شیخ عبدالحلیم بن مصلح اپنے مہمان کو قسم دیتے تھے کہ جب تک تم اس شہر میں رہو۔ کسی اور کے یہاں کھانا نہ کھانا اور ان کے اس اصرار کی وجہ سے لوگ ان کے یہاں مہمان بھی کم ہوتے تھے۔ میں نے ایک مرتبہ ان سے اس بارہ میں گفتگو کی تو انہوں نے فرمایا کہ یہاں اس تاکید سے ہمیں سرخروئی ہو جاتی ہے۔ اور مہمان کھانا اپنی قسمت کا کھاتا ہے (تو ہم مفت کی بھلائی کیوں نہ لے لیں) اور اگر میں یہ رویہ اختیار نہ کرتا، اور

لوگوں کو اس قدر تاکید نہ کرتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اگر اس کے مقدر میں میرے یہاں کا کھانا لکھا ہوتا تو وہ میری ناخوشی کی حالت میں بھی کھاتا، اور میں اس سے بھی برا بنتا، خدا سے بھی برا بنتا مخلوق سے بھی برا بنتا۔ اھ۔

میں نے یہی برتاؤ شیخ محمد شناوی اور شیخ عبدالرزاق بخاری کی اولاد کے ساتھ کیا تھا، جبکہ وہ میرے یہاں تین مہینہ تک مہمان رہے تھے۔ چنانچہ جب اتفاق سے وہ کہیں اور کھانا کھا لیتے، تو میں ان پر غصہ ہوتا تھا۔ اور اس سے ان کو خوشی ہوتی تھی اور ان کا یہ خیال دور ہو جاتا تھا کہ مجھ پر ان لوگوں کا بار ہے، یا انہوں نے مجھ پر بار ڈال رکھا ہے۔ پس اسے خوب سمجھ لینا چاہئے (اور مہمان سے کبھی دل تنگ نہ ہونا چاہئے) والحمدللہ رب العلمین۔

اہتمام اکل حلال

۴۳۔ اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ کھانے پینے کے بارے میں نہایت احتیاط کرتے ہیں حتی کہ بعض حضرات تو اس میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ جب تک وہ یہ نہیں جان لیتے کہ یہ کھانا وغیرہ سات یا کم از کم تین آدمیوں کے قبضہ میں حلال طور پر آیا ہے، اس وقت تک وہ اس کو نہیں کھاتے، اور اگر کبھی ان کو ایسا کھانا نہیں ملتا تو جب تک ان کے منشا کے موافق کھانا نہ ملے، اس وقت تک بھوکے رہتے ہیں۔

شیخ افضل الدین ان محتاط لوگوں میں آخری شخص ہیں جن کو میں نے دیکھا ہے۔ ان کا قاعدہ تھا کہ جب تک کسی کھانے پر پے در پے سات قبضہ حلال طور پر نہ ہوئے ہوں، وہ اس کو نہ کھاتے تھے (جو شخص ان کو کھلاتا ہے اس کے پاس حلال طور پر آیا ہو، اور جس سے اس نے حاصل کیا، اس کے پاس بھی حلال طور پر آیا ہو۔ غرض سات مرتبہ یوں ہی ہوا ہو)، اور اگر ان کو ایسا کھانا نہ ملتا تو وہ پے در پے کئی کئی روز تک بھوکے رہتے حتی کہ آنتیں شدت جوع سے ایک دوسرے کو کھانے لگتیں اور ان کی عقل

اور دین کے برباد ہونے کا اندیشہ ہوجاتا۔ اس وقت وہ اپنے کو مضطر قرار دے کر جو مل جاتا وہی کھالیتے اور یہ حضرات انتقالات ملک کو کشف کے ذریعہ سے معلوم کر لیتے تھے۔ اور حق تعالیٰ نے مجھ پر بھی ان کے اتباع کا احسان فرمایا ہے مگر سات تو نہیں، ہاں تین انتقالات ملک کی اباحت میں بھی دیکھتا ہوں۔ اور اگر کسی کھانے کی حلت میں مجھے شک ہوتا ہے تو فوراً قے ہو جاتی ہے اور کبھی حق تعالیٰ خود مطلع فرمادیتے ہیں۔ (کہ یہ کھانا تمہارے کھانے کے قابل نہیں ہے تم اسے نہ کھانا) والحمدللہ رب العالمین.

حفاظت مراقبۂ نفس

۴۴- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر وقت اپنے نفس کی دیکھ بھال رکھتے ہیں، تاکہ اس میں سے صفات منافقین نکال دیں۔ (اور اس ذریعہ سے) صفات مومنین اس میں پیدا کریں، کیونکہ صفات مومنین خلاف ہیں صفات منافقین کے، (اور اس لئے وہ صفات منافقین کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں)۔ اب صفات مومنین کو سمجھنا چاہئے کہ وہ کیا ہیں؟ سو بعض صفات تو وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قول ﴿التائبون العابدون الخ﴾ میں اور اپنے قول قد افلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون الخ میں۔ اور ان کے مثل دوسری آیات میں بیان فرمایا ہے، اور بعض صفات وہ ہیں جو احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص مومن کامل نہیں ہوسکتا، تاوقتیکہ وہ اپنے بھائی مسلمان کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص مومن کامل نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ اس کا پڑوسی اس کی بلاؤں سے محفوظ نہ ہو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت بلاؤں سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا خیانت اور ظلم۔ (اسی طرح دوسری احادیث میں اور صفات مومنین مذکور ہیں)۔

عمرؓ بن الخطاب فرماتے تھے کہ جب تم مجھے دیکھو کہ میں ٹیڑھا چلتا ہوں تو مجھے سیدھا کردو، اور مجھے نصیحت کرو کیونکہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے بھائی کو نصیحت

کرے۔

یحییٰ بن معاذؒ نے مومن کی کچھ صفات اپنے رسالہ میں بیان فرمائی ہیں، اور فرمایا ہے کہ مومن کی شان یہ ہے کہ نہایت شرمیلا ہو۔ اس سے دوسروں کو تکلیف کم پہنچتی ہو، اس میں بہتری زیادہ ہو اور خرابی کم ہو، زبان کا سچا ہو، بات کم کرتا ہو، اعمال صالحہ زیادہ کرتا ہو، لغزش بہت کم کھاتا ہو، لغویات میں کم مبتلا ہو، نفع رساں بہت ہو، صلہ رحمی زیادہ کرتا ہو باوقار، اور شکر گذار ہو۔ جب اس پر رزق کی تنگی ہو تو اس وقت بھی خدا سے بہت خوش ہو، بردبار ہو، اپنے بھائیوں کے ساتھ نرم ہو، نہایت شفیق ہو، لعنت کرنے والا اور برا کہنے والا نہ ہو، نہ نام دھرنے والا ہو، نہ غیبت کرنے والا ہو، نہ چغل خور ہو، نہ جلد باز ہو، نہ حاسد ہو، نہ کینہ ور ہو، نہ متکبر ہو، نہ خود پسند ہو، نہ دنیا سے رغبت رکھنے والا ہو، نہ لمبی چوڑی امیدیں رکھتا ہو، نہ زیادہ سونے والا اور زیادہ غافل ہو، نہ ریاکار ہو، نہ منافق ہو، نہ بخیل ہو، ہشاش بشاش ہو، نہ دنی الطبع ہو، نہ عیب جو ہو، اور خدا کے لئے محبت کرے اور خدا کے لئے عداوت رکھے، خدا ہی کے لئے خوش ہو، اور خدا ہی کے لئے ناخوش ہو، اس کا توشہ پرہیز گاری ہو، اور اس کا مقصود آخرت ہو، اس کا ہمنشین اس کی یاد خدا ہو، اس کا محبوب اس کا مولیٰ ہو، اس کی سعی اس کی آخرت کے لئے ہو۔ اسی طرح انہوں نے تقریباً تین سو اوصاف بیان کئے ہیں۔

مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ (اس وقت عدم علامت کی وجہ سے مومنوں اور منافقوں میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اور سب ایک دوسرے کے ساتھ ملے جلے رہتے ہیں لیکن) اگر منافقوں کی دُمیں نکل آئیں (اور مومنین ومنافقین میں امتیاز ہو جائے) تو کثرت منافقین کے سبب مومنوں کو چلنے کے لئے زمین نہ ملے (کیونکہ اس وقت عدم تجانس ظاہر ہو جائے گا، اور وہ سبب ہوگا آپس کی مخالفت ومزاحمت کا، اور اس مخالفت و مزاحمت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مومنین کو چلنے پھرنے کے لئے زمین نہ ملے گی، کیونکہ جہاں وہ جائیں گے وہاں منافقین موجود ہوں گے جو کہ ان کو اپنا غیر جنس سمجھ کر مزاحمت ومخالفت کریں گے، اور یہ لوگ اپنی قلت کی وجہ سے اس مخالفت کی مدافعت پر قادر نہ ہوں گے،

اس لئے چلنے پھرنے سے عاجز ہو جاویں گے۔ (واللہ اعلم)۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ آدمی جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں صرف ایک بات کہتا تھا تو وہ اپنی نظر میں اس کے ذریعہ سے منافق ہو جاتا تھا۔ اب میں اس بات کو تم سے ایک مجلس میں دس مرتبہ سنتا ہو مگر تمہیں خبر بھی نہیں ہوتی (کہ یہ اچھی بات ہے یا بری بات۔ اللہ اللہ کس قدر تفاوت ہو گیا ہے)۔

حدیث شریف میں ہے منافق کا مطمع نظر صرف کھانا پینا ہوتا ہے۔ اور مومن کا مقصود روزہ، نماز۔

عمرؒ بن عبدالعزیز فرماتے تھے کہ مومن کے تو دل میں قوت ہوتی ہے، اور منافق کے ہاتھ میں (کیونکہ مومن اصلاح باطن کے لئے مجاہدات کرتا ہے جس سے اس کے دل میں قوت اور جسم میں ضعف بڑھتا ہے۔ اور منافق اصلاح باطن کو چھوڑ کر تقویت جسم کی فکر میں رہتا ہے، اس لئے اس کے دل میں ضعف اور جسم میں قوت ہوتی ہے۔

حاتم اصمؒ فرماتے تھے کہ مومن کی علامت یہ ہے کہ وہ اطاعت خداوندی کرتا ہے اور باوجود اس کے روتا ہے۔ بدیں خیال کہ شاید اس میں کوتاہی ہوگئی ہو، اور وہ مقبول نہ ہو) اور منافق کی علامت یہ ہے کہ وہ عمل کو بالکل بھولا ہوتا ہے، اور باوجود اس کے ہنستا ہے (پس یہ اس کا ہنسنا بتلاتا ہے کہ بداعمال کے برے نتائج کو گو وہ زبان سے مانتا ہے مگر دل سے ان کو نہیں مانتا، کیونکہ اگر وہ دل سے ان کو مانتا تو وہ اگر ہنسنا بھی چاہتا تو ہنس نہ سکتا)۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ مومن چھوارے کا درخت لگاتا ہے مگر اس کو ڈر ہوتا ہے کہ کہیں بجائے چھواروں کے اس میں کانٹے نہ پیدا ہوں۔ اور منافق کانٹے بوتا ہے اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس میں چھوارے لگیں۔ انتہی۔

پس اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے اور مرنے سے پہلے اپنے قلب کی جانچ پڑتال کر لینی چاہئے، اور اگر اس میں اخلاق منافقین ہوں تو ان پر رونا چاہئے اور بکثرت استغفار کرتے رہنا چاہئے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

وقت ضرورت جمع مال

۴۵- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ ابتدائے سلوک میں درہم و دینار نہیں رکھتے مگر انتہا میں خرچ کے لئے ان کو جمع کرتے ہیں، کیونکہ جب وہ مبتدی ہوتے ہیں تو ان کی حالت شیر خوار بچہ کی سی ہوتی ہے۔ اور بچہ کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اس کا دودھ چھڑانے کے وقت اس کی ضرورت پڑتی ہے کہ چھاتیوں پر ایلوا وغیرہ لگا کر اس کو دودھ سے متنفر کیا جاوے، مگر جب ایلوے کی وجہ سے اس کو دودھ پینے سے نفرت ہو جاتی ہے تو وہ نفرت اس مرتبہ تک پہنچ جاتی ہے کہ اسے خود دودھ ہی سے نفرت ہو جاتی ہے، اور ایلوے وغیرہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ بس اسی طرح صوفی کے لئے ابتدا میں دنیا سے نفرت پیدا کرنے کے لئے اس تدبیر کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس کو روپیہ پیسہ نہ رکھنے دیا جائے، مگر انتہائی حالت میں یہ نفرت راسخ ہو جاتی ہے۔ اور درہم دینار اس کے لئے مضر نہیں ہوتے اور اس وقت اس کے لئے یہی کمال ہوتا ہے کہ وہ اپنے پاس روپیہ پیسہ رکھے تا کہ لوگوں سے مانگنے سے بچا رہے، اور خدا کی راہ میں خرچ بھی کر سکے۔ اسی تفصیل پر محمول کیا جاوے گا ان لوگوں کا قول جنہوں نے دنیا سے ممانعت فرمائی ہے، اور ان کا قول جنہوں نے اس کے رکھنے کا حکم دیا (اور کہا جاوے گا کہ مانعین کا مقصود مبتدیوں کو منع کرنا ہے اور حکم دینے والوں کا مقصود منتہیوں کو حکم دینا ہے۔ لہذا ان میں تعارض نہیں)۔

مسلم نجات فرماتے تھے کہ جب درہم و دینار مسکوک ہوئے تو ابلیس نے ان کو ماتھے سے لگایا اور بوسہ دیا۔ اور کہا کہ جو تم سے محبت کرے گا وہ صحیح طور پر میرا بندہ ہے۔ آھ۔ میں (۱) کہتا ہوں یہاں ان لوگوں کا استثنا ضروری ہے جو دنیا کو راہ خدا میں خرچ

(۱) میں کہتا ہوں کہ اس استثناء کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ جس صورت کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہاں درہم و دینار محبوب ہی نہیں بلکہ وہاں اخلاق و انفاق درہم و دینار محبوب ہے۔ اور مقول ابلیس میں خود درہم و دینار محبوب ہیں۔ فتدبر واللہ اعلم۔

کرنے کے لئے دوست رکھتے ہیں، کیونکہ یہ اطلاق ہے مقام تفصیل میں (یعنی حب دنیا میں تفصیل ہے، بعض صورتوں میں مذموم ہے اور بعض صورتوں میں محمود مگر اس جگہ اس کو مطلقاً مذموم قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے اس کی تصحیح کے لئے تقلید کی ضرورت ہے۔

کہمس بن حسنؒ درہم و دینار ہاتھ میں نہ رکھتے تھے (بلکہ ان کی یہ حالت تھی کہ ادھر آیا اور ادھر خرچ کیا) اور فرماتے تھے کہ واللہ مینگنیوں کا تھیلا مجھے سونے کی تھیلی سے زیادہ محبوب ہے۔

ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے تھے کہ مقام صوفی اس وقت کامل ہوتا ہے جبکہ وہ دینار پر لات مار دے، اور دنیا کے بارے میں اپنے بھائیوں کو اپنے نفس پر مقدم رکھے، بجز اس صورت کے اس کو ان سے زیادہ اس کی ضرورت ہو۔ اور ایک شخص نے ابراہیم بن ادہمؒ سے اس کی درخواست کی کہ مجھے آپ اپنے مریدوں میں داخل کرلیں۔ انہوں نے فرمایا کہ بہت اچھا مگر شرط یہ ہے کہ تم اپنے مال کے مجھ سے زیادہ حق دار نہ ہوں گے، اس نے کہا کہ یہ تو مجھ سے نہ ہوسکے گا اور یہ کہہ کر رخصت ہوگیا۔ اور توراۃ میں ہے کہ محب دنیا کے قلب پر حرام ہے کہ وہ حق کہے (یعنی حب دنیا اور حق کہنا جمع نہیں ہوسکتے)۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے تھے کہ خوب جان لو کہ درہم بچھو ہے، اور جس کو اس کا منتر نہیں آتا، اس کا زہر اسے مار ڈالتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت اس کا منتر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کا منتر یہ ہے کہ جائز طور پر حاصل کیا جاوے اور صحیح موقعہ پر صرف کیا جاوے۔

سمیطؒ بن عجلان فرماتے تھے کہ دراہم منافقین کی باگیں ہیں، جن کے ذریعہ سے شیطان ان کو مہالک کی طرف کھینچتا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے کہ آدمی اس وقت تک نیک نہیں ہوسکتا جب تک اس کی نظر میں سونا اور مٹی برابر نہ ہو جاوے۔

شقیقؒ بلخی فرماتے تھے کہ جو شخص دنیا ملنے سے خوش ہو وہ منافق ہے۔ ان کی مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا سے بے رغبتی ظاہر کرتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو کھلم کھلا دنیا دار

ہیں ان پر حکم نفاق نہیں کیا جا سکتا (کیونکہ نفاق کی حقیقت یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں اختلاف ہو، اور وہ ان لوگوں میں موجود نہیں)۔

علی بن ابی طالبؓ درہم کو ہاتھ میں لے کر فرماتے تف ہے تجھ درہم پر کہ جب تک تو صرف نہ ہو تجھ سے مجھے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ جب درہم حرام دروازہ سے داخل ہوتا ہے تو حق روشندان سے نکل جاتا ہے۔ کسی نے مذاق میں کہا کہ حضرات اگر روشندان بند کر دیا جائے تو پھر کیسے نکلے گا؟ آپ نے فرمایا کہ جہاں کو موت آئے گی اس راستہ سے نکل جائے گا۔ علاء بن زیاد فرماتے تھے کہ عالم اسی وقت کامل ہو سکتا ہے جبکہ وہ دنیا اور عورتوں سے پرہیز کرے (مگر طریق حلال مستثنا ہے)۔

سفیان ثوریؒ اکثر یہ اشعار پڑھتے تھے۔

انی وجدت فلا تظنوا غیرہ

ان التورع عند ھذا الدرھم

فاذا قدرت علیہ ثم ترکتہ

فاعلم بان تقاک تقوی المسلم

یعنی مجھے تحقیقی طور پر معلوم ہو چکا ہے۔ لہٰذا تم اس کے خلاف نہ سمجھنا کہ ورع روپیہ کے موقع پر قابل اعتبار ہے۔ پس جب تم اس پر قادر ہو جاؤ اور باوجود اس کے اس پر لات مار دو، اس وقت سمجھو کہ ہمارا تقوی سچے مسلمانوں کا تقوی ہے (اور جب تک یہ بات نہ ہو، اس وقت تک تقوی نہیں ہے بلکہ صرف تقوی کا دعوی ہے (پس تم کو چاہئے کہ ضرورت سے زائد دنیا سے بچو۔ اس سے بے رغبتی میں اپنے سلف کا اتباع کرو۔ اس سے تم اس کی آفتوں سے محفوظ رہو گے۔ والحمدللہ رب العالمین۔

خیر خواہی مرید

۴۶- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مرید کے لئے اللہ تعالی کی اطاعت کو اپنی خدمت پر مقدم رکھنے کو پسند کرتے ہیں، اور اس بناء پر جب وہ

اپنے کسی مرید کو بلائیں اور وہ تلاوت قرآن یا ذکر اللہ میں مشغول ہونے کے سبب نہ آوے تو (ان کو ناگواری نہیں ہوتی، کیونکہ) طاعت خداوندی ان کے نزدیک ان کی ضرورتوں سے خواہ وہ بہت ہی ضروری ہوں، جیسے آٹا پیسنا یا روٹی پکانا وغیرہ مقدم ہوتی ہے، اور یہ وہی خلق ہے جس پر وہی لوگ عمل کرتے ہیں جن میں رعونت نہیں ہے۔ اور جن کو حق تعالیٰ کی خوشی اس قدر محبوب ہے کہ وہ اس کو اپنی تمام خواہشات پر مقدم رکھتے ہیں (رہے وہ لوگ جن کی یہ حالت نہیں ہے سو وہ مرید کے اس فعل کو گستاخی اور نافرمانی سمجھ کر اس سے ناخوش ہوتے ہیں)۔

(اب میں اپنا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جو اس مقام کے مناسب ہے، وہ یہ ہے کہ) میرا درود شریف کے بارے میں ایک خاص معمول تھا۔ اتفاقاً ایک شب ذکر میں مجھے بڑا مزہ آیا اور میں اسی میں لگا رہا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ درود شریف کا معمول چھوٹ گیا۔ مجھے اس سے بہت شرمندگی ہوئی، کیونکہ مجھے جناب رسول اللہ ﷺ سے شرم آئی (کہ آپ فرمائیں گے کہ ہمیں بالکل بھول گیا)۔ خیر جب صبح ہوئی تو میں نے اس واقعہ کو اپنے شیخ علی خواص کے سامنے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس میں ندامت اور شرمندگی کی کوئی بات نہیں، کیونکہ یہ امر یقینی طور پر معلوم ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو خدا سے اپنے نفس سے زیادہ محبت ہے۔ اور جب واقعہ یہ ہے تو اب یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ آپ کو اس واقعہ سے تکدر ہوا ہوگا بلکہ یہ امر یقینی ہے کہ آپ کو ذکر اللہ سے بہ نسبت درود کے زیادہ خوشی ہوئی ہوگی۔ علاوہ ازیں درود میں بھی تو ذکر اللہ ہوتا ہے .... (پھر اگر ذکر اللہ کی جگہ تم نے دوسرا ذکر اللہ کرلیا تو اس میں ایسی کیا بات ہوگئی جس سے آپ کی ناخوشی کا شبہ ہو۔ اس واقعہ کی مناسبت اس مقام سے ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتی ہے، کیونکہ جس طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خدمت سے زیادہ ذکر اللہ سے خوش ہوتے ہیں) اور اسی طرح اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ شیخ کو چاہئے کہ مریدوں کو درود شریف میں مشغول دیکھ کر اس سے زیادہ خوش ہو جتنا کہ اس کو یہ کہتے سن کر خوش ہوتا ہے کہ اے اللہ میرے شیخ پر رحم فرما اور اس کو بخش دے وغیرہ وغیرہ، کیونکہ

جناب رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس ہر شیخ کو اپنی ذات اور اپنے گھر کے لوگوں سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ پس اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے۔ والحمدللہ رب العالمین

ترجیح دین بر دنیا

۴۷- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ آخرت کے کاموں کو دنیا کے کاموں پر مقدم رکھتے ہیں، اور اس بناء پر صبح کی نماز کے بعد اپنے معمول کو دوسری ضروریات پر مقدم رکھتے ہیں جس طرح کہ وہ سردی کی رات میں تہجد کو لحاف میں سونے پر مقدم رکھتے ہیں۔ اور سلف صالح کا یہی معمول رہا ہے۔

لہٰذا جس شخص کی یہ حالت ہو کہ اس کا اصلی مقصد دنیا ہو، وہ ان کے طریق سے خارج ہے۔

ایک مرتبہ میں نے ایک شیخ کو دیکھا کہ وہ سیر کے لئے باغ کو جانا چاہتا ہے۔ اور اس لئے اس نے روز کے معمول اور صبح کی جماعت کو چھوڑ دیا ہے اور صوفیہ کی وضع پر صوف کا عمامہ باندھے ہوئے ہے۔ اور شملہ بھی چھوڑ رکھا ہے۔ تب میں نے اس سے کہا کہ برادر اگر تم دھاریوں دار عمامہ باندھتے، اور دھاریوں دار کپڑا پہنتے۔ جیسا کہ رند لوگ کرتے ہیں۔ اور باایں ہمہ تم نماز صبح با جماعت ادا کرتے۔ اور اپنا معمول پورا کرتے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوتا۔ یہ سن کر وہ خاموش رہا اور کچھ جواب نہ دیا۔

یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس کے نزدیک ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنا۔ اور ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہنا۔ دنیا و ما فیہا سے بہتر نہ ہو وہ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہے۔

مالک بن دینارؒ فرماتے تھے کہ جو شخص دنیا سے رشتہ کرے گا وہ اس سے مہر میں اس کا پورا دین مانگے گی، اور بدون اس کے اس سے خوش نہ ہوگی۔

شیخ ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے تھے کہ دنیا شیطان کی بیٹی ہے۔ پس جو شخص اس سے رشتہ کرے گا۔ اس کے باپ شیطان کی آمدورفت اس کے یہاں زیادہ ہوگی اب

اگر وہ شخص اس سے ہم بستر بھی ہوگا تو اس کے یہاں وہ بالکل رہ پڑے گا۔آ ھ۔ میں کہتا ہوں کہ رشتہ سے مراد اس جگہ دنیا کی آرزو ہے۔اور ہمبستری سے مراد اس کا بلا غرض شرعی اور بلا ضرورت گھر میں رکھنا ہے۔واللہ اعلم۔

پس اس سے معلوم ہوگیا کہ جو شخص یہ چاہے کہ باوجود اس کی بیٹی سے شادی کر لینے کے شیطان اس کے پاس نہ رہے۔وہ طالب محال ہے (اور یہ امر بالکل ناممکن ہے پس جو شیطان سے بچنا چاہے اس کا طریق یہی ہے کہ دنیا سے دور رہے) اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ دل سے دنیا سے محبت کرتے ہیں ان کو نماز میں وضو میں غرض تمام اعمال صالحہ میں بہت سے شیطانی وساوس آتے ہیں۔والحمدللہ رب العلمین۔

سخاوت وانفاق مال

۴۸-**اللہ والوں کے اخلاق میں** سے ایک یہ بھی ہے۔کہ اپنے بعد ان کو اپنے بیوی بچوں وغیرہ کی بربادی کا اندیشہ نہیں ہوتا۔اور اسی وجہ سے ان کا قاعدہ تھا کہ جس قدر دنیا ان کے ہاتھ میں آتی۔وہ اس کو فوراً خرچ کر ڈالتے۔اور اندوختہ کچھ نہ رکھتے۔اور اگر ان کو اپنے بال بچوں کی بربادی کا خوف ہوتا۔تو ان پر حرص۔بخل اور خست مسلط ہو جاتے۔اور وہ صوفیہ کی صفات کے دائرہ سے نکل جاتے (اس سے معلوم ہوا کہ اگر حرص وبخل وغیرہ سے محفوظ رہ کر اپنے بال بچوں کا خیال رکھے تو مذموم نہیں)۔

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اولاد بخیل اور بزدل بنا دینے والی ہے (کیونکہ ان کے خیال سے نہ آدمی مال بے دریغ صرف کر سکتا ہے۔اور نہ خدا کے لئے جان بے دریغ دے سکتا ہے)۔

نیز حدیث شریف میں ہے کہ تیرا مال وہی ہے جو تو آگے بھیج دے یعنی خدا کے لئے صرف کر دے۔اور جو تو پیچھے چھوڑ دے وہ تیرا نہیں بلکہ تیرے وارثوں کا ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ اولاد آدم خوب خرچ کرو۔اور ان پھاڑنے والے درندوں یعنی اولاد بیویوں اور دوسرے رشتہ داروں اور خادموں سے دھوکا نہ

کھاؤ۔ کیونکہ تمہاری اولاد بمنزلہ شیر کے ہے۔ جو تمہاری مملوکات میں تم سے جھگڑتی ہے۔ تا کہ ان کو خود لے بیٹھے اور تمہیں ایک حبہ نہ دے۔ کیونکہ نہ وہ مرنے کے بعد اس کو تمہاری طرف سے خود صدقہ کرے گی۔ اور نہ تمہاری زندگی میں اس کو تمہارے قبضہ میں رہنے دے گی۔ تا کہ تم خود خدا کی خوشنودی کے لئے اس کو خرچ کر جاؤ۔ رہیں تمہاری بیویاں سو ان کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کتیا جو تمہارے سامنے دم ہلاتی اور کوں کرتی ہے (یعنی اولاد زور سے وصول کرتی ہے اور بیوی خوشامد و ناز و انداز سے لبھاتی ہے) رہے اور رشتہ دار سو ان کی یہ حالت ہے کہ ایک درہم جو تمہارے مرنے کے بعد انہیں ملے گا۔ وہ ان کو تمہاری زندگی سے زیادہ عزیز ہوگا۔ رہا تمہارا خادم سو وہ چال بازی اور چوری میں لومڑی کی مثل ہے۔ پس جب سب کی حالت معلوم ہوگئی تو ان سے محبت کی توقع نہ رکھو اور نہ ان کے لئے مال جمع کرو اور نہ اپنی کمر پر عاقبت کا بوجھ رکھو۔ کیونکہ یہ سب لوگ تم سے دھوکا کر رہے ہیں۔ (جو اس وقت دوستی ظاہر کر رہے ہیں) اور حقیقت یہ ہے کہ جب تمہیں قبر میں رکھ دیں گے تو اپنے گھر واپس آ کر کپڑوں کو خوشبو میں بسائیں گے۔ اور بیویوں سے ہم آغوش ہوں گے اور خوب کھائیں پئیں گے۔ اور تمہارے مال پر خوب اکڑیں گے (اور تمہیں بھول کر بھی یاد نہ کریں گے اور سب پر طرہ یہ ہوگا کہ مزہ وہ اڑائیں گے) اور باز پرس اس کی تم سے ہوگی۔

ابو حازمؒ فرماتے تھے کہ خوب خرچ کرو۔ اور اپنی اولاد کی بربادی کا اندیشہ نہ کرو کیونکہ اگر وہ مومن ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو بے حساب روزی دے گا اور اگر فاسق ہوں گے تو تم ان کے فسق پر اپنے مال سے ان کی اعانت نہ کرو۔

سالمؒ بن ابی الجعد کا قاعدہ تھا جو کچھ ان کے ہاتھ میں آتا جاتا۔ وہ برابر اس کو خرچ کرتے رہتے۔ ایک روز ان کی بیوی نے ان کو ملامت کی (اور کہا کہ تم میں یہ کیا بری عادت ہے کہ جو آتا ہے سب خرچ کر ڈالتے ہو) تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں دنیا سے اچھی حالت میں چلا جاؤں (اور تم کو بری حالت میں چھوڑ جاؤں) تو یہ اس سے اچھا ہے کہ میں بری حالت میں جاؤں اور تم کو اچھی حالت میں چھوڑ جاؤں۔

محمد بن یوسفؒ فرماتے تھے کہ اپنے نیک بھائی پر خرچ کرو۔ اور اپنے ورثاء کے لئے مال چھوڑنے کی کوشش نہ کرو۔ کیونکہ وہ نیک بھائی تمہارے لئے تمہارے وارثوں سے زیادہ نافع ہے: کیونکہ جب تم قبر میں مدفون ہوگے اس وقت وہ تمہارے احسانات کو یاد کر کے تمہارے لئے دعا کرتا رہے گا۔ اور اس کا نتیجہ ممکن ہے کہ یہ ہو کہ جب تم قیامت کے روز قبر سے نکلو تو اس کی دعا کی بدولت تم پر ایک بھی گناہ نہ ہو) رہے تمہارے وارث سو ان کی یہ حالت ہے، کہ.......... مال بانٹ لیں گے۔ اور تمہیں بھول جائیں گے اور تمہارا کچھ احسان بھی نہ مانیں گے اور کہیں گے کہ یہ مال ہم کو خدا نے دیا ہے۔ اس کا کیا احسان ہے۔

مالکؒ بن دینار کچھ بھی گھر میں نہ رکھتے تھے۔ بجز ایک نماز کے بورئے اور ایک قرآن اور وضو وغیرہ کے لوٹے کے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے ان کو ایک نیا مشکیزہ دے دیا تو جب صبح ہوئی تو انہوں نے اپنے کسی دوست کو دے دیا۔ اور فرمایا کہ بھائی تم اسے لے جاؤ۔ کیونکہ اس خیال سے کہیں کوئی اسے چرا نہ لے میرا دل اس میں پڑا رہا۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں ایک دوست سے ملنے گیا تو میں نے دیکھا کہ بھوک سے اس کی آنکھیں گڑ گئیں تھی۔ تب میں نے دو درہم نکالے اور کہا کہ یہ لو۔ ان کا کچھ خرید کر کھالینا۔ تا کہ تمہیں عبادت کے لئے قوت حاصل ہو۔ اس پر اس نے ان کے لینے سے انکار کیا۔ اور کہا کہ خدا تعالیٰ عبادت کی قوت بغیر کھائے پیئے بھی دے سکتا ہے، اور اگر میں ان کو لیتا ہوں تو مجھے ڈر ہے کہ کسی رات کو میرے پاس نہ رہ جاویں اور میں بلا کچھ خریدے ہوئے ہی مر جاؤں۔ حالانکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ہے۔ تو لوگوں کو آپ کے گھر میں نہ کوئی دینار ملا تھا۔ اور نہ درہم۔

محمد بن کعب قرظیؒ کا جس وقت انتقال ہونے لگا تو انہوں نے اپنا سب مال خرچ کر دیا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے اپنے بچوں کے لئے اس میں سے کچھ کیوں نہ رکھ لیا۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ میرا اپنے لئے جمع کرنا بال بچوں کے

لئے جمع کرنے سے بہتر ہے۔ رہے بال بچے سو میں نے ان کے لئے فضل خداوندی رکھ چھوڑا ہے۔ یحییٰ بن معاذؒ فرماتے تھے کہ ہم لوگ دنیا کی رسوائی اور اس کی محتاجی سے ڈرتے ہیں۔ مگر ہمیں آخرت کی رسوائی اور محتاجی کا خیال نہیں ہوتا۔ حالانکہ آدمی قیامت میں اعمال صالحہ سے خالی ہاتھ ہونے کے سبب لوگوں سے بہت زیادہ شرمندہ ہوگا پس نہایت برا ہے جو ہم لوگ کرر ہے ہیں۔ اور فرماتے تھے کہ خرچ اور کھانے پینے کی فکر نے غافلوں کے قلوب کو ہر بھلائی سے روک دیا ہے۔ ورنہ بخدا ایک درہم جو آدمی خیرات کرتا ہے۔ ان ہزار درہم سے بہتر ہے جو مرنے کے بعد چھوڑ جائے۔

مدائنیؒ فرماتے تھے کہ اولاد کو ادب کا وارث بنانا۔ ان کو مال کے وارث بنانے سے بہتر ہے۔ کیونکہ ادب سے ان کو مال و جاہ۔ اور لوگوں کی محبت حاصل ہوجاویگی۔ اور وہ ان کے لئے دنیا و آخرت کی بہبودی اکٹھا کردے گا۔ رہا مال سو وہ بہت جلد فنا ہوجاوے گا اور اس کے جاتے رہنے کے بعد وہ دنیا و آخرت دونوں سے محروم ہوجاویں گے۔ اور ہم نے اس مال کا جو لوگوں کو میراث میں ملتا ہے اکثر تجربہ کیا ہے سو ہم نے تو یہی دیکھا ہے کہ اس میں کچھ خیر و برکت نہیں۔ کیونکہ وہ وارث کا کمایا ہوا نہیں ہوتا (جس کا درد ہو۔ اس لئے وہ مال مفت دل بے رحم کا مصداق ہوتا ہے) نیز بسا اوقات مورث اس مال کو اپنے اعزہ وغیرہ پر صرف کرنے میں بخیل ہوتا ہے (اور اس لئے وہ تیار رہتے ہیں کہ یہ مرے تم ہم اسے اڑائیں۔ پس جب وہ مرتا ہے تو وارثوں کی بہت دنوں کی تمنا پوری ہوتی ہے۔ اور خوب دل کھول کر اپنے ارمان نکالتے ہیں۔ اس لئے وہ بہت جلد ختم ہوجاتا ہے) پس اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے (مال جمع کرنے کا اہتمام نہ کرنا چاہئے)۔ والحمد للہ رب العالمین۔

زیارت قبور

۴۹- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرنے کے لئے کہ تم قبروں کی زیارت کیا کرو۔

میں ایک مرتبہ بھی وہ وقت آجائے کہ آدمی صرف خدا کے لئے روئے تو امید ہے کہ انشاء اللہ اس کی نجات ہو جائے گی۔ آھ۔ میں کہتا ہوں کہ آدمی کے رونے کا مقام اسی وقت کامل ہوتا ہے۔ جبکہ اس کا رونا آنکھ اور دل دونوں سے ہوتا ہے۔ کیونکہ صرف ایک سے رونے والا ناقص ہے۔ بالخصوص جبکہ وہ شیخ ہو۔ اور اس کے متبعین بھی ہوں۔ اس کو تو زیادہ ضرورت ہے دونوں سے رونے کی۔ کیونکہ دل کے رونے کو اس کے متبعین نہیں دیکھ سکتے۔ اس لئے اس کو ضرورت ہوتی ہے آنکھ سے رونے کی (تاکہ ان پر اثر ہو) اگرچہ اس کا مقام اس سے ترقی کر گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

ایک شخص صلت بن اشیم کی مجلس میں ریا کے لئے رویا۔ اور اتنا رویا کہ لوگوں کو اس پر ترس آیا اس کے بعد اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ جاؤ اپنا معاوضہ انہی سے لو۔ جن کی نسبت تم پسند کرتے تھے کہ وہ تمہیں روتے دیکھیں۔

سعیط بن عجلان فرماتے تھے کہ سفیان ثوری جس وقت روتے تھے تو آنسوؤں کو آنکھوں ہی میں پھراتے رہتے ان کو نکلنے نہ دیتے اور فرماتے کہ اس سے سوز و رنج قلب میں باقی رہتا ہے (اور جی کھول کر رونے سے بھڑاس نکل جاتی ہے اور سوز و غم کا دل میں باقی رہنا اس کے نکلنے سے زیادہ مفید ہے۔)۔

عمرؒ بن عبدالعزیز جس وقت رونا شروع کرتے تو ان کی بیوی ان کے بچے ان کے خدمت گار سب رونے لگتے۔ اور ان کو یہ خبر نہ ہوتی کہ وہ کیوں رو رہے ہیں۔

صالح مری فرماتے کہ گناہ دلوں کو چوپٹ کر دیتے ہیں۔ اور اس کا علاج صرف رونا ہے۔

شعیبؒ بن حرب ایک مرتبہ طاؤسؒ کی مجلس میں روئے حتی کے اوروں کو بھی رُلا دیا اور یہ سمجھے کہ انہوں نے بڑا کام کیا۔ اس پر طاؤسؒ نے فرمایا کہ بھائی جان یہ سمجھ لو کہ اگر صرف ایک گناہ پر تم اور تمہارے ساتھ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات روتی تو یہ بھی کم تھا۔ پھر تم کیسے خیال کرتے ہو کہ تمہارے اکیلے رونے سے تمہارے سارے گناہ مٹ جاویں گے۔

کرتا ہوں۔

عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے آباؤ اجداد بنی امیہ کی قبروں کی زیارت کرتے اور فرماتے کہ اے میرے باپ دادا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم کبھی دنیا والوں کے ساتھ لذت اور تنعم میں شریک ہی نہ تھے۔ اور فرماتے تھے کہ ان قبرں کی ظاہری حالت کیسی اچھی ہے۔ مگر ان کے اندر مصیبتیں بھری پڑی ہیں (کیونکہ اکثر بنی امیہ دین میں کمزور تھے)۔

حسن بصریؒ نے ایک مرتبہ کسی کو قبرستان میں ہنستے دیکھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ کیا تیرے لئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ناپسند فرماتے تھے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ میت کا سات روز تک قبر میں امتحان ہوتا ہے اسی بناء پر لوگوں نے اس کو پسند کیا ہے کہ وہ ان ایام میں اس کی طرف سے صدقہ دیں۔ تا کہ اس کو مدد پہنچے۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو جواب تلقین کر دیا جائے (اس سے رسومات مروجہ پر استدلال نہ کیا جاوے کیونکہ اول تو سفیان تک اس روایت کا ثبوت نہیں معلوم، دوسرے یہ نہیں معلوم کہ سفیان کو یہ روایت کس طریق سے پہنچی ثالثاً جو طریق لوگوں نے اعانت کا اختراع کیا۔ اس کی شریعت میں کچھ اصل نہیں۔ رابعاً جس طریق سے اس زمانے میں ایصال ثواب کیا جاتا تھا آجکل اس طریق سے نہیں کیا جاتا۔ بلکہ محض رسمی طور پر کیا جاتا ہے۔ اور اس میں دیگر مفاسد اعتقادیہ وعملیہ بھی شامل ہو گئے۔ فافہم ۱۲ مترجم)۔

عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ ایک قبرستان پر میرا گذر ہوا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک قبر میں سے ایک شخص نکلا جس کے جسم پر سر سے پاؤں تک آگ لگی ہوئی تھی۔ اور اس نے مجھ سے کہا۔ کہ عبداللہ مجھے پانی پلا دے۔ میں نہ کہہ سکتا کہ اسے میرا نام معلوم تھا۔ یا اس نے اس طرح کہا جیسے کوئی ناواقف شخص دوسرے کو اللہ کا بندہ کہہ کر پکارتا ہے۔ غرض میں نے اسے پانی پلانے کا ارادہ کیا۔ تو اس شخص نے جو عذاب کے لئے اس پر مسلط تھا۔ مجھ سے کہا کہ اسے پانی نہ پلانا۔ اور وہ برابر اسے کوڑے سے مارتا

رہا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی قبر میں واپس چلا گیا اور قبر بند ہوگئی (یہ روایت سراسر گھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔اس پر اعتماد نہ چاہیے ۱۲ مترجم)۔

عطاء سلمی اکثر عشاء کے بعد قبرستان جاتے۔اور صبح تک باتیں کرتے۔ اور صبح کے وقت لوٹ آتے۔ان کی گفتگو یہ ہوتی۔اے قبرستان والو تم مر گئے۔ہائے رے موت (تو مجھے بھی نہ چھوڑے گی) اور تم نے اپنے اعمال کا مشاہدہ کرلیا ہائے رے برے اعمال (تم کیسے برے ہو غرض اس قسم کی باتیں ہوتی تھیں)۔

ایک مرتبہ عبداللہ بن عمرؓ کا ایک مقبرہ پر گذر ہوا تو آپ نے اپنی چادر بچھائی دو رکعتیں پڑھیں۔لوگوں نے اس کا سبب پوچھا۔آپ نے فرمایا کہ مجھے خیال ہوا کہ اہل قبور عبادت سے روک دیے گئے ہیں۔لہٰذا میں نے چاہا کہ ان کے درمیان دو رکعت پڑھ کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کروں (تاکہ ان کی برکت ان تک پہنچے)۔

ابوالدرداءؓ فرماتے تھے کہ جب تمہارے اعمال تمہارے مردوں تک پہنچتے ہیں، تو کبھی تو ان کو خوشی ہوتی ہے۔اور کبھی رنج (خوشی تو اچھے اعمال سے ہوتی ہے اور رنج برے اعمال سے) اور فرماتے تھے کہ اللہ میں تجھ سے ایسے اعمال سے پناہ مانگتا ہوں۔جن سے مردوں میں میرے مردے رسوا ہوں۔

حسن بصریؒ جب کسی کی میت کے دفن میں شریک ہوتے تو بیہوش ہو جاتے اور ہوش آنے کے بعد فرماتے کہ جس شے کا آخر یہ ہو وہ اس قابل ہے کہ اس کے اول سے دل نہ لگایا جاوے۔اور اس کے آخر سے ڈرتا رہے (مطلب یہ کہ حیات اس قابل نہیں ہے کہ اس سے دل بستگی پیدا کی جاوے۔اور موت سے ڈرتے رہنا چاہیے) نیز جاننا چاہیے کہ حضرات اہل اللہ کے اخلاق میں سے یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی حیات میں اپنی قبر تیار کریں۔کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا ادب کرتے ہیں۔وما تدری نفس بای ارض تموت۔یعنی کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں مرے گا۔اور کہاں دفن ہوگا (اور چونکہ مقصود ان کا دعویٰ نہیں ہوتا ہے کہ ہم ضرور یہیں مریں گے اور اسی جگہ دفن ہوں گے ورنہ کفر ہوتا۔بلکہ یہ قبر کھودنا محض بناءً علی الظاہر ہوتا ہے اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ اگر ہم یہیں

مرجاویں تو ہمیں اسی قبر میں دفن کیا جاوے۔اس لئے ترک ادب کہا گیا۔ کیونکہ بظاہر اس میں معاوضہ کی صورت ہے) مگر ہم تک یہ خبر پہنچی ہے (واللہ اعلم صحیح ہے یا غلط) کہ عمرؒ بن عبدالعزیز نے اپنے آدمیوں کی محبت میں دیر سمعان میں اپنی قبر خود کھودی تھی۔ اور عمر بن عبدالعزیز قبر کھودتے تھے۔ اوران کے آدمی مٹی اٹھاتے تھے۔ حتی کہ وہ اس سے فارغ ہوگئے اور ساتویں روز اسی میں مدفون ہوئے (سو اگر یہ واقعہ صحیح ہو تو یہ ایک شاذ واقعہ ہے۔ جس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بزرگوں کی عادت یہ تھی۔ تاکہ اس سے احتجاج کیا جاسکے)۔

اسی طرح ہمیں بنی خولان کے دو شخصوں کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے بھی اپنی قبر اپنی حیات میں قرافہ خطر کے دروازہ پر کھودی تھی اور سنگ مرمر کی سل پر اپنا نام کندہ کیا تھا اور یہ لکھا تھا کہ وہ وحدانیت خدا اور رسالت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت دیتے ہیں۔ اور میں نے اس کتبہ کو اپنی سیاحت کے زمانہ میں پڑھا ہے۔ اور نہ کوئی اپنی قبر پر قبہ بناتا تھا اور نہ کوئی اپنے لئے کوئی خاص حجرہ تیار کرتا تھا اور نہ کوئی اپنے لئے دیوار مزین کرتا تھا۔ اور نہ کوئی اپنے لئے قبر کے درجوں میں قمری پالتا تھا جیسا کہ آج کل کے صوفیوں میں یہ بلا پیدا ہوگئی ہے۔ اور بسا اوقات یہ تمام چیزیں ظالموں کے مال سے بنائی جاتی ہیں (اور اس لئے علاوہ بدعت کے ان میں ایک اور خرابی پیدا ہوجاتی ہے) پس اے نیک بھائی تجھے ان باتوں سے بچنا چاہئے۔ کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ میت یعنی قبروں کی زیارت کی جاتی ہے۔ حالانکہ قبر والے دوزخ میں جلتے ہوئے ہیں (پس تمہیں کیا خبر کہ مرنے کے بعد تمہاری کیا حالت ہوگی۔ جو قبر وغیرہ بنا کر لوگوں کو اپنی بزرگی کا یقین دلاؤ۔ اور انہیں دھوکا دو)۔

میں نے مشائخ عجم میں سے ایک شیخ کو دیکھا جس نے اپنی کتابیں اپنے کپڑے اپنے گھر کا سامان بیچ کر اپنے لئے ایک قبر۔ ایک تابوت پردہ اور شخاخیخ[1] وغیرہ

---

(۱) مترجم نے اس کو بلا ترجمہ چھوڑ دیا فارس میں شخیخہ کے معنی صوت صلاح وصوت فرخاں کے لکھے ہیں مضاف الیہ کے تعدد سے اتنا تو معلوم ہوا کہ ذی صوت میں تعدد ممکن ہے مقید سے مطلق مراد لے کر صوت طبول مراد لیا جاوے جو اکثر اولیاء کے مزارات پر معتاد ہیں یعنی دروازہ پر نقارے نکھوا دئے۔ واللہ اعلم ۱۲ مترجم۔

بنوائے۔ اوران چیزوں پر رقم کثیر صرف کر دی۔ اس کے بعد قبر کے دروازہ پر یہ اشعار لکھے:

وقف علی الباب خاضعا
واحسن الظن وارتج
فھو باب مجرب
لقضاء الحوائج

یعنی دروازہ پر جھک کر کھڑے ہو اور نیک گمان رکھو اور حصول مدعا کے امیدوار رہو یہ دروازہ حاجتوں کے پورا ہونے کے لئے بارہا کا آزمایا ہوا ہے (خلاصہ یہ ہے کہ ان اشعار میں لوگوں کو ترغیب دلائی ہے تا کہ وہ آئیں۔ اور آ کر منتیں مانیں۔ اور شیخ صاحب سے اپنے حصول مدعا کی درخواست کریں۔ اور اس کے ساتھ ہی ان کو ادب بھی سکھلایا ہے جو یہ ہے کہ دروازہ پر آ کر آداب سے کھڑے ہو۔ اور دل میں خیال رکھو کہ پیر صاحب ہماری حاجت پوری کر دیں گے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو کوئی اس قبر اور اس تحریر کو دیکھتا۔ وہی ان پیر صاحب پر ہنستا۔ اور کہتا کہ بیچارے کو یہ اندیشہ ہوا کہ مرنے کے بعد کوئی نہ پوچھے گا۔ اس لئے اس نے زندگی ہی میں یہ تدبیر کر دی کہ (ناواقف دھوکا کھا کر پھنس جائیں اور ایک دو کی اتفاقی طور حاجتوں کے پورا ہو جانے سے) وہ پیر مشہور ہو جائیں (اور سجادہ نشینوں اور مجاوروں کے گھرے ہو جائیں) اور یہ سب دھوکہ دہی اور بزرگوں کے ساتھ تمسخر کا دروازہ کھولنا ہے۔ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم. والحمد للہ رب العلمین**۔

کثرت ذکر الٰہی

۵۰- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جس مجلس میں بیٹھتے ہیں ذکر اللہ اور درود شریف سے غافل نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ جناب رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کرتے ہیں۔ کہ جو لوگ کوئی ایسی نشست کریں گے جس میں نہ وہ خدا کا

ذکر کریں اور نہ اپنے نبی پر درود بھیجیں .... وہ نشست ان کے لئے قیامت میں ضرور موجب مواخذہ وانتقام ہوگی۔ نیز وہ جناب رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کرتے ہیں۔ کہ اہل جنت کو کسی چیز پر حسرت نہ ہوگی۔ بجز اس ساعت کے جوان پر یوں گذری ہے کہ جس میں انہوں نے ذکر اللہ نہیں کیا۔ آھ۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ نے فاذکرونی اذکرکم (یعنی تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا) فرما کر اس میں کسی خاص جگہ کی قید نہ لگا کے ہمارے لئے آسانی کر دی ہے (جو کہ اس کا نہایت احسان ہے لیکن اگر وہ ذکر کے لئے کوئی جگہ مقرر فرمادیتے۔ جیسا کہ انہوں نے حج کے لئے کعبہ مقرر فرمادیا ہے۔ تب بھی ہم پر اس کی طرف جانا اور وہاں جا کر ذکر اللہ کرنا واجب ہوتا۔

اگر چہ وہ مقام سو برس کی مسافت پر ہوتا۔ پس اس کا شکر ہے اور احسان ہے (اور جب واقعہ یہ ہے تو جو لوگ اس آسانی کی حالت میں خدا کا ذکر نہیں کرتے، وہ کیونکر معذور ہوں گے)۔

فضیل بن عیاض فرماتے تھے کہ جب تم اپنی مجلسوں میں مخلوق کا ذکر کیا کرو تو خدا کا ذکر بھی کر لیا کرو۔ کیونکہ ذکر خدا ذکر مخلوق کی بیماری کی دوا ہے۔

جو شخص ابرہیم بن ادہم کی مریدی کا قصد کرتا آپ اس سے شرط کر لیتے کہ بھائی ہماری مجلس میں ذکر اللہ سے غافل نہ ہونا۔

عطاء سلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ گنہگار کو چاہئے کہ خدا کا ذکر تو بہ واستغفار کے بعد کرے۔ کیونکہ گنہگار جب گناہ پر مصر ہوتا ہے اور اس حالت میں خدا کا ذکر کرتا ہے تو وہ ذکر اس پر لعنت کرتا ہے۔ آھ۔ میں کہتا ہوں کہ یہ گفتگو حضرات صوفیہ کے مشرب پر ہے۔ اور ان کا مشرب یہ ہے۔ کہ جب وہ ذکر اللہ کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے پہلے بوجہ احتیاط کے اور بدیں خیال کہ شاید انہوں نے اپنے نفس پر کسی قسم کا ظلم کیا ہو۔ خواہ ارتکاب مکروہ سے خواہ غفلت سے خواہ مذموم وسوسہ سے۔ الی غیر ذالک توبہ و استغفار کر لیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو آدمی دنیا سے جاتا ہے وہ پیاسا ہوتا ہے بجز ذاکرین کے (کہ وہ پیاسے نہیں ہوتے، کیونکہ وہ ذکر اللہ سے سیراب ہوتے ہیں)۔

وہب بن الورؒ فرماتے تھے کہ سب سے زیادہ خدا کا مقرب وہ ہے جو مجلس کو ذکر اللہ سے شروع کرے (کیونکہ سب سے اول اس کا ذکر اللہ شروع کرنا دلالت کرتا ہے اس پر کہ وہ خدا کو سب سے زیادہ یاد رکھتا ہے اور یہ دلیل ہے اس کے سب سے زیادہ تقرب کی) اور ثابت بنانی فرماتے ہیں کہ میں جان لیتا ہوں جب خدا مجھے یاد کرتا ہے۔ لوگوں نے دریافت کیا یہ کیسے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا پس جب میں خدا کو یاد کرتا ہوں سمجھ لیتا ہوں کہ وہ مجھے یاد فرماتے ہیں۔

ابو ملیحؒ کا قاعدہ تھا کہ جب وہ ذکر اللہ کرتے تو وجد میں آجاتے اور فرماتے کہ مجھے اس پر وجد آتا ہے کہ حق تعالیٰ مجھے یاد کرتے ہیں کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا نیز ان کا قاعدہ تھا کہ جب وہ راستہ میں چلتے ہوتے اور کسی وجہ سے خدا کی یاد سے غفلت ہو جاتی تو پھر لوٹتے اگرچہ ایک منزل طے کر چکے ہوتے اور دوبارہ یاد الٰہی کے ساتھ چلتے اور فرماتے کہ میں چاہتا ہوں کہ جس جس زمین پر میں چلوں قیامت میں تمام میرے ذکر اللہ کی شہادت دیں۔

داؤد علیہ السلام فرماتے۔ کہ اے اللہ مجھے اپنے یاد کرنے والوں میں رکھنا۔ اور جب کہ تو مجھے دیکھے کہ میں ذاکرین کی مجلس سے اٹھ کر غافلین کی مجلس میں جاتا ہوں تو تو میرا پاؤں توڑ دینا یہ تیرا مجھ پر انعام واحسان ہوگا۔

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ صاحبو دلوں کو تھوڑی دیر میں نئے سرے سے خدا کی یاد دلاتے رہو، کیونکہ وہ بہت جلد غافل ہو جاتے ہیں۔

وہب بن منبہؒ فرماتے تھے کہ لوگ بھی عجیب ہیں۔ اس پر روتے ہیں جس کا جسم مر گیا ہو۔ اور اس پر نہیں روتے جس کا دل مردہ ہو گیا ہو حالانکہ دل کا مردہ ہونا جسم

کے مردہ ہونے سے زیادہ سخت حادثہ ہے۔

تسیر بن منصورؒ لوگوں کے ساتھ نشست برخاست بہت کم رکھتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ لوگوں کے ساتھ اکٹھا ہونا غفلتوں کے نزول کا مقام ہے (یعنی جب دو یا زیادہ آدمی اکھٹے ہوتے ہیں تو ان پر مختلف وجوہ سے غفلتیں طاری ہوتی ہے) اور فرماتے کہ بخدا جب کوئی میرے پاس بیٹھتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ اس کا نہ بیٹھنا بہتر تھا کیونکہ اس میں اس کے لئے بھی بھلائی تھی اور میرے لئے بھی آہ (یہ گفتگو فضول صحبتوں کے متعلق ہے۔ اور ضروری صحبتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ مترجم) پس اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے۔ والحمدللہ رب العلمین۔

کم سونا

۵۱- **اللہ والوں کے اخلاق میں** سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ وہ زمین پر کمر نہیں لگاتے۔ ہاں جس حالت میں وہ بیٹھنے سے معذور ہو جاویں اور سمجھ لیں کہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کرے گا۔ ایسی حالت میں مجبوری ہے۔

آخری شخص جن کو میں نے اس روش پر پایا ہے سیدی شیخ تاج الدین ذاکرؒ تھے۔ کیونکہ جس رات کو ان کا انتقال ہوا ہے۔ اس رات کو انہوں نے اپنے مخلصین سے (بغرض ترغیب نہ بطور اظہار کمال) فرمایا تھا کہ میں نے ستائیس برس سے زمین کو کمر نہیں لگائی۔

یہی حالت سیدی شیخ ابوالسعودؒ جارحی کی تھی۔ اور سلف میں اس روش پر عمرؒ بن عبدالعزیز۔ بشرؒ حافی۔ محمدؒ بن اسمعیل بخاری۔ امام احمدؒ بن حنبل امام ابوحنیفہؒ رابعہ عدویہؒ، اوزاعیؒ اور ایک دوسری جماعت تھی جس کا ہم نے طبقات میں ذکر کیا ہے۔

عمرؒ بن عبدالعزیز کا قاعدہ تھا کہ جب ان کو نیند آتی تو مکان میں دوڑتے اور یہ شعر پڑھتے۔

وكيف تنام العين وهي قدير

ولم تدر في اى المحلين تنزل

یعنی آنکھ سکھ چین سے کیسے سوتی ہے جبکہ
اسے یہ معلوم نہیں کہ وہ دوزخ میں جاوے
گی یا جنت میں۔

غرضیکہ اس طرح نیند کو اڑا دیتے۔ اور یہی حالت رابعہؒ عدویہ اور شعوانہؒ اور فاطمہ رہلیہ کی تھی۔ وہ فرماتی تھیں کہ ہم اس لئے نہیں سوتیں کہ مبادا ہم کو اچانک گرفتار کرلیا جاوے (اور ہم معذرت توبہ واستغفار وغیرہ بھی نہ کرسکیں) پس اس بیان سے معلوم ہوا کہ جو شخص مدعی زہد وصلاح ہو اور تہجد کے اوقات میں بلا عذر پڑا سوتا رہے۔ وہ جھوٹا ہے اس کو خوب سمجھ لو۔ والحمد لله رب العلمين.

رقت قلب گریہ وبکا

۵۲- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ رقیق القلب ہوتے ہیں اور اپنی ان کوتاہیوں پر جو حقوق اللہ کے متعلق ان سے صادر ہوئی ہیں بہت روتے ہیں۔ بدیں خیال کہ شاید اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرماوے۔

یہ مقام حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم کو حاصل تھا۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ آنسوؤں کے بہنے سے ان کے چہرہ پر دو سیاہ لکیریں ہوگئی تھیں۔ اور یہی حالت عبداللہؓ بن عباس۔ عمر بن عبدالعزیز یزید رقاشی۔ فضیل بن عیاض۔ بشر حافی۔ معروف کرخی رحمہم اللہ کی تھی۔ یزید رقاشی کا قاعدہ تھا کہ جب مکان میں جاتے اس وقت روتے۔ جب کھانا سامنے آتا اس وقت روتے۔ جب ان کے احباب ان کے پاس بیٹھتے اس وقت روتے۔ اور ان کو بھی ساتھ میں رلاتے۔ اور فرماتے تھے کہ کیا آگ مجھ جیسے نالائق کے سوا اور کسی کے لئے پیدا ہوئی ہے (ہرگز نہیں بلکہ دوزخ ایسوں ہی کے لئے بنی ہے جیسا میں ہوں)۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کا قاعدہ تھا کہ وہ رات بھر روتے رہتے، اور گھر میں دوڑتے رہتے اور صبح تک آہ وزاری کرتے رہتے۔ اور بسا اوقات بیہوش ہوکر گر پڑتے۔ اور ان کا قاعدہ تھا کہ بالاخانہ کی چھت پر نماز پڑھتے اور سجدہ میں اس قدر روتے کہ آنسو بہ کر پرنالے میں سونے والوں پر ٹپکتے، جس سے سونے والوں کو خیال ہوتا تھا کہ کوئی بدلی گذر رہی ہے۔ اور بوندیں گر رہی ہیں۔

رابعہ عدویہ کا قاعدہ تھا کہ وہ روتی جاتی تھیں اور آنسو پونچھ پونچھ کر اپنے آس پاس چھڑکتی جاتی تھیں اور اس سے زمین کی یہ حالت ہو جاتی تھی۔ کہ آنے والا سمجھتا تھا کہ انہوں نے یہاں وضو کیا ہے۔

ابن السماکؒ کا قاعدہ تھا کہ جب ان کی مجلس گرم ہوتی، اور لوگ رونے لگتے تو وہ (ان کے عجب کے علاج کے لئے) حضرت داؤد علیہ السلام۔ سفیان ثوریؒ۔ داؤد طائیؒ۔ فضیل بن عیاض اور عمرؒ بن عبدالعزیز۔ اور ان کے مثل اور لوگوں کے رونے کی حالت بیان کرتے جس سے لوگ اپنے رونے کو معمولی سمجھ لیتے۔ (اور اس سے عجب کا احتمال دفع ہو جاتا)۔

کعب احبارؓ بیان فرماتے تھے کہ میرا خدا کے خوف سے ایک آنسو بہانا مجھے اس سے پیارا ہے کہ میں سخت دل ہوکر سونے کا پہاڑ خرچ کردوں۔

حضرت علیؓ فرماتے تھے۔ کہ نیکوں کی علامتیں یہ ہیں۔ کہ بیداری اور رونے اور بھوک کی کثرت سے ان کی رنگت زرد ہو۔ آنکھیں ان کی چندھی ہوگئی ہوں۔ ان کے ہونٹ سوکھ گئے ہوں۔ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ رونا یہ نہیں ہے کہ آنکھ سے آنسو نکلنے لگیں بلکہ اصلی رونا دل کا رونا ہے۔ کیونکہ آدمی کبھی آنکھوں سے روتا ہے مگر اس کے دل پر ذرا بھی اثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ منافق کا رونا سر سے ہوتا ہے نہ کہ دل سے۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ رونے کے دس حصہ ہیں۔ جن میں سے نو حصہ تو ریا سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ایک حصہ خدا کے خوف سے پس جب سال بھر

میں ایک مرتبہ بھی وہ وقت آجائے کہ آدمی صرف خدا کے لئے روئے تو امید ہے کہ انشاء اللہ اس کی نجات ہو جائے گی۔ آھ۔ میں کہتا ہوں کہ آدمی کے رونے کا مقام اسی وقت کامل ہوتا ہے۔ جبکہ اس کا رونا آنکھ اور دل دونوں سے ہوتا ہے۔ کیونکہ صرف ایک سے رونے والا ناقص ہے۔ بالخصوص جبکہ وہ شیخ ہو۔ اور اس کے متبعین بھی ہوں۔ اس کو تو زیادہ ضرورت ہے دونوں سے رونے کی۔ کیونکہ دل کے رونے کو اس کے متبعین نہیں دیکھ سکتے۔ اس لئے اس کو ضرورت ہوتی ہے آنکھ سے رونے کی (تا کہ ان پر اثر ہو) اگرچہ اس کا مقام اس سے ترقی کر گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

ایک شخص صلت بن اشیم کی مجلس میں ریا کے لئے رویا۔ اور اتنا رویا کہ لوگوں کو اس پر ترس آیا اس کے بعد اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ جاؤ اپنا معاوضہ انہی سے لو۔ جن کی نسبت تم پسند کرتے تھے کہ وہ تمہیں روتے دیکھیں۔

سعیط بن عجلان فرماتے تھے کہ سفیان ثوری جس وقت روتے تھے تو آنسوؤں کو آنکھوں ہی میں پھراتے رہتے ان کو نکلنے نہ دیتے اور فرماتے کہ اس سے سوز و رنج قلب میں باقی رہتا ہے (اور جی کھول کر رونے سے بھڑاس نکل جاتی ہے اور سوز و غم کا دل میں باقی رہنا اس کے نکلنے سے زیادہ مفید ہے۔)۔

عمرؒ بن عبدالعزیز جس وقت رونا شروع کرتے تو ان کی بیوی ان کے بچے ان کے خدمت گار سب رونے لگتے۔ اور ان کو یہ خبر نہ ہوتی کہ وہ کیوں رو رہے ہیں۔

صالح مری فرماتے کہ گناہ دلوں کو چوپٹ کر دیتے ہیں۔ اور اس کا علاج صرف رونا ہے۔

شعیبؒ بن حرب ایک مرتبہ طاؤسؒ کی مجلس میں روئے حتی کے اوروں کو بھی رُلا دیا اور یہ سمجھے کہ انہوں نے بڑا کام کیا۔ اس پر طاؤسؒ نے فرمایا کہ بھائی جان یہ سمجھ لو کہ اگر صرف ایک گناہ پر تم اور تمہارے ساتھ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات روتی تو یہ بھی کم تھا۔ پھر تم کیسے خیال کرتے ہو کہ تمہارے اکیلے رونے سے تمہارے سارے گناہ مٹ جاویں گے۔

مالک بن دینار سے کسی نے کہا کہ اجازت ہو تو میں آپ کے لئے ایک قاری بلا دوں۔ جو آپ کو قرآن سنایا کرے۔ فرمایا کہ میاں جس عورت کا بچہ مرجاوے اسے نوحہ گر کی ضرورت نہیں ہوتی (پس جب میں خود مصیبت زدہ ہوں تو میرے رونے کے لئے میری مصیبت خود کافی ہے۔ اور مجھے اس کی ضرورت نہیں کہ مجھے دوسرا کوئی رُلائے)۔

ضحاک رحمۃ اللہ علیہ ہر شام کو اتنا روتے کہ بیہوش ہو جاتے اور فرماتے مجھے معلوم نہیں کہ جو میرے برے اعمال آج آسمان پر گئے ہیں۔ آیا وہ بخش دیئے گئے۔ یا وہ میرے نامہ اعمال میں ہنوز باقی ہیں۔ اور کل وہ میرے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ اور میں ان پر مطلع ہوں گا۔

مکحول دمشقیؒ فرماتے تھے کہ جب کسی کو روتا دیکھو۔ تو تم بھی روؤ اور یہ نہ خیال کرو کہ وہ ریا سے ایسا کرتا ہے۔ کیونکہ ایک مرتبہ میں نے ایسا ہی خیال کیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی سزا میں ایک سال تک مجھے رونے سے محروم کر دیا گیا۔ آہ۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص نیکی اور پارسائی کا مدعی ہو اور وہ قرآن سن کر دل سے نہ روئے تو وہ چھوٹا ہے۔ کیونکہ سختی قلب اخلاق صالحین کے خلاف ہے۔ پس اسے خوب سمجھ لو۔ والحمدللہ رب العلمین۔

محاسبۂ نفس

۵۳- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ معاصی میں ہنسنا تو درکنار۔ وہ اپنی نسبت طاعات میں کوتاہی کرنے کے سبب ہلاکت کا خیال کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ خدا سے اس کی امید کرنا کہ وہ ہماری خطاؤں کو معاف کردے گا۔ تحصیل حاصل ہے (کیونکہ یہ توقع تو اعتقاداً پہلے سے حاصل ہے)۔ اب جو کرنے کا کام ہے وہ یہ ہے کہ آدمی یہ خیال کرے کہ حق تعالیٰ اس سے چھوٹی بات پر مواخدہ کرے گا۔ تاکہ اسے قیامت میں حساب کے لئے کھڑے ہونے کا خوف ہو (اور وہ

اپنے نفس کا محاسبہ خود کیا کرے) کیونکہ جو شخص خود اپنے نفس کا محاسبہ نہیں کرتا اس کو قیامت میں محاسبہ کے لئے دیر تک ٹھہرنا پڑے گا (بوجہ گناہوں کی زیادتی کے ۔ اور جو شخص خود محاسبہ کرنے کا عادی ہو ۔ اس کو زیادہ دیر نہ لگے گی ۔ کیونکہ وہ دنیا میں اپنے اعمال کی اصلاح بہت کچھ کر چکا ہوگا) ۔

عبدالرحمٰن بن ہرمزالاعرج فرماتے تھے کہ ہر شخص کو اپنے اعمال کی تفتیش کرتے رہنا چاہئے کیونکہ قیامت میں ہر شخص اپنے ہم جنس کے ساتھ محشور ہوگا ۔ پس جو تمام معاصی میں گرفتار ہوگا ۔ اس کا حشر ہر جماعت کے ساتھ ہوگا ۔ نیز وہ اکثر اپنے نفس پر عتاب فرماتے اور اس کو ڈانٹتے رہتے ۔ اور فرماتے تھے کہ قیامت میں منادی آواز دے گا اے فلاں گناہ کرنے والو (اٹھو تمہارا مقدمہ پیش ہے) پس اے اعرج تو ان میں بھی اٹھے گا (کیونکہ تو بھی وہ گناہ کرتا ہے) اس کے بعد وہ پھر دوسرے گروہ کو بلائے گا اور کہے گا کہ فلاں گناہ کرنے والو (اٹھو تمہارا مقدمہ پیش ہے) پس یہ اے اعرج تو ان میں بھی اٹھے گا (کیونکہ تو وہ گناہ بھی کرتا ہے) وہ پھر آواز دے گا کہ اے فلاں گناہ کرنے والو (اٹھو تمہارا مقدمہ پیش ہے) سوائے اعرج تو ان میں بھی اٹھے گا (کیونکہ تو وہ گناہ بھی کرتا ہے) وہ پھر آواز دے گا کہ اے فلاں گناہ کرنے والو (اٹھو تمہارا مقدمہ پیش ہے) سوائے اعرج تو بھی ان میں اٹھے گا (کیونکہ تو وہ گناہ بھی کرتا ہے) غرض میں تو سمجھتا ہوں کہ تجھے ہر فرقہ کے ساتھ اٹھنا ہوگا (کیونکہ کوئی گناہ ایسا نہیں جو تو نہ کرتا ہو) ۔

سیدی علیؒ خواص فرماتے تھے کہ فقیر اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی یہ حالت نہ ہو ۔ کہ احوال قیامت رات دن اس کے پیش نظر رہیں ۔ تاکہ وہ دنیا ہی سے اس کے لئے تیار ہو کر جاوے ۔ نیز وہ اکثر فرماتے رہتے تھے کہ جو شخص قبر میں سکون قلب چاہے ۔ اس کو چاہئے کہ وہ کوئی ایسی خصلت نہ رکھے جس سے قیامت میں رسوا ہو ۔ اور جب تک اس کے اندر کوئی بری خصلت ہوگی اس وقت تک اس کے لئے خوف لازم ہے ۔ یہاں تک کہ وہ قبر سے بھی خوف زدہ ہی اٹھے گا (کیونکہ اس کو یہ خطرہ رہے

گا) کہ شاید میری اس خصلت پر مواخذہ ہو اور سزا ہو جاوے)۔

اسی وجہ سے لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے سے فرماتے تھے کہ بیٹا۔ جس طرح تم سوتے ہو۔ اسی طرح مرو گے۔ اور جس طرح تم جاگتے ہو۔ اسی طرح تم قبر سے اٹھو گے۔

اور جب واقعہ یہ ہے تو اب تمہیں نیک کام کرنے چاہئے تاکہ تمہارا سونا اور جاگنا دلہن کا سا ہو اور کوئی برا کام نہ کرو، ورنہ تمہارا سونا اور جاگنا مجرم کا سا ہوگا، جس کو بادشاہ قتل کے لئے طلب کرتا ہے۔ یعنی تم سوؤ گے تو خوف زدہ، اور جاگو گے تو خوف زدہ۔

اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دنیا میں جس قدر تم ڈر سکو ڈر لو، کیونکہ اس وقت کا ڈر تمہیں عذاب سے نجات دینے والا ہے۔

سیدی علی خواص فرماتے تھے کہ اپنے لئے خود عمل کرو۔ اور نہ کسی دوست پر اعتماد کرو۔ اور نہ کسی پیر پر، کیونکہ وہاں ہر ایک اپنی فکر میں لگا ہوگا اور تمہاری خبر کوئی نہ لے گا۔ اور اپنے اعمال کو خرابیوں سے پاک وصاف کرلو، کیونکہ قیامت کے روز ان میں اسی قدر نور ہوگا جس قدر ان میں اخلاص ہوگا۔ اور یہ خوب سمجھ لو کہ منافق دین کے نور سے روشنی حاصل نہیں کرسکتا، جس طرح اندھا آنکھوں والے کے نور سے روشنی نہیں حاصل کرسکتا۔

کعب احبارؓ فرماتے تھے کہ جو شخص دروازہ بند کر کے خدا کی نافرمانی کرے گا اور مخلوق سے شرمائے گا اور خدا سے نہ شرمائے گا، حق سبحانہ وتعالیٰ اس سے سخت حساب لیں گے اور بری طرح اس کو دھمکا دیں گے۔ پھر اس کی طرف نظر قہر سے دیکھیں گے، اور اپنے فرشتوں سے فرمائیں گے کہ اسے پکڑو۔ اس پر ہزار ہا فرشتے اسے دوڑ کر پکڑ لیں گے اور اس کو منہ کے بل کھینچیں گے۔ وہ فرماتے تھے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ان کے ہاتھوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جاوے گا۔ اب اے بھائی تو سوچ کہ تو تو اس بلا میں مبتلا نہیں ہے (اگر ہے اور ضرور ہے تو توبہ کر) اور خدا کے نبیوں اور اس کے رسولوں کے وسیلہ حق تعالیٰ سے بخشش کی دعا کر۔ ممکن ہے کہ حق تعالیٰ ان لوگوں کے طفیل سے جن

سے تو نے توسل کیا ہے، تیرے گناہ معاف فرماویں۔

ربیع بن خثیم اپنے نفس سے فرماتے کہ ربیع جب زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر دفعتہً ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا، اس وقت تیرا کیا حال ہوگا؟

ابو عمران جونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ جب حیوانات اس برتاؤ کو دیکھیں گے جو قیامت میں گنہگار آدمیوں کے ساتھ کیا جاوے گا تو کہیں گے: خدا کا شکر ہے ہمیں آدمی نہ بنایا۔

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے تھے کہ تم کوشش کرو کہ ان لوگوں سے نہ ہو جن کو میزان عدل اور محاسبہ قیامت میں رسوا کریں گے، کیونکہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ تمام مجمع حق تعالیٰ سے شرما کر انگشت بدنداں ہوگا، اور ہر ایک کا غم اس قدر ہوگا جس قدر کہ اس نے خدا کے معاملہ میں کوتاہی کی ہوگی۔

میں نے سیدی علیؒ خواص سے سنا ہے: وہ فرماتے تھے کہ آدمی کو نزع کے وقت اتنی ہی آسانی ہوتی ہے جس قدر کہ وہ حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کر چکا ہے۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ انبیاء علیہم السلام کو تو سب سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے اور باوجود اس کے ان پر مرض موت اور نزع وغیرہ میں نہایت سختی کی جاتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ انبیاء کی سختی دوسری نوعیت کی ہوتی ہے، کیونکہ وہ سختی متعلقات دنیویہ کی بناء پر نہیں ہوتی (جو زیر بحث ہے)، اور نہ ان کی سختی کو اس پر محمول کرنا چاہئے بلکہ ان کی سختی اجر بڑھانے کے لئے ہوتی ہے۔ اور بعض کی سختی نزع کا سبب ان کے شاگرد و زیر تربیت اشخاص ہوتے ہیں، کیونکہ ان کی روح باوجود محبت لقاء اللہ کے اس وقت تک اس دنیا سے نہیں جانا چاہتی جب تک وہ ان کی تکمیل نہ کر دے، اور ان کی مقام کمال معرفت تک رہنمائی نہ کر دے۔ پس جب دو خواہشوں میں کھینچا تانی ہوتی ہے (اور خدا سے ملنے کا شوق اس کو خروج پر آمادہ کرتا ہے، اور شاگردوں پر شفقت عدم خروج پر آمادہ کرتی ہے) تو اس سے روح کے نکلنے میں دشواری ہوتی ہے۔ اور اگر اس کو اپنے شاگردوں پر کمال شفقت نہ ہوتی تو وہ خدا سے

ملنے کے شوق میں نہایت آسانی سے نکل جاتی۔

وہب بن منبہ فرماتے تھے کہ بنی اسرائیل نے عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ وہ سام بن نوح علیہ السلام کو ان کی خاطر زندہ کر دیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ اچھا مجھے اس کی قبر دکھادو۔ اس پر وہ ان کو اس کی قبر پر لے گئے اور انہوں نے اس کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے سام حق تعالیٰ کے حکم سے اٹھ کھڑا ہو۔ یہ سن کر وہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ اس کی ڈاڑھی اور سر سب سفید ہیں۔ یہ دیکھ کر عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تو مرا تھا تو اس وقت تیرے بال سیاہ تھے (اب یہ سفید کیوں ہیں؟) اس نے جواب میں کہا کہ آپ صحیح فرماتے ہیں مگر جب میں نے آپ کی آواز سنی تو میں سمجھا کہ قیامت آ گئی۔ اس کی وجہ سے میرا سر اور ڈاڑھی دونوں سفید ہو گئے ہیں (اس سے قیامت کی دہشت کا اندازہ کر لیجئے)۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم کو مرے ہوئے کتنے دن ہوئے؟ اس نے کہا پانچ ہزار برس ہوئے، اور باوجود اس کے ہنوز موت کی گرمی دور نہیں ہوئی (اور میں سمجھتا ہوں کہ ابھی مرا ہوں)۔ نیز جب عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے قیامت کا ذکر ہوتا تو یوں چیختے جیسے وہ عورت چیختی ہے جس کا بچہ مر گیا ہو۔ اور فرماتے کہ مریم کے بیٹے کے لئے زیبا نہیں کہ وہ قیامت کا ذکر سن کر خاموش رہے۔

وہب کیؒ فرماتے تھے کہ کسی کو کب زیبا ہے کہ وہ دنیا میں ہنسے جبکہ وہ یہ جانتا ہے کہ اس کے سامنے قیامت میں وہ نالہ و فریاد اور وہ حرکات و سکنات ہیں جن کو دیکھ کر شدت رعب و خوف سے آدمی کے جوڑ جدا ہونے کو ہو جاویں گے۔

عبداللہ بن مسعودؓ حق تعالیٰ کے قول ﴿فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنة﴾ کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ یہ مقدار ہفتہ کے روز طلوع شمس سے دوپہر تک ہوگی۔ اور دوپہر ہونے نہ پائے گا کہ مخلوق حساب سے فارغ ہو جاوے گی اور اہل جنت جنت میں جا ٹھہریں گے اور اہل دوزخ دوزخ میں، (مگر یہ روایت عبداللہ بن مسعودؓ سے ثابت نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ قیامت جمعہ کے روز ہوگی نہ کہ ہفتہ کو۔ ہاں تفسیر نیشا

پوری میں حسن بصریؒ سے یہی مضمون بلا سند منقول ہے مگر اس میں ہفتہ کے دن کا ذکر نہیں۔ واللہ اعلم مترجم)۔

سیدی علی خواصؒ فرماتے تھے کہ جو شخص باغوں میں سیر کرتے اور خوبصورت عورتوں کے نرم بستروں پر سونے اور خوشبودار لباس پہننے کی خواہش اپنے اندر پائے، وہ قیامت کے ہولناک واقعات سے غافل ہے۔ ہاں اگر اولیاء کاملین سے ہو جن کو دونوں جہان کی کوئی نعمت خدا سے غافل نہیں کرتی تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ پس اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

طول امل سے احتراز

۵۴- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مکانات وغیرہ بنانے کا اہتمام نہیں کرتے۔ پھر اگر کوئی شخص ان میں سے مکان بناتا بھی ہے تو اسی قدر پر اکتفا کرتا ہے جس سے ضرورت رفع ہو جاوے، اور زیبائش و آرائش کا اہتمام نہیں کرتا، جس کی دو وجہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ اتنا حلال مال ملنا مشکل ہے کہ وہ اس سے مکانات بنائیں اور انہیں خوب سجائیں۔ دوسرے انہیں اتنی لمبی چوڑی امیدیں نہیں ہوتیں کہ وہ ان کے بنانے اور سجانے کی زحمت گوارا کر کے ان سے ایک معتد بہ مدت تک منتفع ہوں گے (بلکہ ان کو تو اپنی حیات کی ذرا بھی توقع نہیں ہوتی) اور یہ ان کی امید کی کوتاہی ان کو ایسا نہیں کرنے دیتی۔

سیدی احمد زاہدؒ نے اپنی خانقاہ اور اپنا مکان اینٹ گارے سے بنایا تھا اور چھت کھجور کی شاخوں کی تھی۔

پس ان باتوں سے معلوم ہوا کہ جو شخص صلاح و تقویٰ کا مدعی ہو اور دنیا سے خوش ہو کر مضبوط عمارتیں بنائے، وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے بالخصوص جبکہ وہ یہ بھی دعویٰ کرتا ہو کہ میں خدا ہی کا ہو رہا ہوں، کیونکہ یہ بات کسی حال میں اس کے شایان شان نہیں، بجز اس صورت کے کہ وہ اس کو مصرف خیر اور صدقہ وغیرہ کے طور پر تیار

کرلے۔ اور مضبوطی عمارت سے مقصد اس کا یہ ہو کہ لوگ اس سے زمانہ دراز تک فائدہ اٹھاتے رہیں اور اس کا ثواب مرنے کے بعد اس کو برابر ملتا رہے، جیسا کہ سیدی مدین و سیدی ابوالعباس وغیرہما کے لئے یہ واقعہ پیش آیا ہے کہ ایسی صورت میں مضبوطی عمارت کا مضائقہ نہیں۔

سیدی عبدالقادر جیلانیؒ کا ایک ایسے شخص پر گذر ہوا جو اپنے لئے ایک مضبوط عمارت بنا رہا تھا تو آپ نے اس کو دیکھ کر یہ شعر پڑھے۔

اتبنی بناء الخالدین و انما
مقامک فیھا لو عقلت قلیل
لقد کان فی ظل الاراک کفایة
لمن کان یوماً یقتفیه رحیل

یعنی کیا تو ایسے لوگوں کا سا گھر بناتا ہے جو ہمیشہ رہنے والے ہیں (تجھے ایسا نہ چاہئے)، کیونکہ اگر تجھے سمجھ ہو تو تو سمجھے کہ تیرا اس میں رہنا بہت کم ہے۔ ارے بھائی جس کی یہ حالت ہو کہ اس کے پیچھے ایک روز کوچ لگا ہوا ہے (جیسا تو) اس کے لئے پیلو کا سایہ کافی ہے (اور اس میں وہ اپنی زندگی کے دن پورے کرسکتا ہے)۔ اور جن حضرات کو میں نے اس روش پر پایا ہے، ان میں سے ایک ہمارے شیخ علی خواصؒ ہیں۔ وہ جب کسی فقیر کو گھر بناتے دیکھتے تو اس کے لئے اس کو برا سمجھتے اور اس سے فرماتے جتنا مال تو اس عمارت پر صرف کر رہا ہے تو کبھی ایسی نوبت تک نہیں پہنچ سکتا کہ اس مال کے عوض میں تو سکونت کرسکے۔ (یعنی اگر کرایہ کے مکان میں بھی رہے تو عمر بھر میں بھی اتنا مال کرایہ میں صرف نہیں ہوسکتا)۔

جب بھائی ابوالعباس نے جامع بشیر اپنے لئے مکان بنایا تو اس پر سات سو (۷۰۰) دینار صرف کردئے۔ اس پر شیخ نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا کہ اگر تو کرایہ کے مکان میں رہتا تو تیرے لئے اس کا دسواں حصہ کافی ہوتا جو تو نے اس عمارت پر صرف کیا ہے اور باقی کو تو صدقہ کرسکتا تھا۔ اور اس واقعہ کے تقریباً سات برس بعد ابوالعباس

مرحوم کا انتقال ہو گیا (اور اس طرح شیخ کے بیان کی تائید ہو گئی)۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جس وقت فقیر کو اپنے بھائی مسلمانوں کے مال سے مکان بنانا پڑے، اور وہ اس سے اس کی درخواست بھی کریں تب بھی اس کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ ان کو نصیحت کرے کہ وہ اپنا مال اس فضول کام میں صرف نہ کریں۔ اور ان کو وہ بات بتلائے جس سے ان کی میزان اعمال میں قیامت کے روز بوجھ بڑھے۔ پھر یہ کیسے مناسب ہوگا کہ لوگ اس کی صراحۃً یا اشارۃً درخواست پر ایسا کریں اور تمام سلف صالح کا یہی طریق رہا ہے کہ وہ حرص اور طول امل سے بچتے تھے، حتی کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو جس وقت یہ واقعہ معلوم ہوا کہ اُسامہ نے ایک مہینہ کے اقرار پر خریداری کی ہے تو آپ نے فرمایا: واللہ اُسامہ بڑا طویل الامل ہے (جو اس کی امید رکھتا ہے کہ میں ایک مہینہ تک زندہ رہوں گا اور کماؤں گا اور دام ادا کردوں گا)۔ پھر فرمایا کہ بخدا میں ایک قدم اٹھا کر یہ خیال نہیں کرتا کہ دوسرا رکھ سکوں گا۔ اور آنکھ کھول کر یہ نہیں سمجھ سکتا کہ آنکھ بند کر سکوں گا، اور منہ میں لقمہ رکھ کر یہ نہیں خیال کرتا کہ اس کو نگل جاؤں گا۔

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے تھے کہ جو شخص بھوکا رہے اور امید کو تاہ رکھے، شیطان اس کے دل میں جگہ نہیں پا سکتا۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ آدمی تو گویا چند دنوں کا مجموعہ ہے اور اس لئے جب کوئی دن گذرتا ہے تو گویا اس کا ایک جزو ختم ہو جاتا ہے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے معروف کرخیؒ کے روبرو نماز کی تیاری کی۔ ایک صوفی کو نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھانا چاہا اس پر اس نے انکار کیا اور کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں نماز ہی میں نہ مر جاؤں اور لوگوں کی نماز پراگندہ کروں۔ اس پر لوگوں نے اصرار کیا۔ اس اصرار پر اس نے کہا کہ خیر اس وقت تو پڑھا دوں گا مگر شرط یہ ہے کہ آئندہ نماز پڑھانے کے لئے مجھ سے نہ کہنا۔ یہ سن کر معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جناب آپ ہٹ جایئے، آپ امامت کے اہل نہیں، کیونکہ تم گڑبڑ آدمی ہو۔

ایک طرف تو تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں نماز ہی میں مر جاؤں گا اور دوسری طرف تم اپنے دل میں یہ بھی کہتے ہو کہ میں آئندہ نماز تک زندہ رہوں گا (اور یہ سراسر گڑبڑ ہے۔ اگر تم کو اس نماز کے پورا کرنے کی بھی توقع نہیں ہے تو اس کہنے کے کیا معنی کہ آئندہ مجھے امام نہ بنانا۔ اور اگر نماز تک زندہ رہنے کی توقع ہے تو اس کے کیا معنی کہ مجھے اس نماز کے پورا کرنے کی توقع نہیں ہے۔ الحاصل تم ٹھیک آدمی نہیں) اس کے بعد دوسرے آدمی کو آگے بڑھایا اور اس نے نماز پڑھائی۔

داؤد طائیؒ فرماتے تھے کہ طویل الامل شخص کے لئے لازم ہے کہ وہ اکثر عمل کو بھول جاوے اور توبہ میں تاخیر کرے۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ کوتاہ امید شخص کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جب وہ کوئی چیز کھاتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ اس کے پیٹ سے اس کے مرنے کے بعد نہلانے والے کے ہاتھ سے نکلے گی۔ اور سمجھتا ہے کہ جو کچھ اس نے جمع کیا ہے اس سے وہ خود منتفع نہ ہوگا، بلکہ دوسرے لوگ منتفع ہوں گے۔ اور جب کوئی اس کے خلاف خیال کرے وہ کوتاہ امید نہیں ہے بلکہ دراز امید ہے۔

ابو عثمان نہدیؒ فرماتے تھے کہ اس وقت میری عمر ایک سو تیس برس کی ہے۔ اور اس عرصہ میں میری تمام باتوں میں تغیر آ گیا، بجز ایک امید کے کہ میں اسی طرح پاتا ہوں اور اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے تھے کہ دنیا زاہدوں کی طلاق دی ہوئی ہے۔ مگر اس کی عدت ہی نہیں گذرتی، کیونکہ جب ان میں سے کوئی اسے طلاق دیتا ہے، دوبارہ پھر فوراً اس سے شادی کر لیتا ہے۔ (حاصل یہ ہے کہ زاہد دنیا کو چھوڑنا چاہتے ہیں مگر اسے چھوڑ نہیں سکتے۔)

سیدی علی خواصؒ فرماتے تھے کہ ہم میں سے کوئی شخص طول امل سے خالی نہیں مگر اس کے مراتب مختلف ہیں۔ پس طول امل والوں میں وہ شخص سب سے فائق ہے جس کو صرف ایک سانس کی امید ہو۔ اور طول امل بعض وجوہ سے خدا کی رحمت ہے۔

کیونکہ اگر یہ نہ ہوتی تو آدمی کو جینا دوبھر ہو جاتا۔

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ دریا میں مچھلی کی پشت پر اور چھوارے کے اندر گٹھلی پر لکھا ہوا ہے کہ یہ فلاں کا رزق ہے۔ اور اس کے سوا اس کو کوئی نہیں کھا سکتا، مگر باوجود اس کے حریص آدمی کوشش میں مرا جاتا ہے اور ڈرتا ہے کہ ایسا نہ ہو اسے کوئی اور لے لے۔ پس اسے خوب سمجھ لینا چاہئے۔ والحمد رب العلمین.

مخلوق پر شفقت

۵۵- اللہ والوں کا اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ تمام مسلمانوں پر خواہ نیک ہوں یا بد اور تمام جانوروں پر شفقت کرتے ہیں۔ اور اس طرز پر کام کرتے ہیں کہ ان کے سبب سے کسی کے دین میں کوئی خرابی نہ واقع ہو۔ اور یہ ان کا ایک نہایت اعلیٰ خلق ہے۔ اور اس سے وہی متخلق ہوتا ہے جس کی بصیرت کو خدا نے نور بخشتا ہے، اور وہ بحکم وراثت نبوی لوگوں پر ان کے نفسوں سے زیادہ شفیق ہے اور ان کے اسی خلق کے سبب لوگ ان کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں، اور اس مکان کے خریدنے میں جو کہ ان کے پڑوس میں ہو اس سے زیادہ دام خرچ کرتے ہیں جتنے کہ وہ اس مکان کے خریدنے میں صرف کرتے جو کہ ان کے عزیزوں کے پڑوس میں ہو۔ اور عبداللہ بن عمر فرماتے تھے کہ اس مکان کے خریدنے میں جائیں جس کا پڑوسی کشادہ رو اور شیریں زبان ہو۔

ابو مسلمؒ خولانی ان لوگوں میں سے تھے جو لوگوں پر رحم کرنے کے خلق کے ساتھ متخلق ہونے میں بہت مبالغہ کرتے ہیں۔ اور وہ اس میں اس قدر مبالغہ کرتے تھے کہ کسی کو سلام نہ کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ مبادا یہ لوگ مجھے حقیر سمجھ کر میرے سلام کا جواب نہ دیں۔ اور میرے سبب سے گناہ میں مبتلا ہوں۔

عبداللہ انطاکیؒ فرماتے تھے کہ جب تم کو یہ علم ہو کہ لوگ تمہیں دیکھ کر تمہاری آبرو پر حملہ کریں گے تو تم بجز اوقات نماز کے دیگر اوقات میں ان سے مت ملو۔ اور ان پر رحم کرو تا کہ وہ تمہارے سبب گناہ میں مبتلا نہ ہوں۔

ابو عبداللہ مغاربی فرماتے تھے کہ جو شخص گنہگاروں کو رحم کی نظر سے نہ دیکھے، وہ طریق صوفیہ سے نکل گیا۔

معروف کرخیؒ جب کسی گنہگار کو دیکھتے تو اس کے لئے دعائے مغفرت فرماتے اور اس کے لئے رحمت کے متوقع رہتے۔ اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ ﷺ کو لوگوں کی نجات اور ان پر رحمت کے لئے مبعوث فرمایا تھا، اور شیطان کو ان کے ہلاک کرنے اور ان کے ضرر سے خوش ہونے کیلئے بھیجا ہے (پس ہم کو خلق محمدی اختیار کرنا چاہئے نہ کہ خلق شیطانی)۔

نیز معروف کرخیؒ کا ایک ایسی جماعت پر گذر ہوا جو دجلہ کے اندر ایک ڈونگی پر سوار تھے اور ان کے ہاتھوں میں شراب وغیرہ تھی۔ اس پر لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ ان نافرمانوں کے لئے بددعا کیوں نہیں فرماتے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اے اللہ جس طرح آپ نے ان کو دنیا میں خوش کیا ہے، اسی طرح ان کو آخرت میں بھی خوش کیجئے۔ یہ سن کر انہوں نے کہا کہ ہم نے تو آپ سے بددعا کی درخواست کی تھی۔ آپ تو الٹی دعا کرنے لگے؟ آپ نے فرمایا کہ خدا نہ کرے کہ میں کسی مسلمان کے لئے بددعا کروں۔ اور میں نے جو دعا کی ہے وہ بظاہر موحش ہے مگر حقیقت اس کی یہ ہے کہ اے اللہ ان کو توبہ نصیب کر اور ان کے گناہ بخش دے، کیونکہ آخرت میں وہ صرف اسی صورت سے خوش ہو سکتے ہیں کہ (دنیا میں) ان کو توبہ نصیب ہو اور ان کے گناہ معاف کردئے جائیں۔ (سو اس دعا میں کوئی حرج نہیں) اور یہ ان کی حسن سیاست تھی۔ خدا ان پر رحمت نازل فرمائے۔

ابراہیم تیمیؒ کا قاعدہ تھا کہ جو کوئی انہیں ستاتا اس کے لئے کبھی بددعا نہ فرماتے، اور فرماتے کہ اس کے لئے اس کے ظلم ہی کا بوجھ کافی ہے۔ (میں بددعا کر کے مرتے کو کیوں ماروں)۔

عمر بن عبدالعزیز کا قاعدہ تھا کہ جب کچھ ہم سفر لوگ ان کے مکان کے پاس فروکش ہوتے تو رات بھر جاگتے، اور صبح تک ان کے اسباب کی حفاظت کرتے، اور ان

کو اس کی خبر نہ ہونے دیتے۔

روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ مجھے بتلا دیجئے کہ آپ کو اپنی مخلوق میں کون سب سے زیادہ پیارا ہے؟ تو ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ ہمیں وہ شخص سب سے زیادہ پیارا ہے جس کی یہ حالت ہو کہ جب کسی مسلمان کے کانٹا لگ جاوے تو اسے اس کا اتنا ہی رنج ہو جتنا اس وقت ہوتا جبکہ خود اس کے لگتا۔

سالم بن ابی الجعدؒ فرماتے تھے کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ سایہ میں تشریف فرماتے تھے اور صحابہ دھوپ میں۔ اس پر جبریل علیہ السلام وحی لے کر آئے اور فرمایا کہ اے محمدؐ! آپ سایہ میں بیٹھیں اور صحابہ دھوپ میں (کیا یہ مناسب ہے؟) خلاصہ یہ کہ آپ پر اس فعل کی وجہ سے عتاب فرمایا گیا۔ اور مقصود اس سے آپ کی امت کے لئے یہ قانون بنانا تھا کہ دوسروں کی تکلیف کو بھی اپنی تکلیف کے برابر سمجھنا چاہئے۔

ابوعبداللہ بن عون فرماتے تھے کہ اس امت میں سے سب سے پہلے رحمت و شفقت اٹھائی جائے گی۔

سفیان ثوریؒ کی یہ حالت تھی کہ جب مسلمانوں کو کوئی تکلیف دہ امر پیش آتا تو ان کو نہایت ملال ہوتا۔ اور بسا اوقات ان کو دل تنگی کی وجہ سے خون کا پیشاب آتا۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ابدال کی علامت یہ ہے کہ وہ عام مسلمانوں پر نہایت شفیق و مہربان ہوتے ہیں۔

معروف کرخیؒ فرماتے تھے کہ جو شخص ہر روز یہ دعا کیا کرے کہ اے اللہ امت محمدیہ پر رحم فرما۔ اے اللہ امت محمدیہ کی اصلاح فرما۔ اے اللہ امت محمدیہ کی تکالیف دور فرما۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو ابدالوں میں لکھیں گے۔ آہ۔ پس اس کو خوب سمجھ لو۔ اور رحمت و شفقت میں اپنے سلف کی پیروی کرو۔ والحمد للہ رب العالمین۔

ترکِ جدال

۵۶- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کوئی عالم ظاہری طریق کے کسی حال کا انکار کرے یا ان کو کسی بات کا حکم کرے تو وہ اس کی موافقت کرتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں دلائل نہیں بیان کرتے، بجز اس صورت کے کہ ان کو یہ توقع ہو کہ یہ ہماری بات مان لے گا۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اہل ظاہر ایک خاص دائرہ کے اندر ہیں، اور اس کے باہر کی چیزیں ان کو معلوم نہیں (اس لئے وہ بیچارے معذور ہیں)۔ پس جب کوئی یہ کہے کہ قطب ابدال، اوتار وغیرہ کوئی چیز نہیں، بلکہ یہ محض نام ہیں جن کا کوئی مسمی نہیں۔ تو تمہیں اس سے کہنا چاہئے کہ بجا ہے، اور تمہارا مقصود اس سے یہ ہونا چاہئے کہ واقعی آپ کے نزدیک ان کی حقیقت نہیں ہے)۔ اور وہ محض اسم بلا مسمی ہیں۔ اور جب وہ یہ کہے کہ اولیاء اللہ گذر گئے اور اب کوئی ولی نہیں۔ تو تمہیں کہنا چاہئے کہ بجا ارشاد ہے۔ یعنی آپ کا اعتقاد بیشک ایسا ہی ہے۔ اسی طرح اگر وہ یہ کہے کہ خضر کا وجود نہیں تو اس وقت بھی یہی کہنا چاہئے کہ بجا ہے۔ بالخصوص اگر وہ اپنے دعویٰ کی تائید میں کسی دوسرے منکر کا قول بھی پیش کرے۔ جیسے (شیخ الاسلام) ابن تیمیہ (تب تو بالاولی اس سے مزاحمت نہ چاہئے)۔ ایک جماعت نے اس خلق کی مخالفت کرکے علماء سے الجھنا شروع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں لڑائی جھگڑے پیدا ہوگئے، اور ایک نے دوسرے کی آبروریزی کی، اور جماعت صوفیہ کو برا بھلا کہا۔ سو یہ روش اگلے مشائخ کی نہ تھی۔

شیخ افضل الدینؒ کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی عالم ان سے بحث کرنے بیٹھتا تو (اس کے مقابلہ میں جنید وشبلی کے اقوال پیش نہ کرتے بلکہ) کہتے کہ امام غزالیؒ نے یوں فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ میں نے ان سے اس کے متعلق گفتگو کی تو انہوں نے جواب دیا کہ میں علماء ظاہر کے مقابلہ میں امام غزالی کے اقوال اس لئے پیش کرتا ہوں کہ وہ لوگ ان کو مانتے ہیں، کیونکہ تصوف سے پیشتر وہ بھی انہی کے زمرہ میں تھے۔ اور اگر میں کسی

ایسے کا قول نقل کروں جوان کے زمرہ میں نہیں ہے تو وہ میری نہ مانیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ منجملہ ان دلائل کے جو وجود ابدال پر دلالت کرتے ہیں، ادلہ ذیل ہیں (۱) جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت کے ابدال جنت میں کثرت نماز و روزہ کے سبب نہ داخل ہوں گے، بلکہ وہ اپنی سخاوت نفس اور خیر خواہی امت کے سبب داخل ہوں گے۔

امیر المومنین علیؓ بن ابی طالبؓ فرماتے تھے کہ ابدال شام میں ہیں، اور نقباء عراق میں، اور نجباء مصر میں۔

امام ابو عبداللہ بن ماجد جریؒ سے سوال کیا گیا کہ عورتوں میں بھی ابدال ہوتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ اگر ابدال نہ ہوتے تو زمین اپنے اوپر رہنے والی مخلوق کو لے کر دھنس جاتی۔ اور اگر سچے لوگ نہ ہوتے تو دنیا خراب ہو جاتی۔ اور اگر علماء نہ ہوتے تو آدمی چوپاؤں کے مانند ہوتے۔ اور اگر بادشاہ نہ ہوتا تو ایک ایک کو مار ڈالتا۔ اور اگر بیوقوف نہ ہوتے تو دنیا ویران ہو جاتی، (کیونکہ مقتضائے عقل دنیا سے بے رغبتی ہے۔ اور جب سب لوگ دنیا سے بے رغبت ہوتے تو اس کی طرف کوئی بھی متوجہ نہ ہوتا۔ اور اس صورت میں اس کی ویرانی لازمی ہے) اور اگر ہوا نہ ہوتی تو آسمان و زمین کے درمیان کی فضا بدبو سے بھر جاتی۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ ہر نبی کی امت میں اس نبی کا ایک مماثل ہوا کرتا ہے (چنانچہ اس امت میں اشبہ برسول صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

---

(۱) جب تک ان روایات کے لئے سند قابل احتجاج نہ ہو اس وقت تک یہ قابل احتجاج نہیں۔ اور سند کوئی بیان نہیں کی گئی تو یہ دلائل ناقابل التفات ہیں۔ ومع ہذا احدیث جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کے اثر کے سوا اور جتنے اقوال نقل کئے ہیں وہ بر تقدیر ثبوت بھی حجت نہیں۔ اہل تحقیق اس مقام پر صرف اس قدر کہتے ہیں کہ ابدال وغیرہ کے باب میں حضرات صوفیہ اپنا ذاتی علم بیان کرتے ہیں۔ اور شریعت ان کی تکذیب نہیں کرتی تو ان کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ فافہم (مترجم)۔

تھے)۔ والحمد للہ رب العالمین۔

اپنے نفس پر سوءِ ظنی

۵۷- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی کہ وہ اپنے نفسوں کو خوب سدھاتے ہیں، حتی کہ ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ جو بات ابتداء فکر کے لحاظ سے ان کے خلاف ہوتی ہے وہ اس پر نظر کرتے ہیں، اور جو ان کے موافق ہوتی ہے اسے نہیں دیکھتے۔ پس جب وہ حق تعالیٰ کا یہ قول سنتے ہیں: ﴿هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون﴾ یعنی اہل علم اور غیر اہل علم برابر نہیں۔ تو وہ اپنے کو عالم سمجھ کر دوسروں سے اپنے کو بڑھ کر نہیں سمجھتے بلکہ ابتداء ہی سے اپنے کو جاہل اور اپنے تمام ہمعصروں کو عالم خیال کرتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے ہمعصروں میں حال اور مقام میں سب سے کمتر ہیں اور کسی کے بھی برابر نہیں، برخلاف اس کے جس کی طرف عام طور پر ابتداء میں ذہن دوڑتا ہے۔ بالخصوص ان لوگوں کا جنھوں نے مجاہدہ نہیں کیا (کیونکہ ان لوگوں کا ذہن ابتداءً اسی طرف جاتا ہے کہ وہ سب سے بڑھ کر ہیں، اور کوئی ان کے برابر نہیں، خواہ بعد میں وہ اس خیال کو دور کر دیں۔ پس تم اسے خوب سمجھ لو اور اس پر عمل کرو۔ اس میں تم بڑی راحت پاؤ گے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

سعی برائے رفع حجاب

۵۸- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ رفع حجاب کے لئے بہت کوشش کرتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت کچھ حجاب اٹھ جاتا ہے اور وہ ہر موجود کو زندہ خیال کرتے ہیں، اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہیں جو زندوں کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اس بناء پر ان کو کہیں خلوت نہیں ملتی، جہاں وہ خدا کی نافرمانی کریں کیونکہ وہ ہر شے کی نسبت یہ سمجھتے ہیں کہ وہ انہیں دیکھ رہی ہے اور اس بنا پر وہ اس سے شرماتے اور اس کا پورا لحاظ کرتے ہیں اور یہ اس لئے ہوتا ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ جس جگہ وہ گناہ کرتے ہیں وہ مقام قیامت میں انکے خلاف شہادت دے گا۔ اور جو شخص

یہ جانتا ہے کہ کسی جگہ گناہ کی جراءت نہیں کرسکتا، کیونکہ اگر وہ باوجود اس کے بھی گناہ کرے گا تو گویا وہ اس مقام کو جہاں وہ گناہ کرتا ہے، اپنے خلاف شہادت دینے پر آمادہ کرتا ہے، اور یہ مقتصائے عقل کے خلاف ہے۔ لہٰذا وہ کہیں گناہ کرنے کی جراءت نہیں کرتے) اوران کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جب اتفاقاً ان میں سے کسی کے منہ سے کوئی بری بات نکل جاتی ہے تو مارے شرم کے گھلا جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ زمین اسے نگل جاتی۔ اور وہ یہ بات منہ سے نہ نکالتا، اور یہ خلق آجکل نادر ہے۔ والحمدللہ رب العالمین۔

عدم طلب قبول دعا

۵۹-اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ نہ خدا سے اس کے خواہاں ہوتے ہیں کہ خود ان کے حق میں ان کی دعا قبول کی جاوے............اور نہ اس کے کہ دوسروں کے حق میں ان کی دعا مقبول ہو، بجز اس صورت کہ خدا کے ساتھ ان کا معاملہ ان کے امکان بھر درست ہو۔ اوران میں کوئی ایسی خصلت نہ پائی جاوے جس سے وہ دنیا وآخرت دونوں میں یا کسی ایک میں رسوا ہوں تاکہ اجابت باقاعدہ ہو، (کیونکہ ضابطہ کے طور پر اجابت دعا کے لئے عدم معصیت شرط ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کسی عاصی یا کافر کی دعا بھی قبول کرلیں۔

سیدی علی خواصؒ فرماتے تھے کہ جو شخص چاہے کہ (اس کی نااہلیت [1] کے سبب) اس کی کوئی دعا رد نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ ملائکہ کے قدم پر چلے جو کہ اصلا خدا کی نافرمانی نہیں کرتے اور اصلا خدا کی نافرمانی نہ کرے۔

ابو نجیح فرماتے تھے کہ اگر مؤمن خدا کی نافرمانی نہ کرتا تو اس کی حالت

(۱) اس قید میں اس شبہ کا دفع ہے کہ بعض دعائیں انبیاء کی بھی مقبول نہیں ہوتیں۔ اور حاصل جواب یہ ہے کہ یہاں گفتگو اس رد میں ہے جو دعا کرنے والے کی نااہلیت کے سبب ہو، اور انبیاء کی دعا کا رد اس بناء پر نہیں ہوتا، بلکہ اس کا منشاء اس کا خلاف حکمت ہونا ہوتا ہے۔ فافہم (مترجم)

یہ ہوتی کہ اگر وہ خدا کی نسبت قسم کھا بیٹھتا کہ وہ اس پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا دے گا تو وہ اسے بھی قبول کرتا۔

خالد ربعیؒ فرماتے تھے کہ ایک روز ابراہیم بن ادہم خانہ کعبہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاقاً ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ اے ابو اسحٰق اس شخص کی کیا پہچان ہے جس کا معاملہ خدا کے ساتھ درست ہو؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس کی علامت یہ ہے کہ اگر وہ اس پہاڑ ابو قبیس سے کہے کہ تو اپنی جگہ سے ہٹ جا، تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی جگہ سے ہٹا دے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس وقت ابو قبیس کو جنبش ہونے لگی۔ تو آپ نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ میرا یہ مقصود نہیں تھا۔

جنیدؒ کی یہ روایت ہم کو پہنچی ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ کسی شخص نے ولید کے خلاف گواہی دی۔ اس پر ولید نے کہا کہ اے اللہ اگر یہ جھوٹا ہے تو اس کو اسی وقت مار دے۔ اس دعا کے کرتے ہی وہ منہ کے بل گرا اور کچھ دیر تڑپتا رہا، یہاں تک کہ اسی وقت مر گیا۔

اعمشؒ فرماتے تھے کہ ہمارا خدا بھی کیسا اچھا ہے کہ اگر ہم اس کے ہر حکم کی اطاعت کریں تو وہ ہماری ہر درخواست منظور کر لے۔

ابراہیمؒ بن ادہم ایک روز شہر مرد الروذ کے ایک پل کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاقاً ایک آدمی پل سے نیچے گرا۔ آپ نے فوراً دعا کی کہ اے اللہ اسے ہوا میں روک لے جب تک کہ اس کو ہلاکت سے بچانے والا کوئی آ جاوے۔ اس پر وہ ہوا میں ٹھہر گیا یہاں تک کہ لوگوں نے آ کر اسے نیچے اتارا۔

کسی سپاہی نے مالک بن دینا کو کوڑے سے مارا۔ آپ نے فرمایا: اے اللہ اس کا ہاتھ کاٹ دے۔ اگلے روز کسی نے اسکا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اور وہ سپاہی ان کے سامنے کو اس حالت میں گذرا کہ اس کا ہاتھ لٹکتا تھا۔ کسی شخص نے مطرف بن عبداللہ کے ذمہ کوئی جھوٹ لگایا تو انہوں نے فرمایا کہ اے اللہ اگر یہ جھوٹا ہے تو اسے ابھی مار دے۔ اس پر وہ لوگوں کے دیکھتے ہی دیکھتے فوراً بیجان ہو کر گر پڑا۔ یہ دیکھ کر لوگ ان کو لپٹ

گئے اور پکڑ کر حاکم بصرہ کے پاس لے گئے، اور اس سے واقعہ بیان کیا۔ اس نے سن کر جواب دیا کہ نیک آدمی کی بددعا تھی، لگ گئی اور وہ مرگیا (اس میں ہم کیا کر سکتے ہیں) والحمد للہ رب العلمین۔

امتحان محبت نفس

۶۰- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تاوقتیکہ وہ محبت کا یوں امتحان نہیں کر لیتے کہ وہ اپنے نفس کو دیکھیں کہ وہ اپنا آدھا مال اس شخص کو دینے پر راضی ہے یا نہیں جس کی محبت کا وہ دعویٰ کرتا ہے، اور اگر اسے کوئی تکلیف ہو تو اس کے برابر سے اسے تکلیف ہوگی یا نہیں، اس وقت تک وہ کسی کی محبت کا دعویٰ نہیں کرتے۔ (پس ہر ایک شخص کو چاہئے کہ وہ یوں ہی امتحان کرے)۔ اب اگر اس کا نفس اس پر راضی ہو تو اس وقت یہ دعویٰ کرے کہ مجھے اس سے محبت ہے، ورنہ جھوٹ بولنے سے باز رہے، کیونکہ یہ نفاق ہے۔ اور اس خلق سے آج کل بہت کم لوگ متخلق ہیں، اور میں اپنے بعض اصحاب کے متعلق اس سے متخلق ہوں اور بعض کے متعلق نہیں۔ پس اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

گناہ گاروں پر رحم

۶۱- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کو عاصیوں پر رحم آتا ہے، اور وہ ان کو حقیر نہیں سمجھتے اور ان پر اپنی جان قربان کرنے پر آمادہ رہتے ہیں، حتیٰ کہ بعض حضرات (غایت شفقت کے سبب) یہ چاہتے ہیں کہ چاہے ان کی کھال قینچیوں سے کاٹ ڈالی جائے مگر یہ نافرمان لوگ کسی طرح خدا کی نافرمانی نہ کریں۔ نیز یہ حضرات گنہگار پر شفقت کو اس کے لئے بددعا سے بہتر سمجھتے ہیں۔

مطرف بن عبداللہؒ فرماتے تھے کہ جس کو گنہگاروں پر رحم نہ آتا ہو، اس کو یہ چاہئے کہ وہ ان کے لئے توفیق توبہ اور مغفرت کی دعا کیا کرے، کیونکہ فرشتوں کی یہ خصلت ہے کہ وہ اہل زمین کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

زہیر بن نعیم فرماتے تھے کہ بخدا میں اس پر راضی ہوں کہ میری کھال قینچیوں سے کاٹ ڈالی جاوے مگر کوئی شخص خدا کی نافرمانی نہ کرے، (کیونکہ میں اپنی تکلیف تو جھیل لوں گا مگر ان کی تکلیف مجھ سے نہ دیکھی جائے گی)۔

حبیبؒ عجمی جب کوئی اس مضمون کی آیت پڑھتے کہ خدا فلاں قوم سے ناراض ہے۔ تو اس کو پڑھ کر روتے اور فرماتے کہ اے اللہ آپ نے میرے دل میں رحم پیدا فرمایا ہے، پس (میں اس رحم کے موافق آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ دو باتوں میں سے ایک بات منظور فرمالیجئے) خواہ آپ ان کو معاف فرمادیں اور خواہ ان کے بدلے مجھے سزا دے لیں۔ آھ۔[1] میں کہتا ہوں کہ شاید ان کی مراد رحم سے جو ان کے دل میں ڈالا گیا ہے، یہ ہے کہ ان کے لئے مغفرت کی درخواست کا دروازہ کھول دیا۔ ورنہ حق تعالیٰ کو ان پر غصہ کرنے سے روکنا مقصود نہیں۔ کیونکہ کامل کی شان یہ ہے کہ خدا کے غصہ کے سبب غصہ ہو، اور اس کی خوشی کے سبب خوش ہو۔ علاوہ ازیں حبیب مذکور کو تابعینؒ مغلوب الحال صوفیہ میں شمار کرتے تھے، اور اہل طریق کے نزدیک مغلوب الحال لوگوں کی تقلید جائز نہیں۔ (لہٰذا اس باب میں ان کی تقلید نہ چاہئے بلکہ خدا کے فعل پر راضی رہنا چاہئے) کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر حبیب عجمی سے زیادہ رحیم ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۱) مؤلف رحمہ اللہ کا کلام اس موقعہ پر نہایت کمزور ہے، اور جو توجیہ انہوں نے کی ہے وہ حبیب عجمی کے کلام پر منطبق نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ حبیب عجمی مغلوب الحال تھے جیسا کہ ان کی اس درخواست سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان کے بدلے مجھے سزا دے لیجئے، مگر ان کی درخواست مغفرت وعدم عقاب غضب لغضب اللہ ورضا لرضاء اللہ کے منافی نہیں، کیونکہ اگر اس کے یہ معنی ہوں کہ جس پر خدا ناراض ہو، آدمی بھی ضرور ناراض ہو تو باب دعا مغفرت ہی مسدود ہو جاوے حالانکہ وہ مفتوح ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز موجب غضب خدا ہو یا جس سے ناخوش ہونے کا خدائے تعالیٰ حکم دیں اسے مبغوض ومغضوب قرار دے۔ سو حبیب عجمی نے اس کے خلاف نہیں کیا۔ ہاں انہوں نے ایسی قوم کی سفارش کی ہے جس کی سفارش کے متعلق ان کو کوئی ممانعت نہ ہوئی تھی۔ اور باوجود اس کے انہوں نے اپنا عذر بھی بیان فرمادیا ہے، وہ یہ کہ اس درخواست کا منشاء ایک امر غیر اختیاری ہے اور وہ مجھے اس درخواست پر مجبور کرتا ہے ورنہ میں آپ کے فعل کو ناپسند نہیں کرتا، اور نہ آپ کی مشیت میں مزاحمت کرتا ہوں۔ فتنبہ لہ واللہ اعلم ۔۱۲ مترجم

منصورؒ بن محمد کسی کو کوئی حکم نہ کرتے تھے جس کا منشاء ان کا رحم تھا، اور فرماتے تھے کہ اگر یہ میرے کہنے کے خلاف کرے گا تو گنہگار ہو گا اور عذاب میں گرفتار ہو گا اور میں اس کا سبب بنوں گا (مثلاً وہ بے نماز ہے یہ نہ کہتے تھے کہ تو نماز پڑھ کیونکہ ان کو اس کا اندیشہ ہوتا تھا کہ شاید یہ انکار کردے۔ اور ترک صلوۃ کے ساتھ انکار کا وبال بھی اس پر عائد ہو مگر یہ ان کا حال تھا، اس کا اتباع جائز نہیں، ورنہ امر بالمعروف کا سلسلہ ہی منقطع ہو جاوے۔ مترجم)۔

سفیانؒ بن عیینہ فرماتے تھے کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ میرے بارے میں گناہ میں مبتلا ہوں گے، تو میں یہ کہہ دیتا کہ جو کوئی میری غیبت کرے وہ مجھے زیادہ محبوب ہے بہ نسبت اس کے جو میری تعریف کرے، کیونکہ تعریف کرنے والا کبھی غلط تعریف بھی کرتا ہے (مگر چونکہ غیبت گناہ ہے۔ اس لئے مجھے غیبت سے منع کرنا پڑتا ہے)۔

شفیق بلخی فرماتے تھے کہ جس کو برے آدمی پر رحم نہ آدے وہ اس سے زیادہ برا ہے، اور جس کے سامنے کسی نیک آدمی کا تذکرہ ہو اور اس کو اس کے ذکر میں مزہ نہ آوے وہ برا آدمی ہے۔

میمون بن مہرانؒ کی حالت یہ تھی کہ جب ان کو معلوم ہو جاتا کہ فلاں قوم پر ظلم ہو رہا ہے خواہ وہ روئے زمین پر کہیں ہو تو اس کے غم میں بیمار ہو جاتے اور ان کی یوں عیادت کی جاتی جیسے بیماروں کی کیجاتی ہے، اور جب کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مصیبت دور فرمادی تو فوراً تندرست ہو جاتے۔

ثابت بنانی کی یہ حالت تھی کہ جب ان سے کوئی درخواست کرتا کہ میرا فلاں کام کردو (اور ان کے امکان میں نہ ہوتا) تو ہر نماز کے بعد سجدہ میں پڑ کر اس کے لئے دعا فرماتے، یہاں تک کہ اس کا کام ہو جاتا۔

شریک نے ایک فارس کی چیونٹی کو جو کہ ان کے دسترخوان پر ملی، بارہ میل سے اس کے مقام پر پہنچوایا (بدیں خیال کہ یہ اپنے گھر سے جدا ہو گئی اور اس کو اس کا خیال

ہوگا)۔ نیز ان کے رحم کی یہ حالت تھی کہ وہ چیونٹیوں کے لئے روٹیاں توڑ کر ڈالتے اور ان کے گھروں پر آٹا ڈالتے کہ ان کو روزی تلاش کرنے میں دقت نہ ہو۔

ابوالدرداءؓ ان چڑیوں کے بچوں کو، جن کو بچے پکڑ لیتے تھے، ان سے خرید کر ان کے گھونسلوں میں چھوڑ آتے تھے۔ علیٰ ہذا ان کی ماؤں کو جن کو شکاری پکڑتے تھے، ان سے خرید کر چھوڑ دیتے تھے تاکہ وہ اپنے بچوں کے پاس پہنچ جائیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سانڈ چھوڑنے کے قبیل سے نہیں جس کی ممانعت ہے بلکہ یہ بچے پر، یا اس کی ماں پر رحم ہے جو مامور بہ ہے۔ واللہ اعلم۔

امیر معاویہؓ کا قاعدہ تھا کہ جب ان سے کوئی اپنی کسی ضرورت میں سوال کرتا اور (وہ اس کے کل سوال کو پورا نہ کر سکتے بلکہ) کچھ حصہ پورا کرتے تو جو حصہ وہ پورا کرتے اسی نسبت سے وہ بوجہ اس غایت تعلق کے جو ان کو اپنے بھائیوں سے تھا اپنی فکر میں کمی محسوس کرتے (کیونکہ اس سے مسائل کے فکر میں کمی ہوتی، اس کے فکر کی کمی سے ان کی فکر میں کمی ہوتی)۔ پس تمہیں اپنے دل کو ٹٹولنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ آیا تم میں اپنے بھائیوں کے متعلق اس رحم و ہمدردی کا کوئی حصہ ہے یا نہیں۔ اور اگر نہ ہو تو تمہیں اپنی حالت پر رونا چاہئے کہ مقام صالحین میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ والحمد للہ رب العالمین۔

قناعت

۶۲- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی کہ وہ موجود پر قناعت کرتے ہیں، اور کھانے، پینے، لباس، سواری، نکاح، مکان وغیرہ میں زیادتی کے جویاں نہیں ہوتے۔

وہب بن منبہؒ فرماتے تھے کہ عزت اور غنا یہ دونوں اس تلاش میں چلیں کہ کسی کے پاس رہیں۔ راستہ میں ان کو قانع مل گیا اور وہ اسی کے پاس رہ پڑیں۔ (حاصل یہ ہے کہ قناعت میں عزت اور غنی دونوں ہیں)۔

محمد بن واسع نمک اور سرکہ سے روٹی کھاتے، اور فرماتے کہ جو اس قدر دنیا پر قناعت کرے اسے اپنے کو لوگوں کے سامنے ذلیل کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ جو شخص اس زمانہ میں جو کی روٹی پر قناعت نہ کرے گا وہ لامحالہ ذلت وخواری میں مبتلا ہوگا۔ اور ایک شخص نے ان سے مال جمع کرنے کی اجازت چاہی، انہوں نے فرمایا کہ بھائی جو شخص مال جمع کرتا ہے، پانچ بری خصلتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایک طول امل، دوسرے شدت حرص، تیسرے کثرت بخل، چوتھے نسیان آخرت، پانچویں قلت پرہیز گاری (اب تم اپنا نفع نقصان دیکھ لو)۔

حامد لفافؒ فرماتے تھے کہ جو غنیٰ کو قناعت کے ذریعہ سے طلب کرتا ہے وہ ٹھیک راستہ پر ہے، اور جو اس کو مال کے ذریعہ سے طلب کرتا ہے وہ راستہ چوک گیا۔ آہ۔ اور میں نے اس مقام والوں سے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے۔

منجملہ ان کے ہمارے شیخ شیخ الاسلام زکریا انصاری وشیخ امین الدین امام جامع الغمری نیز شیخ عبدالعلیم بن مصلح۔ شیخ علی نبتیتی۔ شیخ علی بجری۔ شیخ محمد بن عنان۔ شیخ محمد منیر۔ اور شیخ محمد عدل وغیرہم ہیں۔ میں نے ان کو دیکھا ہے کہ یہ لوگ پانی میں خشک روٹی چور کر کھاتے اور اسی پر اکتفا کرتے تھے۔

شیخ تاج الدین ذاکر فرماتے تھے کہ قناعت یہ نہیں کہ آدمی کو جو کچھ بلا زحمت مل جاوے اسے کھالے، بلکہ قناعت اصلی یہ ہے کہ آدمی کے پاس بہت سا مال اور کھانا ہو مگر باوجود اس کے وہ پانچ روز یا کم از کم تین روز میں تھوڑا سا کھالے (اور باقی صدقہ و خیرات کے لئے رکھے)۔

شیخ علی خواصؒ جب کھانا کھاتے تو نو لقموں سے زیادہ نہ کھاتے، اور فرماتے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: **حسب ابن آدم لقمات يقمن صلبه**۔ یعنی آدمی کے لئے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں، اور لقمات (بوجہ جمع قلت ہونے کے) تین سے لے کر نو تک ہوتے ہیں، اور یہ مسلم ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد صحیح ہے۔ لہٰذا جو شخص آپ کے ارشاد پر کامل ایمان رکھتا ہے اس کے لئے نو

لقمے ضرور کافی ہوں گے اور اسے زیادہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ نیز میں نے ان کو یہ بھی فرماتے سنا ہے کہ جس کو دن رات میں نو لقمے کافی نہ ہوں وہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ارشاد پر پورا ایمان نہیں رکھتا۔ میں کہتا ہوں[1] کہ اس حدیث کو ان لوگوں پر محمول کرنا چاہئے جو محنت کے کام نہیں کرتے رہے۔ وہ لوگ جو محنت کے کام کرتے ہیں جیسے کسان، کھیتی کاٹنے والے، ڈھال بنانے والے، ملاح، مختی وغیرہ سوان کے لئے اتنی مقدار کافی نہیں ہوسکتی، بجز اس صورت کے کہ ان کی قوت فرشتوں کی سی ہو جاوے اور ان کی روحانیت ان کی جسمانیت پر غالب ہو جاوے، جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے قوم لوط علیہ السلام کی بستیاں اکھاڑ لی تھیں اور ان کو آسمان کے اس قدر قریب لے گئے تھے کہ آسمان والوں نے مرغوں کی اذان اور کتوں کے بھونکنے کی آواز سن لی تھی۔ حالانکہ جبرئیل علیہ السلام نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ پس اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

دنیا سے بے رغبتی

۶۳- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی کہ وہ لوگ رفع حجاب کی بیحد کوشش کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ لوگ اپنی چشم قلب سے آخرت اور اس کی نعمتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں، اور یہ اس لئے ہوتا ہے تاکہ وہ دنیا سے بے رغبت ہو کر اعمال آخرت کے لئے فارغ ہوسکیں۔ ورنہ جو لوگ مشاہدہ آخرت سے محجوب ہیں ان سے دنیا سے بے رغبتی نہایت بعید ہے۔

عبداللہ بن سلامؓ فرماتے تھے کہ جو شخص بدون اس کے آخرت کو اپنے سامنے دیکھے، دنیا سے بے رغبتی کا ارادہ کرے، وہ طالب محال ہے۔

ابو واقد لیثیؒ فرماتے تھے کہ ہم نے آخرت کے اعمال میں بہت مشقتیں اٹھائیں مگر کسی عمل کو اتنا اعلیٰ درجہ کا نہیں پایا جیسے دنیا سے بے رغبتی، (کیونکہ حدیث

---

(۱) اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف علام نے علی خواص کے استدلال کو تسلیم کرلیا، حالانکہ خود ان کا استدلال ہی صحیح نہیں کیونکہ حدیث میں نو کی تحدید مدنظر نہیں بلکہ صرف تقلیل ملحوظ ہے۔ واللہ اعلم۔

شریف میں ہے "حب الدنیا راس کل خطیئة"، یعنی دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔ پس دنیا سے بے رغبتی ہر گناہ سے بچانے والی ہوگی۔ لہٰذا یہ صحیح ہوا کہ دنیا سے بے رغبتی سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں)۔

مالک بن دینارؒ نے ایک شخص کو کہتے سنا کہ اگر خدا جنت میں مجھے ایک کوٹھری دیدے تو میں اس پر راضی ہوں۔ یہ سن کر انہوں نے فرمایا کہ کاش دنیا سے اتنا بے رغبت ہوتا جتنا کہ جنت سے ہے۔

میں نے سیدی علی خواصؒ کو فرماتے سنا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو ایسی حکومت مانگی تھی جوان کے بعد کسی کو نہ ملے، تو اس کی وجہ (حرص نہ تھی بلکہ) یہ تھی کہ دنیا سے بے رغبتی ان کی مکمل ہوجاوے اور ان کو مقام زہد علی وجہ الکمال حاصل ہوجاوے، کیونکہ دنیا سے بے رغبتی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ نہ دنیا ہو اور نہ اس کی طرف رغبت نہ ہو۔ سو یہ کچھ زیادہ کمال نہیں، اور ایک یہ کہ دنیا ہو اور اس کی طرف رغبت نہ ہو۔ سو یہ اعلیٰ درجہ کی بات ہے۔ پس انہوں نے اس مرتبہ کے حاصل کرنے کے لئے اس کی درخواست کی تھی۔

ابوالدرداءؓ فرماتے تھے کہ اگر کوئی قسم کھانے والا یہ قسم کھاوے کہ وہ شخص جس کو دنیا کی طرف رغبت نہ ہو سب سے بہتر شخص ہے۔ تو میں کہوں گا کہ تو سچا ہے، تجھے کفارہ قسم کی ضرورت نہیں۔

امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ اگر کوئی یہ وصیت کرے کہ میرا مال اس کو دیا جاوے جو سب سے زیادہ عاقل ہو، تو میں کہوں گا .... کہ اسے دینا چاہئے جو دنیا سے بے رغبت ہو۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ تمام لوگ قبروں سے ننگے اٹھائے جاویں گے، بجز اسکے جو دنیا سے بے رغبت ہو۔

شقیق بلخیؒ فرماتے تھے کہ سچا زاہد تو اپنے زہد کو اپنے فعل سے ٹھیک کرتا ہے، اور بنا ہوا زاہد اس کو بلا فعل کے صرف قول سے ٹھیک کرتا ہے۔

کسی شخص نے سفیان بن عیینہؒ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ کسی ایسے عالم کو دیکھوں جو دنیا سے بے رغبت ہو۔ آپ نے فرمایا ایسے لوگ گم ہو چکے اور اب نہیں مل سکتے، کیونکہ زاہد کہلانے کا وہ مستحق ہے جو حلال محض کی طرف بھی رغبت نہ رکھتا ہو۔ (اور حرام یا مشتبہات سے احتیاط کرنے والا زاہد نہیں کہلاتا)۔ اور اب حلال ہے کہاں کہ اس سے آدمی بے رغبتی اختیار کرے۔ میں کہتا ہوں کہ حلال بھی موجود ہے اور زہد وغیرہ مقامات بھی موجود ہیں، مگر ہر انسان کا حلال اور اس کا مقام زہد وغیرہ اس کے حال کے مناسب ہوا کرتا ہے۔ اور اسی وجہ سے شارع نے ہم سے اس کا مطالبہ کیا ہے کہ ہم حلال کھاویں اور اخلاق و مقامات میں شارع علیہ السلام کا اتباع کریں، ورنہ اگر حلال موجود نہ ہوتا اور ترقی ممکن نہ ہوتی تو احکام شرعیہ کئی صدیوں سے باطل ہو چکے ہوتے۔ پس جتنے لوگ ہیں سب حلال کھانے والے اور خدا سے ڈرنے والے اور زاہد اور پرہیزگار ہیں، مگر اپنے اپنے مرتبہ اور حصہ کے موافق۔ پس شاید ان کا قول کہ حلال اب موجود نہیں، بطور مبالغہ کے ہے۔ واللہ اعلم۔ (میں کہتا ہوں "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست" سفیان نے اپنے مرتبہ کے موافق بات کہی تھی۔ اور شیخ نے اپنے مرتبہ کے موافق۔ واللہ اعلم مترجم)

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے کہ جو شخص سب سے زیادہ دنیا سے بے رغبت ہوگا، وہی سب سے زیادہ اچھے کام کرے گا۔

ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے تھے کہ جو شخص دنیا سے بے رغبتی کا مدعی ہو اور بایں ہمہ وہ اس شخص پر خفا ہو جو دنیا کی اہل دنیا کے سامنے تنقیص و تحقیر کرے، وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔

حماد بن زید فرماتے تھے کہ دنیا سے بے رغبتی سے زیادہ کوئی چیز شیطان کی کمر توڑنے والی نہیں۔

ابن السماکؒ فرماتے تھے کہ دنیا سے بے رغبتی صرف کتابوں میں مذکور رہ گئی، اور اس کا کرنے والا ہمیں نہیں ملتا۔

یونس بن عبیدؒ سے کسی نے پوچھا کہ دنیا سے بے رغبتی کی انتہا کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس میں بالکل چین نہ ملنا (یعنی جس کی یہ حالت ہو کہ دنیا کی کسی بات سے بھی اسے چین نہ ہو اور وہ ہر حالت میں آخرت ہی کا جویاں رہے اس کو پوری دنیا سے بے رغبت کہا جاسکتا ہے)۔ میں کہتا ہوں کہ اس مقام والے حضرات میں سے جن کو میں نے پایا ہے، وہ لوگ ہیں: شیخنا سیدی علی خواصؒ۔۔ شیخ عبداللہ قیومی (المدفون بتربة الامیر بسبک خارج مصر)، شیخ علی مفتی صالحیہ مصر، شیخ شمس الدین سمنودی، شیخ محمد منیر، شیخ ابوالحسن غمری، شیخ عبدالعلیم بن مصلح، شیخ محمد بن داؤد، شیخنا شیخ امین الدین امام جامع الغمری۔ سو دنیا ان لوگوں کے ہاتھوں میں تھی نہ کہ دلوں میں۔ اور یہ حضرات سائل کو محروم نہ پھیرتے تھے اور اگر ان میں سے وہ کسی سے ان کا عمامہ مانگتا تھا تو وہ بھی دے دیتے تھے۔

شیخ محمد منیرؒ ایک ایسے آدمی سے ملے جس کا شتربان (مال واسباب لے کر) حج کے رستہ میں بھاگ گیا تھا (اور وہ بالکل خالی ہاتھ رہ گیا تھا) تو آپ نے اس کو پانسو اشرفیاں دیں۔ پس جبکہ وہ مکہ پہنچا تو اس نے معاوضہ دینا چاہا۔ شیخ نے اس کے لینے سے انکار کیا اور کہا میں نے معاوضہ لینے کے قصد سے نہ دی تھی۔ حالانکہ شیخ کی اس کے ساتھ اس سے پیشتر جان پہچان بھی نہ تھی۔ اب تم ان حالات پر غور کرو اور دیکھو کہ تمہارے زمانے کے صوفی بھی سفر حج میں اپنے مبتلائے تکلیف ساتھی کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں اور اس سے معاوضہ نہیں لیتے؟ (ہرگز نہیں کرتے)، حالانکہ (ان کو کرنا چاہئے کیونکہ) وہ زبان سے کہتے ہیں یا کم از کم دل میں سمجھتے ہیں کہ شیخ محمد منیر ان سے مقام میں کمتر ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ تم لوگوں کو اپنے اوپر رونا چاہئے کہ تم مقامات صالحین سے پیچھے رہ گئے اور ان تک نہ پہنچ سکے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

تعظیم حکم الٰہی

۶۴- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ امام کے پیچھے نیت باندھنے میں بہت جلدی کرتے ہیں، کیونکہ ایسا کرنے میں حکم الٰہی کی تعظیم ہے اور اس کو

مؤخر کرنے میں اس کی تحقیر ہے۔ اور یہ مبادرت نہ وہ اس لئے کرتے ہیں کہ ایسا کرنے میں ان کو زیادہ ثواب ہوگا، اور نہ اس وجہ سے کہ نماز میں حق تعالیٰ کے ساتھ مجالست و ہمنشینی ہوتی ہے، اور یہ ہمنشینی نہایت پر لطف ہے، اس لئے جس قدر ممکن ہو اس کو حاصل کیا جاوے، کیونکہ ان دونوں غرضوں میں نفس کی شرکت ہے۔ اور جو شخص ان اغراض سے ایسا کرتا ہے وہ اپنے حظ نفس میں کوشش کرتا ہے بلکہ ان کا مقصود اس سے محض حکم خداوندی کی تعظیم اور ان کی عدم تحقیر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے ختنہ کرنے کا حکم ہوا اور ان کو استرہ نہ ملا تو انہوں نے بسولہ سے ختنہ کرلیں اور جبکہ ان سے کہا گیا کہ حضرت آپ نے استرہ ملنے تک توقف کیوں نہ کیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ بھائی خداتعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں دیر کرنا بڑی سخت بات ہے۔ پس تم کو چاہئے کہ اس کو سمجھو اور اس پر عمل کرو۔ والحمدللہ رب العالمین۔

ترکِ وقعت دنیا

۶۵- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دنیا ان کے نزدیک محض بے وقعت ہوتی ہے، اور وہ جناب رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کرنے کے لئے کہ دنیا کے بھی بیٹے ہیں اور آخرت کے بھی۔ پس تم آخرت کے بیٹے بنو۔ آہ۔ دنیا کو یک لخت چھوڑ دیتے ہیں۔

طبرانی وغیرہ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ میں ایک روز جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ کسی غیر محسوس شے کو دونوں ہاتھوں سے دھکا دے رہے ہیں۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کس چیز کو دھکا دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ دنیا میرے سامنے آئی تو میں نے اس سے کہا کہ مجھ سے الگ رہ۔

نیز حدیث شریف میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ایک قوم کے کوڑا کباڑ ڈالنے کی جگہ ٹھہرے تو آپ نے ایک مردہ بکری پڑی دیکھی۔ اس پر آپ نے اس کا

کان پکڑا اور فرمایا کہ دیکھتے ہو یہ اپنے گھر والوں کے نزدیک بے وقعت ہوگئی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت بے وقعتی ہی کے سبب تو انہوں نے اسے پھینک دیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا حق تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ بے وقعت ہے، جس قدر بکری اپنے گھر والوں کے نزدیک بے وقعت ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اگر حق سبحانہ کے نزدیک دنیا کی قدر مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو اس میں سے پانی کا ایک گھونٹ نہ دیتے۔

محمد بن المنکدر فرماتے تھے کہ قیامت میں دنیا بن سنور کر اور ناز کی رفتار چلے گی اور کہے گی کہ اے اللہ مجھے آپ اس شخص کو دیدیجئے جو آپ کے بندوں میں سب سے اچھے گھر والے ہوں۔ اس پر حق سبحانہ فرماویں گے کہ میں تجھے اس کے لئے پسند نہیں کرتا۔ اے بے حقیقت جا دور ہو، اور نیست نابود ہو جا۔

ایک روایت میں ہے کہ حق سبحانہ اس سے فرماویں گے کہ جا دوزخ میں۔ اس پر وہ عرض کرے گی کہ جو میرے دوست ہیں وہ بھی میرے ساتھ ہوں۔ اس پر حکم ہوگا اچھا جو تیرے دوست ہیں وہ بھی جائیں۔ پس وہ اپنے سب دوستوں کو لے کر دوزخ میں چلی جاوے گی۔

ابو عازم رحمۃ فرماتے تھے کہ جو لوگ دنیا کو بڑی چیز سمجھتے ہیں، ان کو حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جاوے گا اور کہا جاوے گا کہ یہ لوگ وہ ہیں جو اس کی وقعت کرتے تھے، جس کو خدا نے بے وقعت سمجھا ہے۔ پس یہ سن کر مارے شرم کے ان کے چہروں کا گوشت گر جاوے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ خدا سے محبت کرتا ہے حالانکہ وہ دنیا سے بھی محبت کرتا ہے وہ جھوٹا ہے، کیونکہ محبت کرنے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ اسے ناپسند کرے جس کو اس کا محبوب ناپسند کرتا ہے۔

مالک بن دینار فرماتے تھے کہ عالم جب اپنی خواہش نفسانی کو میری طاعت پر ترجیح دیتا ہے تو سب سے معمولی برتاؤ جو میں اس سے کرتا ہوں، یہ ہوتا ہے کہ میں اسے اپنی مزید ار ہم کلامی سے محروم کر دیتا ہوں، (مطلب یہ ہے کہ معصیت کی ادنیٰ شامت

یہ ہے کہ اس سے ذکر اللہ کی توفیق مسلوب ہو جاتی ہے)۔

وہب بن منبہؒ اپنے دوستوں سے فرماتے تھے کہ لاؤ ہم اس گناہ سے توبہ کریں جس سے لوگوں نے توبہ چھوڑ دی ہے۔اس پر وہ عرض کرتے کہ حضرت وہ کون سا گناہ ہے؟ تو آپ فرماتے کہ دنیا کی محبت، اور (فرماتے کہ اب تو لوگ دنیا سے صرف محبت ہی کرتے ہیں مگر) عنقریب کچھ لوگ دنیا کی اور اہل دنیا کی پرستش کریں گے۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ جو شخص حب دنیا کو گناہ کبیرہ نہ قرار دے وہ غلط راستہ پر ہو گیا۔ اور اس کے کبیرہ گناہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس پر کفر مبنی ہے، اور وہ بنیاد ہے کفر کی۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفر کا سبب یہ ہے کہ حسد یا تکبر کی وجہ سے ان احکام کی مخالفت کی جاوے جو رسول اللہ ﷺ خدا کی طرف سے لائے ہیں، اور حسد یا تکبر یہ دونوں حب دنیا کے سبب سے ہوتے ہیں (تو حب دنیا کا بنیاد کفر ہونا ثابت ہو گیا) واللہ اعلم۔

عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں سے فرماتے تھے کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں سے بڑھ کر گناہ ہے۔

مالک بن دینار فرماتے تھے کہ اس جادوگرنی سے بچو جو علماء کے دلوں پر جادو کر کے ان کو خدا کی یاد سے غافل کر دیتی ہے یعنی دنیا۔ یہ ہاروت و ماروت سے زیادہ جادوگر ہے۔ اور اس کا جادو ان کے جادو سے بڑھ کر ہے کیونکہ وہ تو خاوند اور بیوی کے درمیان جدائی کرتے تھے، یہ خدا اور بندہ کے درمیان جدائی پیدا کرتی ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ میاں ہم نے لوگوں کی یہ حالت دیکھی ہے کہ وہ دنیا کو ایک امانت سمجھتے تھے جس کو وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہم اسے اس کے مالک کے حوالہ کر دیں گے (اور اسی لئے وہ اسے اسی موقعہ پر صرف کرتے تھے جہاں اس کے مالک حقیقی یعنی حق تعالیٰ کی مرضی ہو)، اور اس میں اپنی کسی قسم کی ملک نہ سمجھتے تھے (تاکہ جس جگہ چاہے صرف کریں) اور اسی لئے وہ دنیا سے ہلکے پھلکے رخصت ہو گئے (کیونکہ انہوں نے نہ اس کے حاصل کرنے کی پرواہ کی اور نہ اس کے رکھنے کی)۔

ابو سلیمانؒ دارانی فرماتے تھے کہ خشک روٹی بھی دنیا سے ڈرتے ڈرتے کھاؤ، اور اپنے کو اس حالت میں بھی دنیا سے بے رغبت ہرگز نہ خیال کرو کیونکہ ذرا سی دنیا سے بہت سی ہو جاتی ہے اور آدمی کو احساس بھی نہیں ہوتا۔ (خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کو اگر دنیا سے تھوڑا سا بھی تعلق ہو جو کہ ہر ایک کے لئے لازم ہے تو اس کو دنیا سے غافل نہ ہونا چاہئے، کیونکہ جہاں وہ غافل ہوا اور دنیا نے اس پر تسلط کیا)۔

سفیانؒ بن عینیہ فرماتے تھے کہ صوفیہ کرام ذکر اللہ اس لئے کرتے ہیں کہ دنیا ان سے دور رہے، کیونکہ اس کی خاصیت ہے کہ جب تک لوگ خدا کی یاد میں مصروف ہوں اس وقت تک ان سے دور رہے گی۔ اور جب وہ اس کو چھوڑ کر منتشر ہو جائیں گے فوراً ان کی گردنیں آ پکڑے گی۔ آہ۔ اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

استحیاء

۶۵- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی کہ وہ کثرت سے پیشاب پاخانہ جاتے ہوئے شرماتے ہیں، اور اس لئے وہ زیادہ نہیں جاتے۔ اور صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ وہ کھانا کھاتے ہوئے اور حد شرعی کے اندر اور محض جناب رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کے لئے ہمیشہ بھوکے رہتے ہیں، کیونکہ جناب رسول اللہ بھوک کے غلبے کے سبب پیٹ پر پتھر باندھتے تھے اور یہ حالت اضطراری نہ تھی بلکہ اختیاری تھی کیونکہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ اگر آپ چاہتے تو کھا سکتے تھے مگر آپ دوسروں کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے تھے (اور بھوکوں کو دے کر خود بھوکے رہتے تھے)۔ میں کہتا ہوں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا مقام دوسرا تھا جو اس سے اکمل تھا جس کا بیان اس خلق میں ہوا ہے، اور وہ یہ تھا کہ وہ اپنے نفس کو مقدم رکھتے تھے، اور باختیار بھوکے نہ رہتے تھے، کیونکہ کامل کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو اس کا پورا حق ادا کرے کیونکہ اس سے اس کے متعلق بازپرس ہونے والی ہے۔ پس آپ نے باختیار خود بھوکا رہنا اور دوسرے کو

اپنے اوپر ترجیح دینا اس لئے اختیار فرمایا تھا تاکہ دوسرے لوگ ان کا اتباع کریں، (کیونکہ یہ مجاہدہ ہے اور آپ کو اس کی ضرورت نہ تھی مگر دوسروں کو ضرورت تھی۔ اس لئے دوسروں کی تعلیم کے لئے آپ نے ایسا کیا۔) واللہ اعلم۔

عبدالرحمٰن بن ابی نعم ہر پندرہ روز میں ایک مرتبہ کھانا کھاتے تھے۔ اس کی اطلاع حجاج بن یوسف کو ہوئی، انہوں نے ان کو بلایا اور ایک مکان میں داخل کر کے دروازہ بند کر دیا۔ پندرہ دن کے بعد کھولا تو دیکھا کہ آپ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں۔

عبداللہ بن زبیرؓ ہفتہ بھر بھوکے رہتے تھے، اور صرف ہفتہ کے روز کھانا کھاتے تھے۔

امام ابوحنیفہ بہت ہی کم کھانا کھاتے اور اتنا کھاتے تھے جتنا کہ ایک پرندہ کھاتا ہے۔ اور ان کے گھر میں سوائے ایک بوریہ کے کچھ نہ تھا۔

ابوسلیمان دارانی فرماتے تھے کہ مجھے عبادت میں اس وقت نہایت ہی لطف آتا ہے جبکہ میرا پیٹ کمر سے لگا ہوا ہو (اس وقت حکمت کا فیضان ہوتا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ) حکمت دلہن کی طرح خالی مکان چاہتی ہے جس میں وہ اپنے شوہر کے پاس اطمینان کے ساتھ سووے۔

حسن بصری فرماتے تھے کہ دو سالن دسترخوان پر اکٹھے نہ کرو، کیونکہ (عادۃً) یہ کھانا منافقین کا ہے۔ (گو اتفاقیہ طور پر کسی اہل اللہ کو بھی یہ واقعہ پیش آ جاوے)۔

امیر المومنین عمر بن الخطابؓ کا قاعدہ تھا کہ جب وہ کسی کو دیکھتے کہ اس کے پیٹ کی کھال بوجہ پیٹ بھر کر کھانے اور پیٹ بڑھ جانے کی لٹکی ہوئی ہے تو اس پر درہ لے کر مارنے چڑھ جاتے، اور فرماتے کہ یہ کھال کفار کے پیٹ کی کھال کے مشابہ ہے (کیونکہ وہی اتنا زیادہ کھاتے ہیں کہ پیٹ بڑھ کر لٹک جائے، مسلمانوں کے پیٹ کو کمر سے لگا ہوا ہونا چاہئے)۔ نیز وہ جب کسی کو اکثر گوشت خریدتے دیکھتے تو اس کو بھی درہ سے مارتے اور فرماتے کہ تجھے معلوم نہیں کہ اس کی چاٹ شراب کی چاٹ کے مثل ہے (یعنی جب یہ منہ کو لگ جاتا ہے تو چھٹتا نہیں۔ اس لئے اس سے نفس پروری پیدا

ہوتی ہے)۔

امام اوزاعیؒ مہینہ بھر میں ایک مرتبہ پاخانہ جاتے تھے، اس کے بعد دو مرتبہ جانے لگے تو ان کی والدہ ان کے دوستوں سے کہتیں کہ عبدالرحمن کے لئے دعا کرو ان کو دست آنے لگے، اور مالکؒ بن دینار فرماتے تھے کہ میں تین دن میں ایک مرتبہ پاخانہ جاتا ہوں مگر اس سے بھی مجھے شرم آتی ہے۔ یہی حالت امام مالک رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ کی تھی۔

مالک بن دینار فرماتے تھے کہ ہم کو روایت پہونچی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سے بدتر وہ لوگ ہیں جو گیہوں کا مغز کھاتے اور بھوسی پھینک دیتے ہیں، بخدا ایک مرتبہ میرے آٹے میں راکھ مل گئی تھی، اس کو میں نے ایک عرصہ تک کھایا مگر میرا جسم کمزور ہو گیا، اس لئے میں نے اسے مجبوراً چھوڑ دیا، لیکن اگر میں اسے برداشت کر سکتا تو عمر بھر اسے نہ چھوڑتا۔

سفیانؒ ثوری و ابراہیم بن ادہم جب حلال کھانا نہ پاتے تو پندرہ پندرہ دن بلکہ اس سے بھی زیادہ دنوں تک صرف ریت پھانکتے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ میں حجاج بن قرافطہ کے پاس گیارہ روز تک رہا۔ سو میں نے نہ ان کو کچھ کھاتے پیتے دیکھا اور نہ نماز کے سوا کسی اور کام کے لئے اٹھتے دیکھا۔ اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اس خلق میں جو تم نے تین دن سے زیادہ بھوکا رہنے کے واقعات بیان کئے ہیں، یہ خلاف سنت ہیں کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہیں کیا اور تم نے بھوکا رہنے میں حد شرعی کے اندر رہنے کی قید لگائی ہے تو ان میں تطبیق کس طرح ہوگی؟ اور ان کے تین روز سے زیادہ بھوکا رہنے کی توجیہ کیا ہوگی؟ سو اس کا جواب بعض لوگوں نے یہ دیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ چند روز تک صوم وصال رکھتے تھے، پس ممکن ہے کہ جو لوگ زیادہ دنوں تک بھوکے رہتے تھے وہ اس معاملہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کے وارث ہوں اور ان کے اتباع سے ان کو اس کی قوت ہوگئی ہو، اور وصال کی ممانعت ان کو ہو جو اس کا تحمل نہیں کر سکتے اور ان کو اپنے نفس

کو سختی میں مبتلا کرنے سے اس لئے منع فرما دیا ہو کہ مبادا ان کو عبادت سے نفرت ہو جائے۔

ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ ابو عقال مغربیؒ ہر چھ ماہ میں صرف ایک مرتبہ کھاتے تھے۔

میں نے شیخ علی مرصفیؒ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ شیخ عیسیٰ بن نجم جن کا مزار بحر برلس کے ساحل پر ہے، ان کو یہ واقعہ پیش آیا کہ سترہ برس بلا کچھ کھائے اور بلا کچھ پئے اور بلا سوئے ایک وضو سے رہے۔ (سو جب ان حضرات کی قوت کی یہ حالت ہے، تو نہی صوم وصال کے یہ لوگ مخاطب نہیں ہو سکتے بلکہ اس کے مخاطب صرف ضعفاء ہوں گے، اور اس صورت میں ان لوگوں پر مخالفت شریعت کا اشکال نہ ہوگا جنھوں نے تین دن سے زیادہ کچھ کھایا پیا نہیں۔ واللہ اعلم۔

بعض محققین نے اس اعتراض کا دوسرا جواب دیا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ حضرات جو زیادہ دنوں تک بھوکے رہتے تھے شام کے وقت ایک کشمش یا ایک قطرہ پانی پی لیتے تھے تاکہ وصال منہی عنہ کی حد سے نکل جائیں، (اور بھوکے رہنے کا جو مقصد ہے وہ بھی فوت نہ ہونے پائے۔ اور خیال تو یہی ہے کہ وہ ضرور ایسا کرتے ہوں گے۔ باقی واقعی بات خدا کو معلوم ہے کہ آیا وہ نصوص نہی وصال میں تاویل کرتے تھے یا ان پر اس طرح عمل کرتے تھے جس طرح بعض محققین نے بیان کیا۔ غرض خلاصہ یہ ہے کہ حضرات صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بھوکا رہنا طریق کا ایک بڑا رکن ہے حتی کہ وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ جو طالب پانچ روز کے بعد کھانا مانگے اس سے کہہ دینا چاہئے کہ جاؤ کھاؤ کماؤ، کیونکہ اس سے طریق میں کچھ نہ ہو سکے گا۔

ابو عثمان خیریؒ فرماتے تھے کہ ابتداء طریق اور اپنی سیاحت کے زمانہ میں سال سال بھر مجھے کھانے کا خیال بھی نہ آتا تھا، ہاں اگر کہیں میرے سامنے آجاتا تو اور بات ہے۔ آہ۔ پس تمہیں اپنے بھوکے رہنے پر ناز نہ ہونا چاہئے اور سمجھنا چاہئے کہ تمہاری بھوک انہی لوگوں کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اور باوجود اس کے ان کی بھوک حد شرعی سے خارج بھی نہ تھی۔ کیونکہ وہ اس کو برداشت کر سکتے تھے اور اس کی

ممانعت مقصود بالذات نہیں، بلکہ وہاں ممانعت ہے جہاں نفس کو ضرر کا احتمال ہو، جیسا کہ اس کی تقریر گذر چکی ہے۔

سہل بن عبداللہ تستری اپنی عقل اور اپنی قوت اور اپنی معرفت کو سات حصوں پر تقسیم کرتے اور جب تک ان میں سے ہر ایک کے چھ حصہ نہ جاتے رہتے اس وقت تک کھانا نہ کھاتے، اور فرماتے کہ اگر مجھے ہلاکت کا خوف نہ ہوتا تو جب تک ساتوں حصہ نہ فنا ہو جاتے اس وقت تک نہ کھاتا۔ پس اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے (اور اپنی حیثیت کے مطابق بھوکا رہنے کا اہتمام کرنا چاہیے)۔ والحمد للہ رب العالمین۔

دنیا سے بے تعلقی

۶۶- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ حضرات چونکہ دنیا کو چھوڑ چکے ہیں اور اس سے خالی ہاتھ ہوتے ہیں اس لئے اس سے بچاؤ کو اس حصول پر مقدم رکھتے ہیں، بلکہ وہ تو اس سے خالی ہاتھ رہنے کو اس کے جمع کرنے اور جمع کر کے خدا کی راہ میں صرف کرنے پر بھی مقدم رکھتے ہیں بدیں خیال کہ جمع کرنے کے بعد شاید اس کا حق ادا نہ ہو سکے اس لئے اس سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اے وہ شخص جو دنیا اس غرض سے طلب کرتا ہے کہ اس سے دوسروں کو نفع پہنچاوے تو اس خام خیالی سے باز آ۔ تیرا اس کو چھوڑ دینا ہی بہت زیادہ نافع ہے۔

جنیدؒ فرماتے تھے کہ آدمی کا دنیا سے بے تعلق رہنا اس کے جمع کرنے اور اس کے بعد اس کے خرچ کرنے سے زیادہ نافع ہے، اور حضرات صوفیہ میں سے جب کسی سے کہا جاتا کہ یہ درہم لیجئے اور فقراء پر تقسیم کر دیجئے تو فرماتے کہ میاں تم خود تقسیم کر دو۔ اور فرماتے کہ جو شخص اسے جمع کرے وہی تقسیم کا زیادہ مستحق ہے، اس کے علاوہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مال حرام یا مشتبہ ہوتا ہے تو اس سے فقیروں کے لئے خرابی اور بانٹنے والے پر وبال ہوتا ہے پس اپنے اوپر کیوں بوجھ رکھا جائے)۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ جو شخص سب کاموں کو چھوڑ کر اپنے رب کی

عبادت میں لگ جاوے، وہ اس سے افضل ہے جو عبادت کو چھوڑ کر بال بچوں کے لئے کمائی کی فکر میں لگا رہے۔

ابراہیمؒ بن ادہم فرماتے تھے کہ تم میں اور اصل صوفیوں میں بہت فرق ہے، ان کی حالت تو یہ تھی کہ دنیا ان کی طرف آتی تھی اور وہ اس سے بھاگتے تھے۔ اور تمہاری حالت یہ ہے کہ دنیا تم سے بھاگتی ہے اور تم اس کا پیچھا کرتے ہو۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ دنیا کی تلخی کا پینا ایلوے کی تلخی پینے سے زیادہ سخت ہے۔

مالک بن دینارؒ فرماتے تھے کہ کوئی شخص صدیقین کے مرتبہ کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا تاوقتیکہ وہ بیوی کو ایسی نہ چھوڑ دے جیسے کہ وہ بیوہ ہو۔ اور بچوں کو اس حالت میں نہ چھوڑ دے جیسے کہ وہ یتیم ہوں، (مقصود یہ نہیں ہے کہ ان کی خبر گیری مطلقاً چھوڑ دے کیونکہ یہ تو حرام ہے بلکہ مقصود مبالغۃً یہ ہے کہ ان کی دھن میں نہ لگے بلکہ دھن تو خدا ہی کی رہے، اور ان کی خبر گیری ضرورت کے مطابق اور وہ بھی شریعت کا حکم سمجھ کر رکھے)۔

ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک رات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گذرا ایک ایسے شخص پر ہوا جو سو رہا تھا اور وہاں کچھ اور لوگ بھی تھے جو کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، تو آپ نے اس سے فرمایا کہ میاں اٹھو تم بھی نماز پڑھو۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے خدا کی وہ عبادت کی ہے جو سب سے بڑھ کر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ کیا عبادت ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے دنیا کو ترک کر دیا ہے، اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ اچھا سوتا رہ کیونکہ تو سب عبادت کرنے والوں سے بڑھ گیا ہے۔

اس خلق کے متعلق حضرات صوفیہ کی دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اہل صفہ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا تم میں کون شخص ہے جو بطحان جاوے اور جا کر وہاں سے بڑے بڑے کوہانوں والی دو اونٹنیاں لے آوے، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو ہم میں سے ہر شخص پسند کرتا ہے، تو آپ

نے فرمایا کہ تمہارا اس کو چھوڑ دینا اور مسجد میں جانا اور جا کر قرآن شریف کی دو آیتیں سیکھ لینا یہ دو اونٹنیوں اور تین اونٹنیوں سے بہتر ہے، بلکہ تین اور چار سے بہتر ہے بلکہ چار اور باقی اعداد سے بہتر ہے۔اھ (میں کہتا ہوں) کہ ہر مقام کے لئے آدمی ہوتے ہیں، اور شارع کا کام یہ ہے کہ وہ ہر شخص کو اس مقام کے متعلق ترغیب دے جس میں حق تعالیٰ نے اسے قائم کردیا ہے، تاکہ مراتب معطل نہ ہوجاویں (یہی وجہ ہے کہ کسب حلال اور نکاح و بیاہ وغیرہ کی بھی ترغیب دیتے ہیں، اور زہد اور دنیا سے بے تعلقی کی بھی۔ غرض جس کی طبیعت کو جس طرح لگاؤ ہو اس کے مناسب اس کی تربیت فرماتے ہیں اور ایک ہی طریق پر سب کو نہیں لاتے ورنہ کارخانہ عالم تباہ ہو جائے، لیکن اتنی بات ہے کہ خواہ زہد فی الدنیا ہو یا دنیا سے تعلق ہر بات حدود شریعت کے اندر ہو، اور سب سے مقصود رضائے حق سبحانہ ہو، اس صورت میں جتنا زہد محمود ہے اتنا ہی تعلق محمود ہوگا۔ واللہ اعلم) والحمد للہ رب العالمین۔

حسن ظن بالمسلمین

۶۷- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب وہ کسی کو دیکھتے ہیں کہ وہ لوگوں سے قطع تعلق کر کے پہاڑ وغیرہ میں جارہا ہے اور پھر دیکھتے ہیں کہ وہ لوگوں کے پاس بھی آتا جاتا ہے، اور ان کی دعوتوں میں شریک ہوتا ہے، اور ان کے مردوں کے کفن دفن میں بھی شریک ہوتا ہے تو وہ اس کو کسی غرض فاسد پر محمول نہیں کرتے (مثلاً وہ یہ کہیں کہ اپنے آپ کو بے تعلق مشہور تو کردیا مگر اس کو نباہ نہ سکا، یا یہ کہیں کہ وہ لوگوں کے ساتھ اس لئے ایسا کرتا ہے کہ لوگ اس کے مولد وغیرہ میں شریک ہوں، ایسا نہیں کرتے اور نہ کرنا چاہئے) بلکہ حسن ظن اور مسلمانوں کے ساتھ حسن خلق کا مقتضا یہ ہے کہ اس کے فعل کو اس پر محمول کرنا چاہئے کہ وہ خالص خدا کے لئے ایسا کرتا ہے، پس خبردار تم کبھی کسی شخص کے ساتھ جو کسی زمین یا کسی پہاڑ پر جا کر رہنے لگا ہے اس کو مخلوق سے ملتا جلتا دیکھ کر کبھی برا گمان نہ کرنا (اور یہ نہ کہنا کہ یہ تو سب کو چھوڑ کر چل دے

تھے،اب یہ کیوں ملتے جلتے ہیں) بلکہ تم پر لازم ہے کہ تم اس کے ساتھ اچھا گمان رکھو۔ اس کو خوب سمجھ لو۔ والحمد للہ رب العالمین ۔

تحصیل رزق کے لئے ترک اہتمام

۶۸- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ تحصیل رزق کا اہتمام نہیں کرتے ،اور جب کوئی رات ایسی گذرتی ہے کہ ان کے پاس اس میں درہم یا دینار نہیں ہوتا تو (بجائے محزون ومغموم ہونے کے) وہ نہایت خوش ہوتے ہیں (اور شکر کرتے ہیں کہ آج خدا نے ہمیں بڑی بلا سے بچالیا)۔نیز وہ کل کے لئے کھانا بھی نہیں رکھتے (بلکہ جو کچھ ملتا ہے روز کا روز صرف کر ڈالتے ہیں)اور جب کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی ان میں سے ایک دن یا ایک ہفتہ یا ایک سال کی غذا رکھ لیتا ہے تو وہ ان لوگوں کے نام سے ہوتا ہے جن کا بار اس کے اوپر ہے (مثلاً بیوی بچے ماں باپ وغیرہ) اور اپنے نام سے نہیں ہوتا ،اور (اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ اس کو خدا پر بھروسہ نہیں کہ وہ اس کے بال بچوں وغیرہ کو کھانا نہ دے گا) بلکہ اس سے مقصود خود بال بچوں وغیرہ کی پریشانی کو دفع کرنا ہوتا ہے جو کہ اس وقت پیدا ہوگی جبکہ ان کے پاس کھانے کو نہ ہوگا ،اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کو اس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدظنی پیدا ہو جاوے ،(لہٰذا وہ ان کے دین کو محفوظ رکھنے اور ان کو پریشانی سے بچانے کے لئے ایسا کرتا ہے) ،اور بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ فقیر کبھی کبھی اس غذا کو بھی رکھ لیتا ہے جس کی نسبت اسے کشف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی کی قسمت کی روزی ہے اور دوسرا اسے نہیں کھا سکتا (اس لئے کسی کو دینا بے سود ہے)،مگر میں نے سیدی علی خواص سے سنا ہے: وہ فرماتے تھے کہ عارف کا کمال یہ ہے کہ جب اسے معلوم ہو جاوے کہ فلاں شئے اسی کی مقدر روزی ہے (اور دوسرا اس کو نہیں کھا سکتا) تو اسے نہ روکے بلکہ فوراً دے ڈالے اور) جب تک وہ اس کے پاس وقت مقدر پر لوٹ کر خود نہ آ جاوے اس وقت تک صبر کرے کیونکہ اس میں ترجیح ہے۔ دنیا سے خالی ہاتھ ہونے کو اس کے روکے رکھنے پر، نیز اس روکنے میں کچھ

فائدہ بھی نہیں۔ آہ (غرض کہ یہ ایک اجتہاد جس امر کو راجح قرار دے وہ کرے، اگر انفاق کو بے سود سمجھ کر اسے رہنے دے اس کا مضائقہ نہیں، اور اگر روکنے کو بے سود سمجھ کر خرچ کرڈالے تب بھی اچھا ہے)۔ میں نے شیخ علی ہیتی بصیرؒ سے سنا ہے: وہ فرماتے تھے کہ جو فقیر حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات چاہے اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اگلے دن کا کھانا نہ رکھے، کیونکہ جو اگلے دن کے لئے کھانا رکھتا ہے اس سے وہ نہیں ملتے۔

خضر علیہ السلام کا یہ بھی معمول ہے کہ وہ کاملین سے بیداری میں ملاقات فرماتے ہیں، اور مبتدیوں سے خواب میں ملتے ہیں، کیونکہ مبتدی ان کی بیداری کی ملاقات کا تحمل نہیں کرسکتا، اس بناء پر وہ خواب میں آ کر اس کو طریق کے متعلق وہ باتیں تعلیم کرتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتا۔

ابوعبداللہ یسریؒ جو دربار رسالت میں حاضر ہونے والوں میں سے ایک شخص تھے ان کے ساتھ بیداری میں حضرت خضر علیہ السلام ملاقات فرماتے تھے اور دیر تک باتیں کرتے۔ اس کے بعد انہوں نے بیداری میں ملنا بند کردیا اور خواب میں تشریف لانے لگے۔ انہوں نے اس کا سبب دریافت کیا کہ آپ بیداری میں کیوں نہیں ملتے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہماری عادت ہے کہ ہم اس شخص سے بیداری میں نہیں ملتے جو اگلے دن کا کھانا اٹھا کر رکھتا ہے، اور تم نے فلاں وقت اپنی بیوی سے کہا تھا کہ یہ درہم الماری میں رکھ دو تاکہ کل کام آوے، اس پر ابوعبداللہ نے عرض کیا کہ یہ صحیح ہے، مگر میں نے اس سے توبہ کرلی ہے، مگر اس کے بعد وہ بیداری میں ان سے نہیں ملے حتی کہ ان کا انتقال ہوگیا، اور یہ واقعہ انہوں نے اپنے مرض موت میں مجھ سے خود بیان کیا ہے۔ آہ۔

• یس قرشیؒ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کا اس وقت تک کوئی عمل قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ اپنے رزق کا اہتمام کرتا ہے کیونکہ اپنے رزق کا اہتمام کرنے والا خدا پر بدگمانی کرتا ہے، اور جو خدا پر بدگمانی کرتا ہے اس کا کوئی عمل نہیں قبول کیا جاتا۔ میں کہتا ہوں کہ کبھی آدمی اپنے رزق کا اہتمام کرتا ہے اور اس کے لئے سعی میں پورا اہتمام کرتا ہے مگر اس کا مقصود حکم خداوندی کی تعمیل کے لئے اہتمام ہوتا ہے کہ اس نے

کسب کا حکم دیا ہے، اور خدا پر اس کو بے اطمینانی نہیں ہوتی کہ وہ اس کی خبر نہ لے گا۔ پس اویسؒ کے ملفوظ کو اس کے خلاف پر محمول کرنا چاہئے (یعنی وہ اس اہتمام کے متعلق ایسا فرماتے ہیں جس کا منشا خدا پر بے اطمینانی ہو)۔

ایک مرتبہ حضرت بایزید بسطامیؒ سے کسی نے کہا کہ آپ کہاں سے کھاتے پیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا جہاں سے اللہ مکھی اور مچھر کو رزق دیتا ہے، کیا تم سمجھتے ہو کہ مکھی اور مچھر کو تو کھانا دے گا اور بایزید کو بھول جاوے گا۔

بایزید بسطامیؒ نے ایک عرصہ تک ایک امام کے پیچھے نماز پڑھی، ایک روز امام نے دریافت کیا کہ یہاں میں تمہیں کچھ کماتے تو دیکھتا نہیں، پھر تم کھاتے کہاں سے ہو؟ اس کے جواب میں بایزید نے کہا کہ پہلے میں ان نمازوں کو قضا کرلوں جو میں نے تمہارے پیچھے پڑھی ہیں، پھر جواب دوں گا، کیونکہ تم خدا کو نہیں پہچانتے، اور جو خدا کو نہ پہچانے اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ مضمون اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں حکم ہے کہ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو، کیونکہ حدیث میں مقصود سلاطین کے مقابلہ میں بغاوت بند کرنا ہے، (کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو بادشاہ ہو وہی نماز پڑھاوے، یا اپنا نائب مقرر کرے۔ اور سلاطین نیک و بد دونوں ہوتے ہیں، اس لئے اگر بدوں کے پیچھے نماز پڑھنے کی ممانعت کردی جاتی تو رعایا فاجر بادشاہ کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کرتی، اور اس سے فساد پیدا ہوتا لہٰذا اجازت دے دی گئی کہ برے بادشاہوں کے پیچھے بھی نماز پڑھ لیا کرو، اور ان سے بغاوت نہ کرو۔ اور بایزیدؒ نے جو فرمایا اس کا مقصد یہ ہے کہ امام کو کامل ہونا چاہئے ورنہ اس کے پیچھے نماز ناقص ہوگی، جس کی اعادہ کی ضرورت ہے، اور یہ مقصد نہیں کے اس کے پیچھے نماز ہی نہیں ہوگی، تاکہ تغیر حکم شریعت لازم آوے)۔ اب سمجھنا چاہئے کہ آئندہ کے لئے کھانا نہ رکھنے کے متعلق حضرات صوفیہ کی یہ دلیل ہے۔

کہ کسی شخص نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہدیۃً تین پرندے

بھیجے۔آپ نے ایک پرندا پنی خادمہ کو دے دیا۔اگلے دن وہ حضور کی خدمت میں اسے لے کر آئی، آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں منع نہ کیا تھا کہ تم اگلے دن کے لئے کچھ نہ رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر روز کا رزق ہر روز دیتا ہے، آہ۔اب تم اپنے نفس کا امتحان کرو کہ وہ کل کے لئے کھانا رکھنا چاہتا ہے یا نہیں، اگر وہ اس کے رکھنے کے لئے بے چین ہو تو اس سے کہو کہ مقام صالحین میں تمہارا کچھ حصہ نہیں۔والحمدللہ رب العالمین۔

مصائب پر صبر کرنا

۶۹- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی کہ وہ سختی اور مصیبت کو خوش عیشی اور فراخی پر ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ اس کے ذریعہ سے ان کو خدا کی طرف توجہ رہتی ہے اور جو شخص خدا سے محبت رکھے گا وہ اس کو پسند کرے گا، جو اس سے تقرب پیدا کراتی ہو، اور جس کے سبب وہ اس کو یاد کرتا ہو۔

وہب بن منبہؒ فرماتے تھے کہ جو شخص مصیبت کو نعمت اور فراخی کو مصیبت نہ سمجھے وہ سمجھدار آدمی نہیں۔

مالک بن دینارؒ کے پاس کچھ لوگ گئے تو ان کو دیکھا کہ تاریک مکان میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ہاتھ میں روٹی لئے ہیں، اس پر ان سے پوچھا کہ حضرت کیا چراغ نہیں ہے (جو اندھیرے میں بیٹھے ہو)؟ کیا کوئی چیز نہیں ہے جس پر روٹی رکھو؟ (جو ہاتھ میں روٹی لئے ہوئے ہو) انہوں نے جواب دیا کہ مجھے تو اپنی گذشتہ حالت پر ندامت ہے جب سب کچھ تھا (اور اس حالت کو پسند کرتا ہوں جب کہ کچھ نہیں)۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ جس پر دنیا فراخ کر دی جاوے اور اسے یہ اندیشہ نہ ہو کہ شاید یہ تدبیر خداوندی ہو (جس سے وہ اس کو اس کی شامت اعمال کے سبب اپنے سے غافل رکھنا چاہتا ہو) وہ خدا کی اس تدبیر سے بے خوف ہے جو اس کے لئے مضر ہے، (اور یہ شان مؤمنین کی نہیں بلکہ کفار کی ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فلا یامن مکرَ اللہ الا القومُ الخسرون﴾۔

امیر المومنین عمر بن الخطابؓ فرماتے تھے کہ جس کو رات کو روٹی کا سوکھا ٹکڑا مل جاوے وہ محتاج نہیں محتاج وہ ہے جسے کچھ نہ ملے۔

ربیع بن انسؒ فرماتے تھے کہ مچھر اسی وقت تک زندہ رہتا ہے جب تک وہ بھوکا رہے اور جب اس کا پیٹ بھرتا ہے تو وہ موٹا ہو جاتا ہے، اور جب موٹا ہو جاتا ہے تو مر جاتا ہے۔ بس یہی حالت آدمی کی ہے کہ جب وہ دنیا سے پر ہوتا ہے تو اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے۔

حفص بن حمیدؒ بیان فرماتے تھے ک علماء، فقہاء، حکماء، شعراء سب کا اس پر اتفاق ہے کہ آخرت کی نعمتوں کا کمال احساس اسی وقت تک ہو سکتا ہے جب کہ دنیاوی نعمتیں اس کو کم ملی ہوں (ورنہ احساس تو ضرور ہوگا، مگر کم) اب سمجھو کہ اس خلق پر حضرات صوفیہ کی یہ دلیل ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں کیسے چین سے ہو سکتا ہوں جب کہ حضرت اسرافیل منہ میں صور لئے ہوئے ہیں، اور حق تعالیٰ کی طرف کان لگائے ہوئے ہیں، اور پیشانی کو جھکائے ہوئے منتظر ہیں کہ کب حکم ہو کہ وہ صور پھونکیں، آہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ کاملین دنیا ہی میں قیامت کے خوفناک واقعات کو دیکھتے رہتے ہیں اور اس سبب سے ان کو نہ کھانے میں مزہ آتا ہے، نہ پینے میں، نہ سونے میں، اور نہ جماع وغیرہ میں، اور چونکہ مراقبہ احوال قیامت ان کا ایک اختیاری فعل ہے تو ثابت ہوا کہ وہ تکلیف کو راحت پر ترجیح دیتے ہیں۔ (واللہ اعلم) اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے، والحمد للہ رب العالمین۔

احترام معاصرین

۷۰- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب ان سے کوئی شخص اپنی کسی ضرورت میں دعا وغیرہ کی درخواست کرتا ہے اور کسی ایسے محلّہ (یا شہر وغیرہ) کا رہنے والا ہے جہاں اس کے ہمعصر مشائخ میں سے کوئی شخص رہتا ہے تو وہ اس صاحب حاجت کو اس کے محلّہ (یا شہر وغیرہ) کے شیخ کے پاس لوٹا دیتے ہیں اور اس کے

اعتقاد کو اس شیخ کے ساتھ درست کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور جب کہ وہ اس کی حاجت کو پورا کردیں، اور اس شیخ کے پاس نہ لوٹائیں تو انہوں نے اس شیخ کے ساتھ بدتہذیبی کا ارتکاب کیا، اور یہ طریقہ شیخ سیدی علیؒ خواص کا تھا۔ چنانچہ جب کوئی شخص ان کے پاس آتا اور ان سے کوئی درخواست کرتا تو اس سے دریافت فرماتے کہ بھائی تم کس محلّہ کے رہنے والے ہو؟ جب وہ بتلا دیتا تو فرماتے اپنے محلّہ کے شیخ کے پاس جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے محلّہ کے شیخ کو اسی لئے وہاں رکھا ہے کہ وہ اہل محلّہ کی ضروریات کا تحمل کریں۔ اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے۔ والحمدللہ رب العالمین۔

خدا اور رسول کی محبت

۱۷- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان سے دنیا کا رخ پھیر دیتا ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں، کیونکہ یہ حضرات خدا اور رسول سے محبت کرتے ہیں، اور جو خدا رسول سے محبت کرے گا وہ دنیا کو بالضرور ناپسند کرے گا، کیونکہ وہ کمال عبادت سے مانع ہے۔ پس اس لئے ان کا سب سے اعلیٰ درجہ کا خلق یہ ہے کہ ان کی طرف دنیا کے جھکنے سے ان کے قلوب منقبض ہوتے ہیں، اور بھائی صاحب تمہیں یہ بھی تو سوچنا چاہئے کہ جب صحابہؓ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی تو کس طرح ان کی یہ حالت تھی کہ ان میں سے اکثر کے پاس نہ صبح کے وقت درہم و دینار ہوتے تھے تو اور نہ شام کے وقت، (اور یہ سوچ کر سمجھنا چاہئے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت کا مقتضا یہی ہے کہ دنیا سے خالی ہاتھ رہے)، اور جناب رسول اللہ ﷺ نے اس وجہ سے کہ ان کو اپنے اہل بیت سے محبت تھی اور ان کے اہل بیت کو ان سے، یہ دعا فرمائی تھی کہ اللہ میری آل کو بس کھانے کے لائق رزق دینا، زیادہ نہ دینا (کیونکہ اس سے دین کی بربادی کا اندیشہ ہے)، اور قلت رزق کی اس لئے ضرورت ہے تاکہ آدمی خدا کی طرف متوجہ رہے اور کوئی روکنے والی شے اس کو اس توجہ سے نہ روک سکے، بالخصوص اگر کوئی شخص ایسا ہو جس کو بھوک کا تحمل نہ ہو تو اس کو اور بھی زیادہ ضرورت ہے، کیونکہ وہ

رات دن اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے گا۔ اور اس سے برابر روزی مانگتا رہے گا، اور اس میں سستی نہ کرے گا۔

عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے تھے کہ مؤمن کے لئے دنیا جیل خانہ ہے، اور اس میں بڑی مشقت اور اس کے لئے مصیبت پر صبر اور غصہ کا ضبط کرنا ہے، اور اس کے لئے دنیا میں دولت نہیں ہے بلکہ اس کی دولت آخرت میں ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے کہ آدمیوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں مؤمن لونڈی سے زیادہ ذلیل ہوگا، اور وہ یوں زندگی بسر کرے گا جس طرح کیڑا سرکہ میں رہتا ہے۔

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ جس آدمی سے اللہ تعالیٰ تین دن دنیا کو روک لے (اور اسے تین دن تک کھانے پینے کو نہ ملے) اور اس پر صبر کرے تو اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔

عبد بن بکر مزنیؒ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو اس کی محبت کے سبب دنیا کے مصائب کے تلخ گھونٹ پلاتے، اور ان کی تلخی کا مزہ چکھاتے ہیں، جیسا کہ عورت اپنے بچے کو تندرستی کے لئے ایلوا پلاتی ہے۔ (پس مصائب وتکالیف کو رحمت سمجھنا چاہئے نہ کہ قہر)، اور اس خلق پر حضرات صوفیہ کی یہ دلیل ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں، تو اس سے آپ نے فرمایا کہ تو فقر کے حملہ کے لئے پاکھر تیار کرلے، کیونکہ جو مجھ سے محبت کرتا ہے اس کی طرف فقر اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ دوڑتا ہے جس قدر کہ رو کا پانی اپنے مقر کی طرف دوڑتا ہے۔ اھ۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی تھیں کہ جب تک رسول اللہ ﷺ زندہ رہے اس وقت تک دنیا ہم پر سخت اور مکدر رہی، اور جب آپ کا انتقال ہوگیا تو پھر کیا تھا، پھر تو برس پڑی، مطلب یہ تھا کہ ہم آپکی برکت سے دنیا سے محفوظ تھے، مگر جب آپ کا انتقال ہوگیا تو وہ حمایت وہ حفاظت جاتی رہی، اور ہم میں خرابی آگئی۔

میں نے سیدی علی خواص سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ جب آدمی مقامات عرفان میں ترقی کر جاتا ہے تو دنیا اس سے یہاں تک نفرت کرنے لگتی ہے کہ اگر وہ اس کو بلاتا ہے تو تب بھی وہ نہیں آتی، کیونکہ وہ جانتی ہے کہ اس کے دل میں میری جگہ ہی نہیں، میں رہوں گی کہاں۔ آھ۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقر کے جھوٹے مدعی کی پہچان یہ ہے کہ جس قدر اس کی عمر بڑھتی جائے اتنا ہی اس کا دنیاوی ساز و سامان بڑھتا رہے۔ اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے۔ والحمدللہ رب العالمین۔

دنیاوی مزاحمتوں پر خوشی

۷۲- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی کہ جس قدر حق سبحانہ کی طرف سے ان کے دنیوی مقاصد میں ان کی مزاحمتیں ہوتی ہیں، اسی قدر وہ خوش ہوتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہم سے محبت نہ ہوتی تو ہمارے ان مقاصد میں مزاحمتیں نہ کی جاتیں جو ہم کو اس سے روکنے والے ہیں۔

مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ مجھ سے میرے معلم عبداللہ رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر تو خدا کا قرب چاہتا ہے تو اپنے اور اپنی مرغوبات دنیویہ کے درمیان لوہے کی دیوار کھڑی کر لے، (مطلب یہ تھا کہ خواہشات نفسانیہ کو بالکل چھوڑ دے۔)

حق سبحانہ نے داؤد علیہ السلام سے بذریعہ وحی کے فرمایا، کہ جو دل خواہشات دنیا سے محبت کرتا ہے اس پر متقین کی امامت (تکوینی طور پر) حرام ہے، اور میں اس کو ان کا امام نہ بناؤں گا۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ تم اپنے دلوں میں اپنی خواہشات کو مار ڈالو اور اپنے آپ کو ان کی طلب میں ہلاک مت کرو، کیونکہ جو شخص اپنی خواہشات کو پاؤں تلے مل ڈالے گا، شیطان اس کے سایہ سے بھاگے گا، برخلاف اس کے جو شخص ان کو اپنے دل میں جگہ دے گا شیطان اس پر سوار ہو کر جس طرف چاہے گا اس طرف پھیرے گا، کیونکہ خدا اس کے جرم کی سزا میں شیطان کو اس پر قابو دیدے گا۔

عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے کہ پوری جنت کا حاصل صرف دو چیزیں ہیں۔ ایک راحتیں، دوسرے مرغوبات، پس جنت میں آدمی اسی وقت جاسکتا ہے جبکہ دنیا میں ان کو چھوڑ دے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ عنقریب لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ ان کا مقصد شکم پری ہوگی۔ اوران کا دین ان کی خواہش نفسانی، اوران کی تلواران کی زبان ہوگی۔

حسن بصریؒ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ سرکش گھوڑوں کو لگام کی اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی تمہارے نفس کو۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میں نے کسی ایسی چیز سے زور آزمائی نہیں کی جو میرے نفس سے زیادہ سخت ہو، کیونکہ اس کی حالت یہ ہے کہ کبھی میں اسے مغلوب کرلیتا ہوں اور وہ میرے تابع ہوجاتا ہے اور کبھی پھر وہ غالب آکر مجھ پر سوار ہوجاتا ہے، اور فرماتے تھے کہ اس وقت سے پہلے اپنے نفسوں کو خواہشات سے روک لو، جبکہ آپس میں جھگڑو، (مطلب یہ ہے کہ جھگڑے اور فساد کی بنا خواہشات کا اتباع ہے، اور معلوم ہے کہ لڑائی جھگڑا بری چیز ہے، پس اس سے بچنے کے لئے ضرورت ہے اس کی کہ خواہشات کو چھوڑ دیا جاوے)۔

اس خلق پر حضرات صوفیہ کی دلیل یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دوزخ خواہشات سے گھری ہوئی ہے، اور جنت ناگوار باتوں سے، (پس جو شخص خواہشات کا اتباع کرے گا وہ دوزخ میں پہنچے گا اور جو ناگوار باتوں کا تحمل کرے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔)

نیز حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ کسی نے میوہ جات کا ستو بھیجا، تو آپ نے اس کو واپس کردیا اور فرمایا کہ یہ کھانا دنیا کے خوش عیش لوگوں کا ہے، ہمارے لئے مناسب نہیں ہے)۔

ابو ہریرہؓ فرماتے تھے کہ ایک سے زیادہ رنگ کا کھانا فساق کا کھانا ہے۔

اس خلق کی مزید تحقیق انشاء اللہ اس کے موقع پر آئے گی۔ والحمد للہ رب العالمین۔

سادہ لباس

۷۳۔ اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ بیش قیمت کپڑے استعمال کرنے کا اہتمام نہیں کرتے، بلکہ موٹا جھوٹا جیسا بھی حلال طریق سے مل جاوے اسی کو پہن لیتے ہیں، اور جب وہ صوف کا جبہ یا عمامہ پہنتے ہیں تو زیادہ داموں کا نہیں لیتے، برخلاف اس کے آج کل کے صوفی جب صوف کا جبہ یا عمامہ پہنتے ہیں تو وہ تاجروں کے کپڑوں سے بھی زیادہ بیش قیمت ہوتا ہے، بجز ان لوگوں کے جو اپنی تدبیر کو حق سبحانہ کے سامنے فنا کر چکے ہیں (ایسے لوگ اس مذمت سے مستثنیٰ ہیں، اور ان کو اجازت ہے کہ وہ جو چاہیں پہنیں بشرطیکہ وہ مباح ہو)۔

حاتم اصمؒ اور ان کے مریدین بجز پرانے اور بہت سے پیوند لگے ہوئے کپڑوں کے دوسرے کپڑے نہ پہنتے تھے۔

اویس قرنیؒ کا قاعدہ تھا کہ وہ کوڑیوں پر سے پھٹے پرانے کپڑے اٹھا لاتے اور ان کو دھو کر سی لیتے اور انہیں کو پہنتے۔

ابراہیم ابن ادہم سیاہ جبہ پہنتے (اور ایک مرتبہ پہن کر اسے نہ اتارتے) یہاں تک کہ وہ پھٹ جاتا (اور پہننے کے ناقابل ہو جاتا)۔ ایک مرشد نے دریافت کیا کہ یہ جبہ آپ کو پہنے ہوئے کس قدر عرصہ ہوا؟ آپ نے فرمایا کہ نو برس سے میں نے اسے نہیں اتارا۔

حسن بصری رحمہ اللہ کپڑا پہنے رہتے تھے یہاں تک کہ وہ خوب میلا ہو جاتا، اور جب کوئی کہتا کہ آپ اسے دھو نہیں لیتے، تو فرماتے کہ یہاں فرصت کسے ہے۔ (موت سر پر کھڑی ہے، میں اس کے لئے تیاری کروں یا کپڑے دھوؤں)۔

علی بن ابی طالب نے امیر المومنین عمر بن الخطابؓ سے فرمایا کہ اگر آپ

جناب رسول اللہ ﷺ و ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں، تو اپنے کپڑوں میں پیوند لگایئے، اپنا جوتا خود گانٹھئے، اپنی امید کو کوتاہ کیجئے، اور اتنا کھانا کھایئے جس سے پیٹ نہ بھرے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے گھر میں کچھ سامان نہ تھا، صرف ایک لوٹا تھا جس سے وہ وضو کیا کرتے تھے۔ کسی نے کہا کہ حضرت کچھ سامان تو گھر میں ضرور ہونا چاہئے۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی مالک مکان (حق تعالیٰ) ہم کو اس گھر میں نہ رہنے دے گا (پھر سامان کیا کریں گے)۔ ہمارا گھر تو دوسرا ہے، سو اسی کے لئے ہم اعمال صالحہ بھیج رہے ہیں (جو اس کا سامان ہیں)۔

ابوادریس خولانی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ کپڑے دھونے کا اہتمام نہ کرو کیونکہ) دل صاف ہو اور کپڑے میلے ہوں، یہ حق تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ کپڑے صاف ہوں اور دل میلا ہو)۔ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کپڑے زیادہ موٹے اور دل زیادہ نرم تھے، اور اب ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگوں کے کپڑے نرم اور دل سخت ہوں گے۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ بہت سے آدمی ہیں، جو کپڑوں کو سفید اور دین کو میلا کرتے ہیں۔

ابوسلیمان دارانی سے کسی نے کہا کہ حضرت آپ ڈاڑھی میں کنگھی نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا تو گویا کہ میں خالی بیٹھا ہوں، اور اس کے سوا مجھے اور کام ہی نہیں۔

ابراہیم بن ادہمؒ سے کسی نے عرض کیا کہ آپ اپنی ڈاڑھی کو خضاب کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ نے فرمایا خضاب زینت ہے، اور ہم ابھی زینت کے اہل نہیں، بلکہ اس وقت ہوں گے جبکہ مر کر ہمیں اپنے خاتمہ کی حالت معلوم ہو جائے گی کہ اچھا ہوا)۔

ثابت بنانی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میں بسا اوقات کپڑے دھونے کا ارادہ کرتا ہوں اور پھر کچھ سوچ کر رہ جاتا ہوں، غالباً یہ خیال آ جاتا ہوگا کہ تیرا دل تو صاف

ہے ہی نہیں تو کپڑے کیا صاف کرتا ہے، پہلے دل صاف کر)، اور جب کبھی کپڑے دھوتے تو صرف اشنان سے دھوتے، اور صابن کا استعمال نہ کرتے (تا کہ زیادہ صاف نہ ہوں)۔

مالک بن دینارؒ گرمی جاڑے رات دن صرف ایک کملی پہنے رہتے تھے۔

ابو اسحٰقؒ سبیعی فرماتے تھے: پہلے لوگوں کے طیلسان ان کے گھر ہوتے تھے (یعنی وہ لوگ طیلسان نہ پہنتے تھے، بلکہ طیلسان کا جو مقصد ہے کہ نظر کی حفاظت رہے، وہ اس مقصد کو اس طرح حاصل کرتے تھے کہ بلا ضرورت گھر ہی سے نہ نکلتے تھے)، اور عمامہ کے اوپر طیلسان بجز شہر بن حوشب کے اور کوئی نہ پہنتا تھا۔

انسؓ بن مالک فرماتے تھے کہ جو لوگ طیلسان پہن کر مساجد میں آتے ہیں، میں ان کو یہود خیبر کے سوا اور کسی سے تشبیہ نہیں دے سکتا (کیونکہ یہ ان ہی کا فیشن تھا)۔

میں کہتا ہوں کہ سر پر طیلسان ڈالنے سے مقصود یہ ہے کہ نظر کو غیر ضروری اشیاء مثل دیواروں وغیرہ سے بچایا جاوے، اور یہ مقصد کوئی اہم مقصد نہیں۔ بات تو یہ ہے کہ دل کو طیلسان اڑھا کر اس کو خواہشات دنیا کی طرف نظر کرنے سے روکا جاوے، چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لا تمدن عینیک الی ما متعنا به ازواجا منهم﴾ مگر ہر مقام کے لئے آدمی ہوتے ہیں، (چنانچہ کچھ ایسے ہیں کہ طیلسان کو برا نہیں خیال کرتے جیسے شہر بن حوشب، اور کچھ ایسے ہیں کہ وہ طیلسان کو لغو، اور حفاظت قلب کو مہتم بالشان سمجھتے ہیں) واللہ اعلم۔

عروہؓ بن زبیر فرماتے تھے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کی وہ چادر مبارک دیکھی ہے جس کو اوڑھ کر آپ ﷺ آنے والے وفدوں سے ملاقات فرماتے تھے، اس کا طول چار ہاتھ کا اور عرض دو ہاتھ ایک بالشت کا تھا، آپ کے بعد وہ خلفاء کے پاس رہی جس کو اوڑھ کر وہ نماز عیدین کے لئے جایا کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ پرانی ہو کر نا قابل استعمال ہو گئی۔

مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اے عالم تجھے طیلسان سے کیا واسطہ؟

تجھے تو چرواہے کی طرح ایک کملی اور ایک لاٹھی چاہئے، اور یہ چاہئے کہ تو اللہ تعالیٰ کے قہر سے اس کی رحمت .... کی طرف بھاگے اور اپنے بھائیوں کو تقرب حق سبحانہ کا شوق دلاوے۔

یوسف بن اسباط رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میں نے سفیان ثوری رحمہ اللہ کو مکہ کے راستہ میں دیکھا، میں نے ان کے کپڑوں کا جوتوں سمیت تخمینہ کیا، تو میرے انداز میں ایک درہم اور چار دانگ کی قیمت کے تھے، اور جاننا چاہئے کہ حضرات صوفیہ کی دلیل اس خلق پر یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بذاذۃ ایمان سے تعلق رکھتی ہے، اور بذاذۃ کے معنی ہیں پرانے کپڑے پہننا، (پس ثابت ہوا کہ پھٹے پرانے کپڑے پہننا ایمان سے تعلق رکھتا ہے، اور یہی مقصود تھا کہ ایسے حالات میں آدمی کو اس کی پرواہ نہ کرنی چاہئے کہ وہ کیسا کپڑا پہنے ہوئے ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

ترک اسراف واقتصاد

۷۴- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ حضرات جبکہ ان کو حلال مال مل جاتا ہے تو اس کو بے احتیاطی کے ساتھ صرف نہیں کرتے (بلکہ پوری احتیاط کے ساتھ صرف کرتے ہیں)، کیونکہ حلال بلحاظ تفاوت مراتب اشخاص کے ہر زمانہ میں کمیاب ہوتا ہے۔ بلحاظ تفاوت مراتب ہم نے اس لئے کہا کہ بسا اوقات ایک قوم کے لحاظ سے ایک شے حلال ہوتی ہے اور دوسری قوم کے نزدیک (جو زیادہ محتاط ہیں) حرام۔ (پس ہر طبقہ کے معیار حلت کے اعتبار سے حلال کی کمیابی متفاوت ہوگی، مثلاً جو لوگ بہت زیادہ محتاط ہیں، ان کے لحاظ سے حلال بہت زیادہ کمیاب ہوگا، اور جو اس سے کم محتاط ہیں ان کے لحاظ سے اس سے کم کمیاب ہوگا، وہکذا غرضیکہ ہر طبقہ کے معیار کے لحاظ سے حلال کمیاب ہے، اور اس لئے اس کے خرچ میں اسی نسبت سے احتیاط کی ضرورت ہے)۔ اور سلف کا معمول تھا کہ وہ حلال دراہم کمانے کو تمام ضروریات پر مقدم رکھتے تھے، کیونکہ وہ حضرات یقیناً آخرت کے لوگوں میں سے ہیں، اور یہ مسلم ہے کہ جو لوگ حرام یا مشتبہ مال کھاتے ہیں، ان سے اعمال صالحہ نہیں ہوتے،

کیونکہ جو حرام کھائے گا اس سے حرام افعال صادر ہوں گے، اور جو مشتبہ مال کھائے گا اس سے مشتبہ افعال صادر ہوں گے، حتی کہ اگر حرام کھانے والا اس کا قصد بھی کرے کہ وہ خدا کی پوری اطاعت کرے تو شامت اکل حرام کے سبب وہ اس پر قادر نہ ہوگا، اور بعض حرام خوروں سے جو بعض افعال نیک صادر ہوتے ہیں، اس سے تم کو شبہ نہ ہونا چاہئے، کیونکہ وہ کچھ نہ کچھ حلال بھی ضرور کھاتے ہوں گے۔ پس یہ اسی حلال کی برکت ہے۔ واللہ اعلم۔

یونس بن عبید رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ آج ایک درہم سے کم بھی حلال موجود نہیں اور اگر وہ ہم کو مل جاتا تو اس کی برکت سے اپنے مریضوں کے لئے شفا حاصل کرتے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ آدمی کا دین اسی وقت ہے جبکہ اس کی روٹی حلال طریق سے حاصل شدہ ہو، اور آج کل جن لوگوں کے دستر خوان پر حلال روٹی ملتی ہے، وہ غریب لوگ ہیں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ حلال کمائی مسلمان کے لئے ایک پہاڑ کو دوسرے پہاڑ کی طرف منتقل کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔

وہب بن وردرحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اگر آدمی اپنے زمانہ میں اس مال کو جس کو وہ حلال سمجھتا ہے ایسا نہ سمجھے جیسا کہ مضطر کے لئے مردار حلال ہوتا ہے تو غارت ہو جاوے، (کیونکہ حلال حقیقی کا وجود ہی نہیں، اور جس کو حلال کہا جا سکتا ہے، اس کو بنا بر ضرورت حلال کہا جا سکتا ہے، پس جبکہ وہ اسے حلال حقیقی سمجھے گا تو اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرے گا، اور یہ اس کے دین کی تباہی کا سبب ہوگا)۔

امام حسن رضی اللہ عنہ نے کسی کو یہ دعا کرتے سنا کہ اللہ مجھے اب حلال رزق دے جو بالکل پاک صاف ہو، تو آپ نے فرمایا کہ اے شخص اپنے لئے اس حلال کی دعا کر جس پر خدا تجھے سزا نہ دے، رہا وہ حلال جو بالکل پاک صاف ہو سو وہ تو انبیاء کا رزق ہے (ہمیں تمہیں کہاں نصیب)۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ اکثر شام تک محنت کرتے، اور جب ان کو اجرت دی

جاتی تو وہ اسے دیکھتے، اور اپنے ساتھیوں سے فرماتے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ جس قوت کے صرف کرنے کا کہنے والا مجھ سے خواہاں تھا، شاید میں نے وہ پوری قوت صرف نہ کی ہو اور اس لئے یہ مزدوری میرے لئے حلال نہ ہو۔ یہ کہہ کر اسے چھوڑ کر چلے جاتے، اور اس شب کو بھوکے رہتے۔ نیز وہ کسی پیشہ کی حلت میں یہ بھی شرط کرتے تھے کہ اپنے کام میں مشغول ہو کر خدا سے غافل نہ ہو جاویں، اور اس لئے جو کام وہ غفلت کی حالت میں کرتے تھے، اس کی مزدوری نہ لیتے تھے۔

[1]مسعر بن کدام رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ مجھے تو آج کہیں حلال نظر نہیں آتا، بجز اس پانی کے جو آدمی دجلہ و فرات میں سے چلو میں لے کر پی لے۔

ایک شخص حلال روزی کا طالب تھا۔ سو اس کو کہیں پاک صاف روزی نہ ملی، بجز اس گھاس کے جو نہروں کے کنارہ کھڑی تھی، لہٰذا وہ اسی کو تیس برس تک کھاتا رہا، حتی کہ اس کی کھال سبز ہو گئی، اس وقت اس کو کسی نے آواز دے کر کہا، کہ اب تمہیں حلال صافی میسر آیا ہے، اور اب تم نے حرام سے نجات پائی ہے (جبکہ وہ حرام جو تم کھا چکے تھے، سب تحلیل ہو چکا اور صرف حلال ہی رہ گیا۔

ایک شخص نے ان چیزوں کا کھانا چھوڑ دیا جو آدمیوں کے قبضہ میں ہوں، اور جنگل میں چلا گیا تاکہ کچھ گھاس پات کھالیا کرے۔ اس پر اندر سے اسے ایک آواز آئی کہ آج آپ پرہیزگار بنتے ہیں، یہ تو بتلاؤ کہ تم اس قوت کو کیا کروگے جس کو تم نے حاصل کیا ہے، اور جس کے ذریعہ سے تم یہاں تک چل کر آئے ہو۔ ذرا غور تو کرو کہ وہ قوت تم نے کہاں سے حاصل کی ہے؟ (غالباً اس شخص کے عجب کے انسداد کے لئے یہ تنبیہ کی گئی تھی ورنہ طلب حلال سے ممانعت مقصود نہ تھی۔

مالک بن دینارؒ سے اس نبیذ کے متعلق سوال کیا گیا جو عام طور پر لوگ گھروں میں بناتے ہیں، تو آپ نے سائل سے فرمایا کہ تیرا بھلا ہو، تو پانی میں ڈالنے سے پہلے چھواروں کو دیکھ لے کہ وہ کہاں سے آئے ہیں، نبیذ کا سوال تو بعد کو ہے، کیونکہ اگر

(۱) اصل نسخہ میں اس جگہ غلطی سے سعد بن کدام لکھ دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۲ مترجم۔

چھوارے حلال ہوں تب یہ سوال صحیح ہے کہ جب ان کو پانی میں ڈال کر نبیذ بنالی گئی تو اس کا کیا حکم ہے، اور اگر چھوارے ہی حرام ہوں جیسا کہ آج کل یہ بلا عام ہے تو پھر یہ سوال ہی فضول ہے۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میں نے ایک عابد کو دیکھا کہ وہ نماز کے لئے گرانی کے ساتھ اٹھتا ہے، اس پر میں نے اس کی وجہ پر غور کیا تو میں نے دیکھا کہ اس کی غذا صاف نہیں (اس لئے اسے یہ گرانی ہوتی ہے)، اور اگر اس کی غذا صاف ہوتی تو گرانی نہ ہوتی۔

سفیان ثوریؒ جب کسی دعوت میں تشریف لے جاتے تو اپنی روٹی اپنے ساتھ لے جاتے اور وہیں جا کر اپنی روٹی کھاتے، اور جب صاحب خانہ کہتے کہ جناب آپ میری روٹی کیوں نہیں کھاتے تو فرماتے کہ میاں تمہیں اپنی کا علم ہے کہ وہ کہاں سے آئی ہے اور مجھے اپنی روٹی کا، (اس لئے جس کو جس روٹی کے متعلق تحقیق ہو اس کو وہی کھانا چاہئے۔)

میں کہتا ہوں کہ اس مقام والے حضرات میں سے میں نے سیدی محمد بن عنانؒ کو پایا ہے۔ ان کا بھی یہی قاعدہ تھا کہ جب وہ کسی دعوت میں مدعو ہوتے تو وہ اپنی روٹی اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور جس وقت دسترخوان چنا جاتا تو وہ اسی میں سے کھاتے۔

سفیان ثوریؒ رحمہ اللہ علیہ سے صف اول کی فضیلت دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ پہلے اپنی روٹی کو دیکھو کہ وہ کہاں سے آئی ہے اور تحقیق کے بعد کھاؤ، پھر جس صف میں جی چاہے شامل ہو جاؤ، کچھ مضائقہ نہیں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ جس کے پیٹ میں حرام شے ہو، حق تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں فرماتے۔

سری سقطی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ نجات تین چیزوں میں ہے۔ ایک یہ کہ آدمی راہ راست پر ہو، دوسرے کامل تقویٰ رکھتا ہو، تیسرے کھانا حلال کھاوے (گو حلال کھانا کمال تقویٰ میں داخل ہے اور کمال تقویٰ سبیل ہدایت میں مگر ان کو اہتمام

شان کے لئے مستقل طور پر ذکر کر دیا گیا ہے۔

وہب بن ورد رحمۃ اللہ فرماتے تھے کہ اگر تم اس قدر نماز روزہ کرو کہ سوکھ کر اس ستون کی مثل ہو جاؤ، تب بھی تمہاری نمازیں اور روزے مقبول نہ ہوں گے، مگر جب کہ تم یہ دیکھو کہ تمہارے پیٹ میں حلال غذا جاتی ہے یا حرام۔ آہ۔ اور جاننا چاہئے کہ اس خلق پر حضرات صوفیہ کی دلیل حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿کلوا من الطیبات واعملوا صالحاً﴾ (یعنی حلال چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو)۔ یہ خطاب گو رسولوں کے لئے ہے مگر حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے جن باتوں کا رسولوں کو حکم یا ہے، انہی کا عام مومنین کو بھی حکم کیا ہے (بشرطیکہ کسی دلیل خاص سے ان کی خصوصیت رسولوں کے ساتھ ثابت نہ ہو جائے جو کہ امر زیر بحث میں منتفی ہے)۔ نیز ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ نہ تو ایسا ہوتا ہے کہ آدمی حرام مال کمائے اور اس میں برکت ہو، اور نہ یہ کہ آدمی اس میں صدقہ کرے اور اسے اس پر اجر ملے، اور جب وہ اسے اپنے پیچھے چھوڑ کر مر جاتا ہے تو وہ اسے دوزخ میں دھکیل دیتا ہے، بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بری چیز کو اچھی چیز سے مٹاتا ہے۔ آہ۔ (پس حرام کمائی سے بہبودی کی توقع رکھنا فضول ہے، ہاں حلال کماؤ اس سے تمہاری برائیاں دور ہونے کی توقع ہے۔ واللہ اعلم۔ اب تم کو چاہئے کہ اس زمانہ میں (جبکہ حرام کی کثرت ہے) اپنے کمانے کو دیکھو (اور اگر حلال نہ ملے) تو خوب بھوکے رہو، اور خبردار کسی امیر یا مباشر یا قاضی کا کھانا بھی نہ کھانا، چہ جائیکہ بلا تحقیق ظالموں اور چنگی وصول کرنے والوں کا کھانا کھایا جاوے، کیونکہ اس طریق سے تو اپنے دین کو برباد کرے گا، اگرچہ تیرے سر پر صوف کا عمامہ ہو اور تو جبہ بھی پہنے ہوئے ہو اور ایک شملہ بھی تو نے چھوڑ رکھا ہو، (اور یہ چیزیں تیرے کچھ کام نہ آئیں گی)۔ اس کو سمجھ لینا چاہئے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

تواصی بالحق

۷۵- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو وصیتیں کرتے ہیں اور نصیحتوں کو قبول کرتے ہیں، اور نصیحت کرنے والے کا احسان مانتے ہیں، اور خواہ وہ اپنے نصیحت کرنے والے کے ساتھ عمر بھر سلوک کریں مگر باوجود اس کے یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ان سے اس کی نصیحت کا حق واجب ادا نہیں ہوا، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ (نصیحت کا تعلق امور اخرویہ سے ہے، اور) امور اخروی کا معاوضہ اغراض دنیویہ سے نہیں ہوسکتا۔ (اب ہم ان امور کے متعلق بزرگوں کے بعض واقعات اور ملفوظات ذکر کرتے ہیں۔ غور سے سنو) ایک شخص نے حسن بصری رحمہ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے، آپ نے فرمایا کہ جہاں کہیں بھی تم ہو حق سبحانہ کے حکم کی عزت کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جہاں بھی تم ہوگے خدا تمہیں عزت دے گا۔

ایک شخص نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے احتراز کرو کہ تم نیکوں سے ملو، اور ان کی صحبت سے فائدہ نہ اٹھاؤ، یا گناہگاروں کی ملامت کرو اور خود گناہوں سے نہ بچو، یا بظاہر شیطان پر لعنت کرو اور پوشیدہ طور پر اس کی اطاعت کرو۔

ایک شخص نے فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تیرا باپ مر گیا ہے؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا تو میرے پاس سے اٹھ جاؤ، کیونکہ جو باپ کے مرنے کے بعد نصیحت کا محتاج ہو اسے نصیحت نافع نہ ہوگی (کیونکہ اول تو موت مطلقاً ہر نصیحت کرنے والے سے بڑھ کر نصیحت کرنے والی ہے، پھر موت بھی باپ کی موت وہ تو اور بھی زیادہ نصیحت کرنے والی ہے، کیونکہ بہ نسبت دوسری موتوں کے اس کا زیادہ خیال ہوتا ہے، اس کے علاوہ اس سے بےفکری بھی جاتی رہتی ہے جو باپ کی حیات میں ہوتی ہے، پس جب اس کی نصیحت تمہیں سودمند نہ ہوگی، تو اور کس کی ہوگی)۔

ایک شخص نے محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ آپ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ تم دنیا اور آخرت کی بادشاہی حاصل کرو، اس نے عرض کیا حضرت یہ کس طرح؟ آپ نے فرمایا کہ تم دنیا سے رغبت نہ رکھو، اس نے عرض کیا حضرت یہ کس طرح؟ آپ نے فرمایا تم تابع بنو متبوع نہ بنو، اور لوگوں کے پاس خود بیٹھو، اور اپنے کو بڑا بنا کر یہ نہ چاہو کہ لوگ تمہارے پاس آ کر بیٹھیں۔

عمرؒ بن عبدالعزیز ایک روز ایک عابد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا کہ میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ مجھے کچھ نصیحت فرماویں، انہوں نے فرمایا کہ اگر میں یہ سمجھتا کہ تم کو خدا کا خوف ہے، تو میں نصیحت کرتا (اب نصیحت فضول ہے)۔ یہ سن کر عمر بن عبدالعزیز پر بیہوشی طاری ہوگئی۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے حضرت خضر علیہ السلام کو مدینہ شریف میں دیکھا اور عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے، تو آپ نے فرمایا کہ اے عمر اس کا بہت خیال رکھو کہ تم ظاہر میں خدا کے دوست اور پوشیدہ طور پر اس کے دشمن نہ ہو، (مطلب یہ تھا کہ اپنے ظاہر و باطن کو یکساں رکھو، اور جس طرح لوگوں کے سامنے اعمال صالحہ کا اہتمام کرتے ہو اور بری باتوں سے بچتے ہو، یونہی تنہائی میں بھی رہو۔

ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ اے روح اللہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے، آپ نے فرمایا کہ آخر یہ حالت کب تک رہے گی کہ تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور تم نہیں مانتے، تم لوگوں نے نصیحت کرنے والوں کو مصیبت اور زحمت میں ڈال دیا (کہ وہ کہتے کہتے تھک گئے مگر تم نے ایک نہ سنی)۔

کسی نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ گناہ نہ کرو کہ اپنے آپ کو آگ میں جھونک دو، باوجودیکہ تمہاری حالت یہ ہے کہ اگر کوئی تمہارے سامنے ایک پسو کو آگ میں ڈال دے تو تم اس پر اعتراض کرو، مگر بایں ہمہ تم گناہ کر کے اپنے آپ کو ہر روز بہت سی مرتبہ آگ میں

جھونکتے ہو، اور تمہیں اپنے اوپر کچھ اعتراض نہیں ہوتا۔

ایک شخص نے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ نظر کے بے فائدہ استعمال سے احتراز کرو، تمہیں خشوع کی توفیق ہوگی، اور فضول باتوں سے احتراز کرو، تم کو حکمت کی توفیق ہوگی۔ اور فضول کھانے سے احتراز کرو، تم کو عبادت کی توفیق ہوگی اور لوگوں کے عیب تلاش کرنے چھوڑ دو، تم کو اپنے عیوب پر اطلاع کی توفیق ہوگی، اور حق تعالیٰ کی ذات (وصفات) میں غور وخوض چھوڑ دو، تم شک اور نفاق سے محفوظ رکھے جاؤ گے۔

محمد بن سیرین سے کسی نے کہا کہ مجھے وصیت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کسی پر حسد نہ کرو، کیونکہ اگر وہ دوزخی ہے تو اس پر حسد کا اس لئے موقع نہیں ہے کہ دنیا اس کے پاس چند روز ہے، اس کے بعد وہ دوزخ میں چلا جاوے گا تو اس پر حسد فضول ہے، اور اگر وہ جنتی ہے تو اس کے اعمال کا اتباع اور اس کی حالت پر غبطہ کرنا چاہئے نہ کہ اس کی دنیا پر حسد کیا جاوے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ مجھے نصیحت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ تعجب ہے کہ زبانیں اچھی باتوں کی اچھائی اور بری باتوں کی برائی بیان کرتی ہیں، اور دل ان کو جانتے ہیں۔ (پس اعمال دل وزبان کے موافق بنانا چاہئے۔)

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے کسی نے عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمایئے آپ نے فرمایا کہ اس دن کو یاد رکھو، جس میں چھپی باتیں آشکارا ہو جاویں گی (اور پوشیدہ طور پر بھی کوئی ایسا کام نہ کرو جس کے ظاہر ہو جانے میں تم کو رسوائی کا اندیشہ ہو)۔ ایک شخص نے سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا خبردار تکبر نہ کرنا، اور نہ ناحق لوگوں کے مال کھانا، کیونکہ جو لوگوں پر بڑائی جتاتا ہے وہ ان کی نظروں میں ذلیل ہو جاتا ہے، اور جو لوگوں کے مال لوٹتا ہے آخر کار محتاج ہو جاتا ہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو کہتے سنا کہ ''المرء مع من

احب" یعنی آدمی قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہے، تو فرمایا کہ بھائی تم اس قول سے دھوکہ نہ کھانا، اور یہ نہ سمجھنا کہ میں بغیر کچھ کئے ہی نیکیوں کے ساتھ شامل ہو جاؤں گا، کیونکہ تم ان کے ساتھ اسی وقت شامل ہو سکتے ہو جبکہ ان جیسے اعمال کرو، دیکھو یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء سے محبت کرتے ہیں مگر وہ ان کے ساتھ شامل نہ ہوں گے، کیونکہ اعمال میں ان سے علیحدہ ہو گئے اور ان کے مخالف بن گئے ہیں۔ (پس ثابت ہوا کہ نفس محبت بدون اتباع فی العمل کافی نہیں، اس لئے اعمال کی ضرورت ہے، اور راز اس میں یہ ہے کہ بدون اتباع کے واقعی محبت متحقق ہی نہیں ہوتی، اس لئے مدعی محبت بغیر اتباع محب ہی نہیں تاکہ وہ المرء مع من احب میں داخل ہو سکے)۔ پھر فرمایا کہ ان لوگوں کی حالت پر تعجب ہے جن کو توشہ کی تیاری کا حکم دے دیا گیا اور کوچ کا اعلان سنا دیا گیا۔ اور وہ اب بھی بیٹھے ہنس رہے ہیں، دیکھو جن کی سواری رات اور دن ہیں وہ ان کے ساتھ چل رہے ہیں، کیونکہ جتنے دن گذرتے جاتے ہیں، اسی قدر وہ موت سے قریب ہوتے جاتے ہیں، مگر انہیں اس چلنے کا احساس نہیں۔ (پس لوگوں کو چاہئے کہ وہ متنبہ ہو کر سفر آخرت کی تیاری کریں کیونکہ موت کا وقت ہر لحظہ نزدیک ہوتا جاتا ہے، اور غفلت کو چھوڑیں)۔

شقیق بلخیؒ اپنے مریدوں کو موت کے لئے ہر وقت تیار رہنے کا حکم دیتے تھے، اور فرماتے تھے کہ بعض لوگ پچاس برس تک تیاری کرتے رہتے ہیں اور تیار نہیں ہو چکتے، بات یہ ہے کہ تیاری تو ان لوگوں کی ہے جو دنیا سے بے تعلق ہو جاویں جیسے امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کیونکہ وہ ہر صبح و شام فرماتے تھے کہ اے ملک الموت (میں موت کے لئے ہر وقت تیار ہوں)، جب تمہارا جی چاہے مجھے آ کر لے جاؤ۔ اھ۔

صوفیہ کی دلیل اس خلق پر یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ باتوں کو پانچ باتوں سے پہلے غنیمت سمجھو، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، تونگری کو محتاجی سے پہلے، فرصت کو مشغولی سے پہلے، زندگی کو موت سے پہلے۔ اھ۔

بس اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے اور اپنے نفس کی خبر رکھنا چاہئے۔ **والحمد للہ رب العالمین۔**

شرط تواصی

۷۶- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی کہ وہ نصیحت ووصیت اسی کو کرتے ہیں جس کے متعلق ان کو قرائن سے اس کا علم ہوتا ہے کہ وہ ان کی نصیحتوں ووصیتوں کو قبول کرے گا، اور جس کے متعلق ان کو یہ علم ہو کہ جب وہ ان کو نصیحت کریں گے تو اس کے نفس کو حرکت ہوگی، تو اس کے متعلق یہی بہتر ہے کہ وہ اس کو نصیحت نہ کریں اور اس کو اس وقت تک مؤخر کریں، جب تک کہ ان کو نصیحت کا کوئی مشروع طریق ملے، جس سے وہ اس کو نصیحت .... کرسکیں (مثلاً کوئی مجلس وعظ ہو اور اس میں وہ بھی موجود ہو، اور خطاب عام کے طور پر اس کو نصیحت کرسکیں وغیرہ)۔

حامد لفاف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ تم اسی کو نصیحت کرو جس سے تم کو قبول کی توقع ہو، ورنہ ممکن ہے کہ اس نصیحت کا نتیجہ ایک ایسا ضرر ہو جس کے تم متحمل نہ ہو، اور خبردار اس زمانہ میں کسی پر افسری نہ اختیار کرنا، کیونکہ آجکل ہر ایک اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اور ماتحتی سے اس کو عار آتی ہے، اور دیکھنا ہر شخص کی پیروی بھی نہ کرنا، کیونکہ خواہشات نفسانیہ کی گرم بازاری ہے اور خلوص وللّٰہیت بہت کم رہ گئی ہے، اس لئے ہر شخص پر اعتماد ٹھیک نہیں، اور اس کا خیال رکھنا کہ تمہارا راز کسی پر ظاہر نہ ہو، کیونکہ امانت آجکل اٹھ کھڑی ہوئی ہے اور لوگوں میں رازداری کی قابلیت نہیں رہی۔ آہ۔

میں کہتا ہوں کہ حامد لفاف رحمۃ اللہ علیہ نے بہت صحیح فرمایا ہے، کیونکہ مجھے یہ واقعہ پیش آچکا ہے کہ میں نے اس زمانہ کے مشائخ میں سے ایک شیخ کو نصیحت کی کہ وہ ظالموں کے یہاں کھانا نہ کھایا کریں، اور یہ بات میرے اور انہی کے درمیان تھی، تیسرے کو اس کی اطلاع نہ تھی، مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سترہ برس تک مجھ سے بات نہیں کی، اور میں نے نہایت مشکل سے ان سے صلح کی۔ اب تم اندازہ کرلو کہ اگر میں ان کو

مجمع میں نصیحت کرتا تو میرا کیا حال ہوتا۔ تعجب نہیں کہ وہ مجھے مروا ڈالنے کی کوشش کرتے، پس اس سے سمجھ لینا چاہئے، اور اپنے زمانہ کی حالت کو پہچان کر اپنے بھائیوں کو تدبیر سے نصیحت کرنی چاہئے، والحمد للہ رب العالمین۔

تحقیرِ اعمالِ خود

۷۷- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کی نظر میں ان کے اعمال بحیثیت ان کے مکسوب ہونے کے نہایت کم ہوتے ہیں اگرچہ ان کی عبادت فی نفسہٖ جن وانس کے مجموعہ کے برابر ہو، اور یہ ہی سمجھتے ہیں کہ ہم سے حق تعالیٰ کا حق ذرہ بھر بھی ادا نہیں ہوا، جناب رسول اللہ ﷺ کی یہ حالت تھی کہ آپ نماز میں اس قدر کھڑے رہتے تھے کہ آپ کے پائے مبارک ورم کر گئے تھے اور ان میں سے خون ٹپکنے لگا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضور آپ کے تو اگلے پچھلے تمام گناہ معاف ہو چکے ہیں، پھر بھی آپ اس قدر مشقت اٹھاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں (اور اگر حق سبحانہ نے مجھ پر یہ احسان فرمایا ہے کہ میری لغزشوں سے درگذر فرمائی تو کیا مجھے زیبا ہے کہ میں اس کی عبادت چھوڑ دوں)

مسروق رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی فرماتی تھیں کہ مسروق کی یہ حالت تھی کہ وہ نماز میں قیام طویل کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کی پنڈلیاں پھول گئی تھیں۔ مجھے ان کی اس حالت پر ترس آتا تھا، اور میں اس کے پیچھے بیٹھی ہوئی رویا کرتی تھی۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم نے ایسے آدمی دیکھے ہیں جو اپنے دین اور اپنی عمر کے متعلق اتنے بخیل تھے، جتنے لوگ درہم و دینار کے متعلق (یعنی جس طرح تم اپنا پیسہ ہاتھ سے چھوڑنا پسند نہیں کرتے اس طرح وہ اپنا دین اور اپنی عمر برباد کرنا پسند نہیں کرتے تھے)۔

عمر بن عتبہ رحمۃ اللہ علیہ ہر شب کو گورستان میں جاتے اور اس کی طرف رخ کر کے عشاء سے صبح تک نماز پڑھتے رہتے، پھر صبح کے بعد گھر لوٹتے اور صبح کی نماز مسجد

میں پڑھتے، اور جب مقابر کی طرف متوجہ ہوتے تو افسوس سے فرماتے کہ اے قبروں والو! افسوس کہ تمہارے نامہائے اعمال لپیٹ دیئے گئے (اور اب تم کچھ نہیں کرسکتے)۔اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حالت تھی کہ وہ تمام رات ایک سجدہ میں گذار دیتے، اور سجدہ سے اس وقت تک سر نہ اٹھاتے جب تک کہ حق سبحانہ کے سامنے روتے روتے شدت غم سے ان کو اپنی ہڈیاں گھلنے کا احساس نہ ہوتا۔

عتبۃ الغلام کی یہ حالت تھی کہ جب سے انہوں نے توبہ کی اس وقت سے نہ ان کو اچھا کھانا اچھا معلوم ہوتا تھا نہ پہننا اور نہ سونا، یہاں تک کہ اسی حالت میں ان کا انتقال ہوگیا۔

جب مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے حج کیا تو زمین سے پیٹھ نہ لگاتے تھے بلکہ جب کسی وقت نیند کا بہت غلبہ ہوتا تو بیٹھے بیٹھے اونگھ لیتے تھے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے عابدوں سے فرماتے کہ تم لوگ عابد نہیں ہو بلکہ تم عبادت سے لذت حاصل کرنے والے ہو (یعنی جس طرح تمہارا کھانے کو جی چاہا کھالیا، پینے کو جی چاہا پی لیا، سیر کو جی چاہا سیر کرلی، یوں ہی جب کسی وقت عبادت کو جی چاہا عبادت بھی کرلی تو یہ عبادت نہیں، بلکہ نفس پرستی ہے)۔ہم نے وہ لوگ دیکھے ہیں کہ جب ان کی عمر چالیس برس کی ہوجاتی تو سونے کا بستر لپیٹ کر رکھ دیتے اور مرتے دم تک سونے کا نام نہ لیتے۔

کہمس بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قاعدہ تھا کہ ہر روز ہزار رکعت پڑھتے تھے اور جب فارغ ہوتے تو ان میں چلنے کی قوت نہ رہتی تھی بلکہ یوں چلتے تھے جیسے تھکا ہوا اونٹ چلتا ہو، اور اس کے بعد بھی قناعت نہ کرتے تھے بلکہ اپنے نفس سے فرماتے کہ اے ہر برائی کے مرجع بہت آرام کرلیا، اب دوسری عبادت کے لئے اٹھ، اور جب آخری عمر میں بہت کمزور ہوگئے تو پانچ سو رکعت پڑھتے اور روتے اور فرماتے کہ دیکھئے خدا میری کیا گت بناتا ہے، میں نے اپنی آدھی عبادت کم کردی۔

اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ پر جب نیند کا غلبہ ہوتا اور ذرا آنکھ لگ جاتی تو گھبرا

کراور خوف زدہ ہوکر جاگ جاتے اور فرماتے کہ اللہ میں آپ سے سونے والی آنکھ اور ملامت کرنے والے نفس اور نہ بھرنے والے پیٹ سے پناہ مانگتا ہوں۔

ابن الجویریہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں بہت سے لوگوں کی صحبت میں رہا ہوں جو رات کو بیداری کی مشقت جھیلتے تھے، مگر امام ابو حنیفہؒ سے بہتر مشقت جھیلنے والا میری نظر سے نہیں گذرا۔ چنانچہ میں ان کے پاس چھ مہینے رہا مگر اس عرصہ میں انہوں نے ایک رات بھی زمین سے کمر نہیں لگائی۔

ابن مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ امام ابو حنیفہؒ نے تیس برس تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی، اور ایک روایت میں چالیس برس ہیں، اور ایک میں سینتالیس، اور ایک میں پچاس، اور یہ ممکن ہے کہ سب صحیح ہوں اور ہر راوی نے اپنے زمانہ تک کی حالت بیان کی ہو۔ واللہ اعلم۔

یوسف بن خالد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اولاً صرف آدھی رات کا احیاء فرماتے تھے، اتفاقاً کچھ لوگوں کا ان پر گذر ہوا (تو ان کو یہ کہتے سنا کہ یہ شخص تمام رات کا احیاء کرتا ہے، اور امام کی طرف اشارہ کیا۔ یہ سن کر امام صاحب نے فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ میرے متعلق وہ بات بیان کی جاتی ہے جو میں نہیں کرتا، اس کے بعد سے تمام شب قیام فرمانے لگے، اور وفات تک یہ ہی معمول رہا۔

ابو مطیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ امام ابو حنیفہ کے لئے رات میں کوئی بستر نہ ہوتا تھا، بلکہ وہ صرف بیٹھے بیٹھے ہی ذرا سی دیر نول لیتے تھے۔

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ نہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے زیادہ پرہیز گار دیکھا، اور نہ ان سے زیادہ عابد۔

ابو مسہر رحمۃ اللہ علیہ نہ رات کو زمین سے کمر لگاتے اور نہ دن کو، کیونکہ ان کو ہر وقت یہ خیال رہتا تھا کہ میں خدا کے سامنے ہوں، اور اس خیال کے سبب وہ لیٹ نہ سکتے تھے، ان کا تکیہ ان کا گھٹنہ ہوتا تھا، اور وہ ظہر اور عصر کے درمیان تھوڑی دیر گھٹنہ پر سر رکھ کر سو جاتے۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں جب کبھی سوتا ہوں مجھے ضرور یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ مبادا میں سوتا ہوں اور مجھ پر عذاب نازل ہو جاوے (کہ نالائق تو سونے کے واسطے پیدا کیا گیا ہے)، اور اگر نہ سونا میرے امکان میں ہوتا تو میں تو کبھی نہ سوتا۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں اہل بدر میں ستر (۷۰) آدمیوں سے ملا ہوں، ان کی حالت یہ تھی کہ اگر اس زمانہ کے لوگ ان کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ دیوانہ ہیں، اور وہ ان باتوں کو دیکھتے جو آجکل لوگ کر رہے ہیں، تو کہتے کہ یہ لوگ حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتے یا آخرت میں ان کا کچھ حصہ نہیں۔ نیز ان کی یہ حالت تھی کہ وہ مسجد میں وضو یا جماعت کے لئے جاتے (یا کسی اور ضرورت شرعی کے لئے) اس کے سوا گھر سے نہ نکلتے تھے۔

مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک رات میں نے مالک بن دینار کو دیکھا کہ انہوں نے عشاء کے بعد وضو کیا، اور نماز پڑھنے کے ارادہ سے کھڑے ہوئے، اور اپنی ڈاڑھی پکڑ کر روتے اور آہ وزاری کرتے رہے، یہاں تک کہ اسی حالت میں صبح ہوگئی، اور نماز نہ پڑھ سکے۔

ان حضرات کی یہ حالت تھی کہ جب رات آتی تو ان کو اس کی طرف رغبت اور شوق ہوتا، بدیں خیال کے اب وہ وقت آتا ہے جس میں وہ حق تعالیٰ کے حضور میں تنہا ہوں گے، اور جب دن ہوتا تو مکدر ہوتے، بدیں اندیشہ کہ اب لوگ ان کو خدا کی عبادت سے روک دیں گے اور یہ لوگ عبادت کے انتہائی رتبہ پر پہنچے ہوئے تھے، اور یہ حالت تھی کہ اگر کسی سے یہ کہا جاتا کہ قیامت کل آجاوے گی تو جو حالت ان کی اس وقت تھی اس میں وہ کچھ اضافہ نہ کر سکتے۔

ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ اکثر عشاء کی نماز پڑھ کر لیٹ جاتے اور صبح تک لیٹے رہتے، اور فرماتے کہ آج رات دوزخ کے خوف نے نہ مجھے سونے دیا اور نہ نماز پڑھنے دی اور نہ کلام کرنے دیا، اور صبح کی نماز عشاء ہی کے وضوء سے پڑھ لیتے۔

شداد بن اویس رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حالت ہوتی کہ صبح تک یوں بیتاب رہتے جیسے ٹھیکری میں گیہوں کا دانہ بھن رہا ہو، اور فرماتے کہ دوزخ کے خوف نے اس شب نہ مجھے سونے دیا، اور نہ نماز پڑھنے دی، اور نہ کلام کرنے دیا میں کہتا ہوں کہ اکابر دوزخ سے اس لئے ڈرتے تھے کہ اس میں لوگ حق تعالیٰ سے محجوب ہوں گے اور خود دوزخ سے خوف نہ ہوتا تھا، کیونکہ وہ صرف خدا سے ڈرتے ہیں اور کسی سے نہیں ڈرتے، علی ہذا جو اکابر جنت کو پسند کرتے ہیں، وہ کھانے پینے وغیرہ کی وجہ سے پسند نہیں کرتے، بلکہ اس لئے پسند کرتے ہیں کہ وہ حق تعالیٰ کے مشاہدہ کا مقام ہے۔ واللہ اعلم (میں کہتا ہوں کہ یہ مضمون خلاف تحقیق ہے، اور منشاء اس کا غلبہ حال ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ اصل کمال یہ ہے کہ ہر چیز کا اس طرح ادراک ہو جس طرح کہ وہ واقع میں ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ دوزخ واقع میں خوف کے قابل، اور جنت واقع میں رغبت کے قابل ہے۔ پس دوزخ سے خوف اور جنت کی رغبت قطع نظر اس سے کہ ایک دار الحجاب ہے، اور دوسرا مقام مشاہدہ، عین کمال ہوگا نہ کہ نقصان، بلکہ اگر کسی کو دوزخ کا خوف اور جنت کی خواہش مقصود نہ ہو تو یہ خود نقصان ہے نہ کہ کمال، پس یہ کہنا صحیح نہیں کہ اکابر کو نہ دوزخ کا خوف ہوتا ہے اور نہ جنت کی رغبت، بلکہ ان کو دوزخ کا خوف دو وجہ سے ہوتا ہے۔ ایک اس لئے کہ دوزخ مولم ہے اور دوسرے اس لئے کہ وہ دار الحجاب ہے، اور جنت کی رغبت بھی دو وجہ سے ہوتی ہے۔ ایک اس لئے کہ وہ محل آرام و آسائش ہے، اور دوسرے اس لئے کہ وہ دار مشاہدہ ہے، برخلاف مغلوب الحال حضرات کے جن میں حضرت مولف رحمۃ اللہ علیہ بھی داخل ہیں کہ ان کو صرف ایک ہی وجہ سے رغبت ہوتی ہے۔ پس ان حضرات کی حالت پہلے قسم کے لوگوں سے ادنی ہے، اور ان کی اعلیٰ ہے۔ رہا یہ کہنا کہ وہ خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، یہ علی الاطلاق صحیح نہیں، کیونکہ وہ سانپ بچھو وغیرہ سے ضرور ڈرتے ہیں بشرطیکہ مغلوب نہ ہوں۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ جب خدا کے خوف اور کسی اور کے خوف میں تزاحم ہو اس وقت وہ کسی اور سے نہیں ڈرتے، لیکن دوزخ کے خوف اور خدا کے خوف میں تزاحم نہیں بلکہ اول ثانی میں

معین ہے اس لئے وہ لایخشون احدا الا اللہ کے منافی نہیں ۱۲ مترجم)

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو اس قدر نماز پڑھتے تھے کہ نماز پڑھنے کے بعد ان میں طول قیام کے سبب اتنی قوت نہ رہتی تھی کہ وہ اپنے بستر تک جاسکتے اور اس لئے وہ اپنے بستر پر یوں چل کر آتے جیسے تھکا ہوا اونٹ پاؤں گھسیٹتے ہوئے چلتا ہو۔

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر عبادت کوئی پرند ہوتی تو نماز روزہ اس کے دو بازو ہوتے (مطلب یہ ہے کہ نماز و روزہ اس قدر ضروری ہیں کہ ان کے بغیر عبادت عبادت ہی نہیں، جیسا کہ پرند کہ وہ بازوں ہی کے ذریعہ سے پرند ہے، اور اگر اس کے بازو نہ ہوں تو وہ محض ایک جانور ہے اور پرند نہیں)۔ نیز یہ لوگ جاڑوں کے زمانہ میں کوٹھوں پر سوتے اور باریک کپڑے پہنتے تھے، تاکہ ان کو سردی لگے اور وہ غفلت کی نیند نہ سوسکیں۔

فاطمہ بن عبدالملک (عمرؒ بن عبدالعزیز کی بیوی) فرماتی تھی کہ مجھے معلوم نہیں کہ جب سے عمرؒ بن عبدالعزیز کو خلافت ملی تھی اس وقت سے انہوں نے کبھی غسل جنابت کیا ہو۔

اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ سخت گرمی کے زمانہ میں روزہ رکھتے یہانتک کہ ان کا بدن کبھی زرد ہو جاتا اور کبھی سبز، اس پر کسی نے عرض کیا کہ آپ اس جسم کو کب تک عذاب دیتے رہیں گے، بس کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کی راحت اور چین مقصود ہے (کیونکہ جب میں دنیا میں اسے تکلیف دوں گا، تب آخرت میں اسے راحت ملے گی۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکان میں قبر کھود رکھی تھی، اور ہر شب اس میں اتر کر صبح تک نماز پڑھتے رہتے تھے۔

جب خلافت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی ہے تو ان کا دستور تھا کہ نہ رات کو سوتے نہ دن کو، اور فرماتے تھے کہ اگر میں رات کو سوتا ہوں تو اپنے کو برباد کرتا

ہوں، اور اگر دن کو سوتا ہوں تو رعیت کو برباد کرتا ہوں، حالانکہ ان کے متعلق مجھ سے باز پرس ہونے والی ہے (اس لئے نہ دن کو سوسکتا ہوں اور نہ رات کو)۔

پس تم ان حضرات کے حالت کو دیکھ کر اپنی حالت کو دیکھو (کہ کہاں تک ان حضرات کے مطابق ہے)۔ نیز جو لوگ اس زمانہ میں ظاہر ہوئے ہیں جو کہ حرام اور مشتبہ مال کھاتے ہیں، اور خوشبودار کپڑے پہنتے، اور ان کی زبان پر اکثر یہ بات آتی ہے کہ واہ میاں اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے، یعنی اگر ہم حرام کھائیں گے تو اس سے ہمارے مرتبہ میں کوئی کمی نہ آئے گی، ان کے اس قول میں غور کرو (اور دیکھو کہ وہ اکابر سلف کے اقوال واحوال کے کہاں تک مطابق ہے)۔ غرض ان باتوں کو خوب سمجھو اور اگر تمہارا نفس نصیحت قبول کرے (اور کرنی چاہئے) تو اس سے مناقشہ کرتے رہو، (اور اسے آزاد نہ چھوڑو) **والحمدللہ رب العالمین.**

علم پر عمل کی ضرورت

۷۸- اللہ والوں کے اخلاق میں ایک یہ بھی ہے کہ ان کو اس بات کا بہت خوف رہتا ہے کہ مبادا ان کے علم اور ان کے عمل سے ان کے مخلوق خدا کو دین و دنیا کی بہبوی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، کوئی ایسی بات نہ پیدا ہو جائے، جو ان کے دین کو برباد کرے (مثلاً حب جاہ، حب مال اور جب ان کی یہ حالت ہوتی ہے) تو ہم کو ان میں سے کسی کی نسبت یہ نہ گمان کرنا چاہئے کہ وہ دنیا کے کسی کام میں سردار بننا چاہتے ہیں بلکہ ان کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ فتویٰ کو بھی ناپسند کرتے ہیں (گو بضرورت اسے اختیار کرنا پڑتا ہے) کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مفتی اللہ تعالی اور اس کے بندوں کے معاملہ میں مداخلت کرتا ہے اور اس سے فتویٰ کی گونہ مذمت مترشح ہوتی ہے، گو ضرورت کے لئے اس کا اختیار کرنا واجب ہے)۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے ایک سو بیس صحابیوں کو دیکھا ہے جن کی یہ حالت تھی کہ ان میں سے جو محدث ہوتا وہ اس کا متمنی ہوتا

کہ کاش حدیث بیان کرنے کا کام کوئی اور اپنے ذمہ لے لے اور میں سبکدوش ہو جاؤں، اور جو مفتی ہوتا وہ اس کا متمنی ہوتا کہ کاش فتوی کو کوئی اور اپنے ذمہ لے لے اور میں اس بار سے بچ جاؤں۔

یزید بن ابی حبیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ یہ بات عالم کے دین میں خرابی پیدا کرنے والی ہے کہ کلام اس کو سکوت اور استماع سے زیادہ پسند ہو (مطلب یہ ہے کہ ساکت ہو کر سننا اس میں دین کا زیادہ بچاؤ ہے بہ نسبت خود کلام کرنے کے، کیونکہ کلام میں مقتدائیت کی شان ہے، جو مفضی ہے حب جاہ کی طرف نعوذ باللہ منہ)۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص بہت عبادت کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے مگر اتنی بات ہے کہ ایک ہفتہ میں، یا فرمایا کہ ایک دن میں مہینہ بھر کا کلام کر لیتا ہے (مقصود یہ ہے کہ امام کثرت کلام کو ناپسند فرماتے تھے)۔

شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم نے ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بہت ہی کوشش کی کہ کسی طرح مسجد میں بیٹھ کر حدیث کا درس دیں مگر انہوں نے نہ ہی مانا، اور جب وہ مسجد میں تشریف لاتے تو نہ (بڑے لوگوں کی طرح) ستون سے تکیہ لگاتے اور نہ دیوار سے (بلکہ معمولی آدمیوں کی طرح بیٹھ جاتے)۔

زہری رحمۃ اللہ علیہ باوجود تبحر علمی کے فتوئی نہ دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ (فتوئی کے لئے بڑے علم کی ضرورت ہے)، جو شخص بلا تبحر علمی کے فتوی دے امام کو حق ہے کہ وہ اسے سزا دے، کیونکہ مفتی جہنم کے کنارے پر ہوتا ہے (ذرا چوکا اور دہم سے دوزخ میں گرا۔ پس جو شخص بلا کثرت علم کے فتوی دے گا، وہ گویا جہنم میں خود گرنا چاہتا ہے، اور امام کو حق ہے کہ اسے روکے)۔ میں کہتا ہوں کہ اسی وجہ سے بہت سے حضرات مسند افتاء پر نہیں بیٹھے، کیونکہ ان کو اپنے لئے احتیاط مقصود تھی۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، کہ میرے لئے لوگوں کو درہم و دینار دینا اس سے زیادہ پسند اور آسان ہے کہ میں ان سے حدیث بیان کروں۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ آدمیوں کے جوتوں کی کھٹ پٹ کے

ساتھ ہم سے احمقوں کے دل بہت کم ٹھکانے رہتے ہیں، (مطلب یہ ہے کہ جب کسی کو کچھ لوگوں میں مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ خادمانہ طور پر اس کے ساتھ چلتے ہیں تو ایسی حالت میں عجب اور کبر سے محفوظ رہنا ہر ایک کا کام نہیں، بلکہ بڑے لوگوں کا کام ہے)۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک روز مڑ کر دیکھا کہ کچھ لوگ خادمانہ طور پر پیچھے آرہے ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ صاحبو اگر تم میرے وہ افعال دیکھو جو دروازہ بند کر کے کرتا ہو، یعنی خدا سے غافل ہو جانا، اور بیوی بچوں میں لگ جانا، تو پھر تم میں سے کوئی بھی میرے پیچھے پیچھے نہ چلے۔

ایک روز عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ جا رہے ہیں اور لوگ ان کے گرد ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ درہ لے کر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو مارنے چڑھ گئے اور فرمایا کہ اس میں متبوع کے دین کی خرابی اور تابع کی ذلت ہے۔

سلمانؓ فارسی جب لوگوں کو اپنے پیچھے چلتا دیکھتے تو فرماتے کہ صاحبو! اس میں تمہارا تو فائدہ ہے مگر میرا نقصان ہے (کہ اس سے میرے اندر کبر و عجب پیدا ہوتا ہے)۔ اب اگر تم چاہو تو لوٹ جاؤ اور میرے پیچھے نہ چلو۔ جب کوئی ربیع بن خثیم کے پیچھے چلتا تو فرماتے کہ صاحبو اگر مجھے تمہاری زبانوں کا ڈر نہ ہوتا تو میں تمہیں حدیثیں نہ سناتا (مگر چونکہ مجھے ڈر ہے کہ تم مجھے برا بھلا کہو گے، اس لئے میں نے اس کو گوارا کر رکھا ہے)۔ اس پر کسی نے کہا کہ (آپ حدیث بیان کرنے سے اتنے کیوں بچتے ہیں؟ اس میں سراسر نفع ہے) ممکن ہے اللہ آپ کے اور آپ کے علم کے ذریعہ سے لوگوں کو نفع بخشے۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ بہت بعید ہے کیونکہ جب خود مجھے نفع نہیں ہوا تو دوسروں کو کیا نفع ہو سکتا ہے۔ اور فرماتے تھے کہ جو شخص اس کو پسند کرے کہ تم بغرض استفادہ اس کے پاس بیٹھو تو اس کے پاس نہ بیٹھو، اور جو شخص اس کو پسند کرے کہ تم اس کے لئے کھڑے ہو تو اس کے لئے کھڑے مت ہو (کیونکہ وہ خود بین، خود پسند ہے نہ وہ تعظیم

کے لائق ہے نہ استفادہ کے)۔

یحییٰ بن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب کسی کو حدیث بیان کرنے میں لطف آئے تو اسے چاہئے کہ حدیث نہ بیان کرے، (کیونکہ یہ علامت ہے حب جاہ کی)۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جن کی یہ حالت تھی کہ اگر ان پر کوئی حکمت کی بات منکشف ہوتی تو اسے شہرت کے ڈر سے چھپاتے تھے، حالانکہ اگر وہ اس کو ظاہر کرتے تو اس سے انہیں بھی نفع ہوتا ہے اور ان کے ساتھیوں کو بھی نفع ہوتا۔ نیز جب لوگ ان کے پاس جمع ہوتے تو اس وقت وہ اس کو ناپسند کرتے تھے کہ اپنا کوئی معتبر ملفوظ ان کے سامنے بیان کریں (کیونکہ ان کو شہرت کا خوف ہوتا تھا)۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جن کو صرف اس کے خوف نے خاموش کر رکھا ہے ورنہ وہ خوب بولنے والے ہیں، (مطلب یہ ہے کہ انہوں نے جو کلام ترک کر رکھا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ انہیں بولنا نہیں آتا، بلکہ انہوں نے خدا کے خوف سے خاموشی کو تکلم پر ترجیح دی ہے، اور تکلم کے مفاسد کو دیکھ کر کلام کو ترک کیا ہے)۔

حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ خانقاہ میں (دکان جما کر) وہ بیٹھے گا جس کو دنیا سمیٹنا مقصود ہو۔

اسمٰعیل بن خلف نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ جب آپ حدیث کا درس دیتے ہیں تو آپ کی طبیعت میں نشاط اور آواز میں بلندی ہوتی ہے، اور جب آپ حدیث کا درس نہیں دیتے ہوتے اس وقت آپ مردہ سے ہوتے ہیں۔ اسکی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ بھائی تمہیں معلوم نہیں کہ کلام کے لئے بھی فتنہ ہے، واللہ جب میرے پاس تین آدمیوں سے زیادہ بیٹھتے ہیں تو میری حالت اور کچھ ہو جاتی ہے (مطلب یہ تھا کہ یہ جوش اور نشاط ایک مرض قلبی کا اثر ہے جس کا نام حب جاہ ہے۔ اس

واقعہ سے ان حضرات کے خلوص کا اندازہ کرنا چاہئے کہ اپنے عیب کو کس قدر صفائی سے بیان فرمارہے ہیں۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ احمقوں کا مقصود تو الفاظ نصوص ہوتے ہیں (بس انہوں نے الفاظ سیکھے اور ان کو بیان کرنا شروع کر دیا تاکہ لوگ ان کو عالم سمجھیں) اور علماء کا مقصود فہم دین ہوتا ہے (اور وہ نصوص میں غور کرتے اور ان کی ہدایت کے مطابق عمل کرتے ہیں)۔

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ وعظ کو ناپسند فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ کام علی العموم الا ماشاء اللہ طالبین شہرت کا ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا ہے کہ امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کوفہ کی مسجد میں تشریف لے گئے، وہاں آپ نے ایک واعظ کو وعظ کہتے دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص طالب شہرت ہے اور کہتا ہے کہ مجھے پہچانو، میں فلاں ہوں۔

ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کا گذر امام اوزاعی کے حلقہ درس پر ہوا تو آپ نے دیکھا ایک بڑا انبوہ جمع ہے۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ اگر یہ ازدحام ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر ہوتا تو وہ بھی اس سے عاجز ہو جاتے (اور اس کا تحمل نہ کر سکتے یعنی ان پر بھی اس کا اثر ہوتا اور ان کے نفس میں بھی خرابی آ جاتی)۔ اس کی اطلاع امام اوزاعی کو ہوئی تو انہوں نے اسی روز سے درس کے لئے بیٹھنا چھوڑ دیا۔

جبکہ عیسیٰ بن یونس مکہ آئے تو مسجد حرام میں لوگوں نے ان کو گھیر لیا اور ان کے گرد ہجوم کر لیا (اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہو گیا)۔ اتفاق سے ایک روز فضیل بن عیاض بھی وہاں پہنچ گئے (جب ان کے حلقہ کی یہ حالت دیکھی) تو ان کے پاس گئے اور فرمایا کہ بھائی اپنے دل کو دیکھ لو۔ شاید کثرت ازدحام سے اس کی پہلی سی حالت نہ رہی ہو، سو تھوڑی دیر عیسیٰ نے اپنے نفس کو دیکھا اور دیکھ کر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس روز سے بیٹھنا چھوڑ دیا۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر تم سے ہو سکے کہ تم ایسے عالم ہو

جس کو کوئی نہ جانے، تو ضرور ایسا کرو کیونکہ اگر لوگ تمہارے کمالات پر مطلع ہو جاویں گے تو تمہاری بوٹیاں کھا جائیں گے۔

لوگوں نے سفیانؒ بن عیینہ سے اس کی درخواست کی کہ وہ ایک خاص مقام پر بیٹھ کر ان سے احادیث بیان فرمایا کریں۔ آپ نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا، اور فرمایا کہ نہ میں احادیث بیان کرنے کا اہل ہوں اور نہ تم ان کے سننے کے اہل ہو۔ میری تمہاری بالکل ایسی مثال ہے جیسے کسی نے کہا ہے: رسوا ہو گئے تو آپس میں اصطلاح مقرر کر لی (کہ من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو)۔

علقمہؒ سے کہا گیا کہ آپ کسی جگہ بیٹھ کر لوگوں سے حدیثیں کیوں نہیں بیان فرماتے کہ آپ کو اس پر ثواب ہو۔ آپ نے فرمایا کہ کیا متکلم اس پر راضی نہیں ہے کہ وہ برابر سرابر چھوٹ جاوے کہ نہ اس سے مواخذہ ہو اور نہ اسے اجر ملے (مطلب یہ تھا کہ تم مجھے ثواب کی امید دلاتے ہو مگر میں اس کو غنیمت سمجھتا ہوں کہ نہ عذاب ہو نہ ثواب ورنہ ہم لوگ مستحق تو اس کے ہیں کہ ہمیں سزا دی جاوے، کیونکہ ہم میں نہ خلوص ہے اور نہ احتیاط فی التکلم)۔

جب بشرؒ حافی نے درس حدیث کے لئے بیٹھنا چھوڑ دیا تو لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ خدا کو کیا جواب دیں گے جب آپ سے یہ سوال ہوگا کہ تم نے ہمارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں لوگوں کو سنانی کیوں چھوڑ دی تھیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں یہ جواب دوں گا کہ اللہ آپ نے مجھے خلوص کا حکم دیا تھا اور میں نے اپنے اندر خلوص نہ پایا، اس لئے میں نے چھوڑ دیا۔

سفیان ثوریؒ حدیث بیان کرنے بیٹھتے تو جب ان کو اپنے حسن بیان اور اپنے حلقہ کے بڑے ہونے کے سبب سرور محسوس ہوتا تو گھبرا کر اور خوف زدہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے اور حدیث بیان کرنا چھوڑ دیتے اور فرماتے کہ خدا کی پناہ ہم تو بے خبری ہی میں پکڑ لئے گئے تھے (خیر خدا نے خیر کی کہ جلدی ہوش آ گیا)۔

میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ واعظ تین باتوں میں سے ایک

بات سے خالی نہیں ہوتا، یا تو وہ اپنے وعظ کو ایسی باتوں سے فربہ و باوقعت کرے گا جس سے اس کا دین دبلا اور کمزور ہو (مثلاً موضوعات کا استعمال، یا عوام کے مذاق کی مناسب رعایت وغیرہ)، یا اپنے وعظ پر خوش ہوگا (جو کہ عجب ہے)، یا ایسی باتیں کہے گا جو خود نہیں کرتا۔ آہ۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حالت اکثری ہے ورنہ عارف سے شریعت اس کا بھی مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اپنے کلام کو فربہ و باوقعت بنادے (تاکہ ان کو مقصود نصیحت حاصل ہو) اور اس کا بھی کہ وہ اپنی کہی ہوئی بات کو پسند کرے مگر اس لئے کہ وہ دوسرے کی بنائے شریعت ہے، اور اس کا بھی کہ وہ اپنے نفس کو اس بارہ میں متہم سمجھے کہ وہ جو کہتا ہے وہ خود نہیں کرتا، کیونکہ کوئی شخص اگرچہ وہ عمل میں اخلاص کی کتنی ہی کوشش کرے، حد ملامت سے نہیں نکل سکتا اور اصلا نا قابل ملامت نہیں ہوسکتا۔ پس ضرور ہے کہ میمون بن مہران کے اس ملحوظ کو عوام پر محمول کیا جاوے نہ کہ اس کو مطلق رکھا جاوے۔ (میں کہتا ہوں کہ اتنا تو صحیح ہے کہ اس کلام کا تعلق عوام سے ہے نہ کہ اہل اللہ سے، مگر اس کی وجہ وہ نہیں جو شیخ نے بیان کی، کیونکہ گو تسمین[1] قول اہل اللہ سے مطلوب ہے مگر وہ تسمین وہ نہیں ہے جس کا میمون کے قول میں ذکر ہے کیونکہ وہاں تسمین بمایہزل دینہ مذکور ہے اور وہ اہل اللہ میں نہیں پائی جاتی۔ علی ہذا اعجاب بالقول گو عرفاء میں بھی ہوتا ہے مگر وہ اعجاب نہیں جس کا ذکر میمون رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظ میں ہے، کیونکہ وہاں اعجاب بالقول سے وہ اعجاب مراد ہے جو ناشی ہے خود پسندی سے اور یہ بات اہل اللہ میں نہیں ہوتی۔ اسی طرح اس ملفوظ میں قول بما لا یفعل کا ذکر ہے نہ کہ اتہام نفس کا، اور یہ بات بھی اہل اللہ میں نہیں پائی جاتی۔ پس یوں کہنا چاہئے کہ واعظ سے مطلقاً واعظ مراد نہیں ہوسکتا، کیونکہ جو عیوب بیان کئے گئے وہ اہل اللہ میں نہیں ہوتے بلکہ اس سے مراد خاص واعظ ہے یعنی وہ واعظ جو عامی ہو۔ واللہ اعلم (مترجم)۔

ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بہت لوگ ایسے ہیں کہ دوسرے

---

(۱) فربہ ۱۲

لوگ ان کے علم سے زندہ ہیں اور وہ اس سے ہلاک ہو رہے ہیں، کیونکہ اس کے ذریعہ سے وہ خود پسندی اور خود بینی میں مبتلا ہیں۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جو علماء کا علم سمجھتے ہیں مگر کام احمقوں کے کرتے ہیں۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں اور ثابت بنانی اور یزید رقاشی انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حدیث سننے کے لئے حاضر ہوتے تھے تو آپ ہم سے فرماتے تھے کہ تم لوگ اصحاب رسول اللہ ﷺ کے بہت ہی مشابہ ہو۔ پھر فرماتے (تم نہیں بلکہ) تمہارے سر اور تمہاری ڈاڑھیاں، (اس سے مقصود ایک خوبصورت عنوان سے ان کو نصیحت کرنا اور یہ جتانا ہوتا تھا کہ تم نے صورت تو صحابہ کی سی بنا رکھی ہے مگر اعمال ان جیسے نہیں کرتے)۔

عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے کہ وہ صاحب علم جو اپنے علم پر عمل نہ کرے اس کی ایسی مثال ہے جیسے وہ اندھا جو ہاتھ میں چراغ لئے ہوتا کہ اس سے دوسرے لوگ روشنی حاصل کریں (اور خود اس سے کچھ نفع نہ حاصل کرے)۔

وہیب بن الورد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر علماء جبکہ وہ اپنے علم پر عمل نہیں کرتے تھے تو لوگوں سے کہہ دیتے کہ ہمارے علم کو لے لو اور اعمال صالحہ کے ترک میں ہماری اقتداء نہ کرو تا کہ تم نجات پا جاؤ، تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا، مگر انہوں نے لوگوں کو دھوکا دیا اور علم کے ساتھ اس پر عمل کے بھی مدعی ہوئے، اور اس ذریعہ سے انہوں لوگوں کو اپنے گندے افعال کی طرف کھینچ لیا (جس سے خود بھی غارت ہوئے اور دوسروں کو بھی غارت کیا)۔

عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے کہ اگر تم دانشمند عالم ہو تو اپنے کانوں کو چھلنیاں نہ بناؤ، جن کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ آٹے کو چھوڑ دیتی ہیں اور بھوسی کو روک لیتی ہیں (یعنی تم جب اچھی اور بری ہر قسم کی باتیں سنتے ہو تو یہ نہ کرو کہ اچھی باتوں کو تو اوپر ہی اوپر اڑا دیا، اور بری باتوں کو لے کر ان پر عمل کرنے لگے کیونکہ یہ بات دانشمندی کے

خلاف ہے)۔

ابو سلیمان دارنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب تم کو کسی عالم سے مناظرہ کرو اور وہ غصہ ہو جاوے تو اس سے مت ڈرو کیونکہ اس کے پاس دین کا سرمایہ نہیں رہا، مگر یہ اس وقت ہے جبکہ مناظرہ کرنے والے کے اندر مناظرہ کی قابلیت بھی ہو اور اس کے اندر انصاف اور طلب حق بھی ہو، اور کوڑ مغز اور کج فہم بھی نہ ہو، لیکن اگر کوئی مناظرہ کا اہل نہیں یا اس کے اندر انصاف اور طلب حق نہیں یا کوڑ مغز اور کج فہم ہے جیسا کہ آجکل کے عوام یا مدعیان علم کی حالت ہے تو ایسی حالت میں اس پر غصہ آجانا خلاف دین نہیں بلکہ فطری وطبعی امر ہے۔ اس پر اعتراض نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس میں قصور اس مناظرہ کرنے والے کا ہے نہ کہ غصہ کرنے والے کا۔۱۲ مترجم)

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے اہل علم (تابعین) سے فرماتے تھے کہ تم نے علم کو بٹا لگا دیا اور اس کی قدر کھو دی (کہ ہر نا اہل عالم بن بیٹھا)۔ بخدا اگر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ مجھ سے شخص کو تمہیں حدیثیں تعلیم کرتے دیکھتے تو مجھے بھی پیٹتے اور تمہیں بھی۔

اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے تیس برس سے کوئی ایسا صاحب علم نہیں دیکھا جس کا مقصود علم سے رضائے خدا ہو بلکہ اب تو علم محتاجوں کا پیشہ ہو گیا ہے (جسے کھانے پینے کو نہ ملا اس نے سوچا کہ چلو علم حاصل کریں، اور علم حاصل کر کے دنیا سمیٹنی شروع کی)۔

شعبہ فرماتے تھے کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ محض خلوص سے حدیث کا طالب ہوا ہو، بجز ہاشم استوانی کے (ان کا نام ہشام ہے نہ کہ ہاشم **تهذيب التهذيب** میں **هشام بن ابی عبد الله وستوانی** کے ترجمہ میں لکھا ہے، **قال امية بن خالد عن شعبة ما من الناس احد اقول انه طلب الحديث يريد به وجه الله الا هشام وكان يقول ليتنا ننجو كفافا قال شعبة و اذا كان هشام يقول هذا فكيف نحن** اھ یعنی امیہ بن خالد شعبہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے

کوئی شخص ایسا نہیں جس کی نسبت میں (وثوق کے ساتھ) یہ کہہ دوں کہ اس نے حدیث کو محض خدا کے لئے طلب کیا ہے سوائے ہشام کے، اور باوجود اس کے وہ فرماتے تھے کہ کاش ہم برابر سرابر چھوٹ جاتے کہ نہ عذاب نہ ثواب یہ بیان فرما کر شعبہ فرماتے تھے کہ جب ہشام ایسا کہتے ہیں تو ہمارا کیا حال ہونا چاہئے۔ مترجم

ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہمارے زمانہ کے عالم خدا کو باتوں ہی سے خوش کر دیتے ہیں اور (انہیں عمل کی ضرورت نہیں اسی لئے) انہوں نے عمل چھوڑ دیا ہے، اور سلف صالحین کی یہ حالت تھی کہ وہ کام کرتے تھے، زبان سے کچھ نہ کہتے تھے، اس کے بعد وہ لوگ ہوئے جو کرتے بھی تھے اور کہتے بھی تھے (یہ بھی غنیمت تھے)، اور اس کے بعد وہ ہوئے جو کرتے کچھ نہ تھے اور کہتے سب کچھ تھے (یہ بھی کسی قدر غنیمت ہیں)، اور آئندہ ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس کے لوگ نہ کچھ کریں گے اور نہ کچھ کہیں گے (یہ تو بالکل ہی ڈوب چکے ہوں گے)۔

عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم نے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ دس دس آیت کر کے قرآن پڑھتے تھے (یعنی ایک مرتبہ دس آیتیں پڑھ لیں اور ان پر عمل شروع کر دیا جب سب پر عامل ہوگئے تو دس اور پڑھ لیں اور ان پر بھی عمل شروع کر دیا)۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ ایک دہائی سے دوسری دہائی کی طرف اس وقت تک انتقال نہ کرتے تھے جب تک کہ وہ پڑھی ہوئی دس پر عامل نہ ہو جائیں۔

شعبیؒ سے ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ اے عالم ہم کو فتوی دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ ایسے شخص کو عالم نہ کہو۔ عالم وہ ہوتا ہے جس کے جوڑ خدا کے خوف سے الگ الگ ہو جائیں۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب تک عالم اپنے علم سے دنیا نہ کھینچے اس وقت تک وہ دین کا طبیب ہے، اور جب وہ دنیا کھینچنے لگا اس وقت اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ مرض کو اپنی طرف کھینچتا ہے، اور جب وہ خود مرض کو اپنی طرف کھینچتا ہے تو دوسرے کا علاج کیا خاک کرے گا۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کوئی امت سوائے اپنے علماء سو کی وجہ کے اور کسی سبب سے ہلاک نہ ہوگی۔ یہ لوگ خدا کے رستہ پر بیٹھ کر اپنے گندہ افعال سے اللہ کے بندوں پر ڈاکہ مارتے ہیں۔آہ۔

مالک بن مغول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ سب سے برا آدمی کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ علماء جبکہ وہ بگڑ جائیں۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو شخص علم کو خدا کے لئے طلب کرتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ وہ زہد ورع خوف خدا سے متخلق ہوگا اور لوگوں کی ایذاء کا تحمل کرے گا۔

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ علماء رخصت ہو گئے اور ان کے علم کا بچا بچایا حصہ برے برتنوں میں رہ گیا ہے، (یعنی آجکل کے عالم برے برتن ہیں اور ان کا علم اگلے علماء کا بچا بچایا حصہ ہے نہ کہ ان کا پورا علم)۔

یحیی بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ عالم جب دنیا سے بے تعلق نہ ہو تو وہ اپنے زمانہ والوں کے لئے عذاب اور ذریعہ امتحان ہے، اور فرماتے تھے کہ اے اہل علم تمہارے گھر ایوان کسری بن گئے اور تمہارے اخلاق شیطانی اخلاق بن گئے تو اب محمدیت کہاں رہی (اس کا تو خاتمہ ہو گیا)۔

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں ڈرتا ہوں کہیں مجھ سے یہ سوال نہ ہو کہ اے عویمر بتلا تو نے اپنے علم پر کیا عمل کیا؟

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے راسخین فی العلم کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ مراد ہیں جو اپنے علم پر عمل کرتے اور اپنے سلف کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔

شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کوئی مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت آپ کو عالم عراق ہو کر یہ کہتے شرم نہ آئی کہ میں نہیں جانتا۔ فرمایا کہ فرشتوں کا ادب بھی ہم سے زیادہ ہے اور علم بھی مگر باتیں ہمہ انہیں یہ

کہتے شرم نہ آئی لا علم لنا الا ما علمتنا یعنی جس قدر علم آپ نے ہمیں عنایت فرمایا ہے اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے، تو مجھے کیا شرم آئے۔

کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ آخر زمانہ میں علماء تقرب امراء پر یوں رشک کریں گے، جیسے عورتیں مردوں کے متعلق رشک کیا کرتی ہیں۔ یہ لوگ بدترین خلق اللہ ہوں گے۔

معتمر ابن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ خبردار تم یہ نہ کہنا کہ صحابہؓ شطرنج کھیلتے، یا کسم کا رنگا کپڑا پہنتے یا نبیذ مثلث پیتے تھے کہ تم فاسق ہو جاؤ گے، کیونکہ انہوں نے اگر ایسا کیا ہے تو ممانعت کی اطلاع سے پہلے کیا ہے، اور تم کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کے طور پر کرتے ہو، پس تم کو صحابہ سے کیا تعلق۔

حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو شخص صرف علم کلام پر اکتفاء کرے گا اور نہ فقہ حاصل کرے گا اور نہ زہد اختیار کرے گا اس کا انجام یہ ہے کہ وہ زندیق ہو جاوے گا (کیونکہ اس کا مدار عقلی گدوں پر ہوگا، اور دین کی خبر نہ ہوگی، تو زندقہ لازم ہے) اور جو شخص زہد پر اکتفاء کرے گا، نہ علم کلام حاصل کرے گا اور نہ فقہ، وہ بدعتی ہو جائے گا، (کیونکہ اپنی طرف سے عبادت کے طریقے ایجاد کرے گا، اور ان کو دین سمجھے گا، اور یہی بدعت ہے) اور جو صرف فقہ پر اکتفاء کرے گا نہ زہد حاصل کرے گا نہ کلام، وہ فاسق ہو جائے گا (کیونکہ دنیا کے لئے خلاف افعال کا ارتکاب کرے گا) اور جو ان تینوں کو جمع کرے گا وہ (زندقہ بدعت) اور فسق سے نجات پاوے گا۔

تنبیہ اس مقام پر یہ امر قابل غور ہے کہ اگر کلام وفقہ سے معنی متعارف مراد ہیں تب تو بدون زہد وفقہ کے تزندق لازم نہیں آتا، کیونکہ علم کلام سے کتاب وسنت کے مطابق عقائد کی اصلاح ہو جاوے گی اور اگر کلام سے عقلی گدے مراد ہیں اور فقہ سے مطلق علم دین، تو پھر کلام کی ضرورت ثابت نہیں ہوتی، اور دور زندقہ بدعت اور فسق سے نجات صرف زہد وفقہ سے ہو سکتی ہے۔ مترجم

امام اوزاعی بلا اعراب کے کلام بولتے تھے، اور فرماتے تھے کہ جب اعراب

کا خیال ہوتا ہے تو پھر خشوع نہیں رہتا، ہم لوگ کلام کو اعراب دے کر اس کو ٹھیک کرتے ہیں، مگر عمل میں برابر غلطی کرتے رہتے ہیں (اس کی اصلاح کی فکر نہیں ہوتی)۔

ابوحفص مداد اپنے زمانہ کے علماء سے فرماتے تھے کہ صاحبو تم لوگ جز کے جز اور دفتر کے دفتر کب تک لکھتے رہو گے، علم تو ایک ہتھیار ہے، پس جب دشمن آ پہنچا اور تم ابھی ہتھیار ہی اکھٹے کر رہے ہو تو آخر لڑو گے کب؟

امام مالکؒ فرماتے تھے کہ جب عالم یہ چاہے کہ لوگ اس کو عالم سمجھیں تو وہ شیطان سے بدتر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ شاید ان کا مقصود یہ ہے کہ اس کی یہ خواہش کہ لوگ عالم سمجھیں، بلاضرورت شرعی ہو۔

ابن السماک رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے عالموں سے فرماتے کہ تم میں بہت سے لوگ ہیں کہ اوروں کو خدا کی یاد دلاتے ہیں مگر خود اسے بھولے ہوئے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں کہ دوسروں کو خدا سے ڈراتے ہیں مگر خود اس کی نافرمانی میں دلیر ہیں، اور بہت سے ایسے ہیں کہ دوسروں کو خدا سے قریب کرتے ہیں مگر خود اس سے دور ہیں اور بہت سے ایسے ہیں کہ دوسروں کو خدا کی طرف بلاتے ہیں مگر خود اس سے بھاگتے ہیں۔

ایک روز ایک عورت ابراہیم بن یوسف کے پاس کھڑی ہو کر ان کو دیکھنے لگی، آپ نے فرمایا کہ کیوں بی کیا کچھ کام ہے؟ اس نے کہا کام تو کچھ نہیں، صرف اتنی بات ہے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ عالم کی صورت دیکھنا عبادت ہے، اس لئے میں تمہیں دیکھتی ہوں۔ یہ سن کر وہ اتنے روئے کہ ہچکی بندھ گئی، اور فرمایا کہ اس عورت کو میرے بارے میں غلطی ہوئی، بی جن لوگوں کی صورت دیکھنا عبادت تھا، وہ چالیس برس سے مقبروں کے اندر مٹی میں سو رہے ہیں، جیسے احمدؒ بن حنبل، خلف بن ایوب شفیقؒ بلخی، اور ان جیسے دوسرے حضرات۔ پس تو ان کی قبر پر جا اور ان کو دیکھ۔

بشر بن الحارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں جس کسی ایسے شخص کو دیکھتا ہوں جسے علم دیا گیا ہے یہی دیکھتا ہوں کہ وہ اپنے دین کے عوض میں روٹی کھا رہا ہے، بجز چار شخصوں کے۔ ایک ابراہیم بن ادہم، دوسرے وہیب بن الورد، تیسرے سلمان

خواص، چوتھے یوسف بن اسباط۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ جس کو اس کا علم رولا دے اصل عالم وہ ہے، چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ان الذین اوتوا العلم من قبله اذا یتلی علیهم یخرون للاذقان سجداً﴾ نیز فرماتے ہیں: ﴿اذا تتلی علیهم آیات الرحمن خروا سجدا و بکیا﴾ یعنی جب ان کے روبرو خدا کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ روتے ہوئے تھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر جاتے ہیں اھ۔

بس اب تمہیں اپنی حالت میں غور کرنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ آیا ان حضرات کی طرح تم نے بھی اپنے علم وعمل کا حق ادا کیا ہے، یا تم کو ان سے کچھ بھی علاقہ نہیں، اور رات دن بکثرت اپنے لئے استغفار کرتے رہنا چاہئے۔ والحمد لله رب العالمین.

حکام سے علیحدگی

۷۹- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی کہ جب ان کے معتقدین امراء سے ملتے ہیں تو وہ ان کو خوب سخت وست کہتے ہیں، اور جو ان کو نصیحت کرتا ہے اس کی بہت قدر کرتے ہیں، اور جس قدر ان کو علم زیادہ ہوتا ہے اسی قدر وہ اپنے بارے میں فسق کا اعتقاد رکھتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ آدمی کی اکثر حالت یہ ہے کہ وہ اپنے تمام علوم پر عمل نہیں کرسکتا، اور جب آدمی اپنے تمام علوم پر عمل نہیں کرتا تو جن علوم پر وہ عمل نہیں کرتا ان کے سبب اس پر فسق کا لفظ ضرور عائد ہوگا، چنانچہ منجملہ عمل بالعلم کے ایک یہ ہے کہ آدمی امراء سے دور رہے اور اپنے علم کو دنیا اور مراتب دنیا کے شکار کا جال نہ بنادے، اور اپنے حلقہ درس کے بڑے ہونے سے خوش نہ ہو، اور لوگوں کے اس کہنے سے لذت نہ حاصل کرے کہ فلاں عالم باعمل ہے، یا فلاں اپنے شہر کا سب سے بڑا عالم ہے، وغیرہ وغیرہ، جیسا علم پر عمل نہ کرنا یہ ہے کہ ان کے خلاف باتوں کو حاصل کرے (اور جب کہ یہ امر معلوم ہوگیا کہ ان باتوں کا پابند ہونا علم پر عمل کرنا ہے، اور ان کے

خلاف کرنا اس پر عمل نہ کرنا ہے، اور یہ معلوم ہے کہ ان باتوں سے پورے طور پر بچنا بہت مشکل ہے اس لئے ان کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ وہ فاسق ہیں)۔

سیدی علی خواص فرماتے تھے کہ آدمی کے علم پر عمل نہ کرنے کی ایک علامت یہ ہے کہ اپنی بزرگی کی شہرت کو پسند کرے، اور لوگوں کے اس کہنے سے کہ فلاں شخص محب دنیا ہے، یا اپنے علم وعمل میں ریاکار ہے، وغیرہ وغیرہ ناک بھوں چڑھائے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص امور مذکورہ سے خوش ہو، اور ان کی ضد سے ناخوش وہ اپنے علم پر عامل نہیں، اور اس کو اپنی حالت پر رونا چاہئے۔ (جاننا چاہئے کہ تعریف سے خوشی اور مذمت سے رنج کے دو درجے ہیں۔ ایک طبعی دوسرا اختیاری، یہاں خوشی اور رنج طبعی سے بحث نہیں، جو کہ ہر صحیح الادراک غیر مغلوب الحال کے لئے لازم ہیں، بلکہ خوشی ورنج اختیاری سے بحث ہے یعنی جو آدمی یہ چاہے کہ لوگ میری تعریف کریں، اور مذمت نہ کریں، اور مدح کی صورت میں بوجہ حصول مطلوب کے خوش ہو، اور ذم کی صورت میں بوجہ فوات مقصود کے مغموم ہو، وہ شخص اپنے علم پر عامل نہیں، اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے، تحقیق یہی ہے۔ اور اگر کسی بزرگ کے کلام سے خوشی ورنج طبعی کی مذمت بھی مفہوم ہوتو وہ ان کا غلبہ حال ہے یا مزید احتیاط۔ واللہ اعلم۔ مترجم)۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت کے اکثر منافق قراء[1] ہوں گے۔

وہب بن منبہ فرماتے تھے کہ بنی اسرائیل میں بھی بدکار قراء تھے، اور اس امت میں بھی اس قسم کی قراء ہوں گے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ خدا سے ان امور سے پناہ مانگو جو دوسری صدی کے بعد قراء میں پیدا ہوں گے، اور سمجھ لو کہ جو شخص آگ میں فسق کے سبب داخل ہوگا، وہ عذاب میں ان لوگوں سے کم ہوگا جو بدعت کے ذریعہ سے اس میں داخل ہوں گے، اور ان سے بھی کم ہوگا جو اس میں تقرب خداوندی کے ذریعہ سے داخل ہوں گے

(۱) یعنی وہ اہل علم جو علمی مشغلہ رکھتے ہیں، جیسے درس وتدریس، وعظ گوئی، افتاء وغیرہ ۱۲ منہ۔

بشرطیکہ ان کو اپنے علم وعمل سے دکھاوا مقصود ہو (کیونکہ نفس تقرب الی اللہ موجب دخول نار نہیں)۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو شخص کھلے ہوئے گناہوں کے ذریعہ دوزخ میں جائے گا (مثلاً چوری کے ذریعہ سے، شراب خواری کے ذریعہ سے وغیرہ وغیرہ) وہ اس سے کم ہوگا جو اس میں دکھاوے اور شہرت کے سبب جاوے گا۔

حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم یہ نہ سمجھتے تھے کہ ہم ایسے زمانہ تک زندہ رہیں گے جس میں شیطان قراء کے ساتھ یوں کھیلے گا جیسے لڑکے گیند سے کھیلتے ہیں۔

عبدالعزیز بن ابی رواد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے زمانۂ جاہلیت کے فاسق ہمارے زمانہ کے قراء سے زیادہ شرم رکھتے تھے، سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ یحییٰ مجھے ڈر ہے کہ جب قیامت میں کہا جاوے گا کہ فاسق قراء کہاں ہیں؟ تو کہیں میری نسبت نہ کہہ دیا جاوے کہ یہ بھی ان میں ہے، اسے بھی پکڑو۔

ایک شخص نے حماد بن زید سے کہا کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا خبردار قراء کی فہرست میں اپنا نام نہ لکھانا۔ اس کا مقصد یہ نہیں کہ قاری ہونا بری چیز ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ آج کل قراء کی حالت نہایت کمزور ہے، اور قاری ہو کر دین کو بچانا بہت مشکل ہے۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ قراء سے ڈرتے رہو اور مجھ سے بھی ڈرتے رہو، کیونکہ (ان لوگوں کی بد دینی اور نفسانیت کی یہ حالت ہے کہ) اگر میں اپنی محبت کے سبب نہ کہ کسی کی عداوت کی وجہ سے ایک انار کے بارہ میں ان کی مخالفت کروں اور کہوں کہ وہ کھٹا ہے اور وہ کہیں کہ نہیں بلکہ میٹھا ہے، تو ان میں سے اکثر کی یہ حالت ہے کہ محض اتنے اختلاف کی بناء پر مجھے ڈر رہتا کہ کہیں وہ ظالم بادشاہ کے یہاں شکایت کر کے میرے قتل کی کوشش نہ کریں۔ (اب تم غور کر لو جن کی بد دینی اور نفسانیت کی یہ حالت ہو، وہ ڈرنے کے قابل ہیں یا نہیں)۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا اٹھنا قراء سے دور ہو، بھلا مجھے ان لوگوں سے کیا واسطہ جن کی حالت یہ ہو کہ جب مجھے راحت میں دیکھیں تو دیکھ کر جلیں، اور اگر لغزش کی حالت میں دیکھیں تو مجھے بدنام کریں۔

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دیکھو آج کل کے قراء کے پاس نہ بھٹکنا، کیونکہ شاید یہ کسی وقت تم پر حسد کریں اور تمہیں بدنام کرنے کے لئے تم پر جھوٹی تہمت تک لگاویں اور لوگ ان کی بات ہی مانیں گے (تو اس سے تمہیں ضرر پہنچے گا)۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک تو یہ بات نہایت بری ہے کہ عالم کے اندر احتیاط کم ہو، اور دوسرے یہ بات نہایت بری ہے کہ (کوئی عالم کسی مالدار آدمی سے تعلق رکھے یا کسی مالدار عورت سے شادی کرے اور ان کے مال سے حج وغیرہ کرے اور لوگ کہیں کہ فلاں عالم فلاں امیر یا فلاں عورت کے روپیہ سے حج کرنے آئے ہیں۔

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اس میں آدمی کا نام سننا اس سے ملنے سے بہتر ہوگا، اور اگر اس سے ملو تو صرف ملنا اس سے بہتر ہوگا کہ اس کا امتحان کرو، کیونکہ اگر تم اس کا امتحان کروگے تو تم اس کو اور اس کے کام کو نفرت کی نگاہ سے دیکھوگے۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ تم لوگ قراء کی کس طرح تعریف کرتے ہو، حالانکہ حالت ان کی یہ ہے کہ گردنیں ان کی موٹی ہیں، کپڑے ان کے مہین ہیں، گیہوں کا چھنا ہوا آٹا کھاتے ہیں (اور یہ تمام علامتیں ہیں اس بات کی کہ نہ ان کو خدا کا خوف ہے، اور نہ خدا پر بھروسہ کیونکہ) واللہ جس کو خدا کا خوف اور اس پر اعتماد ہو اس کے لئے راکھ پھانکنا بھی بہت ہے (چہ جائیکہ ترفہ وتنعم)

یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا تو لوگوں نے قراء سے کہا کہ اے جماعت قراء اب خوب دین کے عوض میں دنیا کھاؤ، کیونکہ امام ثوری کا انتقال ہوگیا۔ مطلب یہ ہے کہ صحابہ رسول اللہ ﷺ

تمہیں ستاتے رہتے تھے (اوران کی وجہ سے تم بھی خاموش تھے) اب کوئی پوچھنے کچھنے والا نہیں (اب خوب دین فروشی کرو)۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ علماء[1] اس وقت تک ہمیشہ خدا کی پناہ میں رہیں گے جب تک ان کے قراء امرا کی محبت کے ساتھ جھکیں گے لیکن جب وہ ان کی طرف جھک جائیں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ ان سے اپنا ہاتھ اٹھالے گا، اوران پر ظالموں کو مسلط کردے گا، جوان ان کو بری طرح عذاب دیں گے، اوران کے دل میں ان ظالموں کی ہیبت ڈال دے گا۔

فرقد سنجی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ کمبل پہنتے تھے۔ ایک مرتبہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اس کمبل کے ذریعہ سے تم کو لوگوں پر تفوق حاصل ہوجائے، یاد رکھو حدیث شریف میں آیا ہے کہ اکثر دوزخی کمبل پوش ہوں گے (ان کا مقصود فرقد کو نصیحت کرنا اور حب جاہ سے روکنا تھا، اور مطلب یہ تھا کہ ایسی صورت مت بناؤ جس سے تمہاری طرف لوگوں کا رجوع ہو)۔

ایک مرتبہ مالکؒ بن دینار سے کہا گیا کہ آپ اس جوان سے جو قاری اور مجاہد ہے کیوں بے رخی کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں اس لئے بے رخی کرتا ہوں کہ میں نے قراء کو خوب بھگتا ہے (جس سے مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ یہ لوگ بہت نکمے ہوتے ہیں۔)

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں عالم کے لئے اس کو پسند نہیں کرتا کہ وہ حکام کے دروازوں پر جاوے، کیونکہ دنیا میں ان کے دروازہ فتنوں کے ٹھکانے ہیں (جہاں ہر قسم کے فتنے ملتے ہیں)۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم کو بادشاہ کے دروازہ سے بچنے کی یوں ہی تعلیم دی جاتی تھی جس طرح ہم کو سورۃ یا آیت قرآن کی تعلیم دی جاتی تھی،

(۱) علماء قراء میں یہ فرق معلوم ہوتا ہے کہ علماء عام ہے قراء سے اور علماء وہ لوگ ہیں جو اہل علم ہیں خواہ وہ علمی مشغلہ جیسے درس تدریس وعظ گوئی افتاء وغیرہ رکھتے ہوں یا نہ اور قراء وہ ہیں جو علمی مشغلہ رکھتے ہیں، اور اس لئے لوگوں میں معروف اور ممتاز ہے۔ واللہ اعلم ۱۲ منہ

(یعنی ہمارے معلمین نہایت اہتمام کے ساتھ ہم کو بادشاہ کے دروازہ پر نہ جانے کی تعلیم وتلقین کرتے تھے)۔

سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب تم عالم کو دیکھو کہ وہ بادشاہ کے دروازوں پر جاتا ہے تو (سمجھ لو کہ) وہ (دین کا) چور ہے (نہ کہ محافظ و پاسبان)۔

میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بادشاہ کے ساتھ نشست و برخاست رکھنا (اپنے نفس یا اپنے دین کو) سخت خطرہ میں ڈالنا ہے، کیونکہ اگر تو اس کی اطاعت کرے گا تو اپنے دین کو خطرہ میں ڈالے گا، اور اگر نافرمانی کرے گا تو اپنے نفس کو خطرہ میں ڈالے گا، بس سلامتی اسی میں ہے کہ نہ تو اسے جانے اور نہ وہ تجھے جانے، اور جبکہ زہری نے بادشاہ سے اختلاط شروع کیا تو زاہد لوگ ان کی مخالفت پر آمادہ ہوگئے، اور فرمایا کہ ان کی وحشت میں ان کے مونس بن گئے۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو شخص صرف فرائض و واجبات ادا کرتا ہو، اور صحبت سلطان سے محترز ہو، وہ اس سے اچھا ہے جو دن کو روزہ رکھے اور رات کو قیام لیل کرے اور جہاد و حج بھی کرے مگر بادشاہ کے پاس بھی آتا جاتا ہو۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب تم عالم کو دیکھو کہ وہ بلا ضرورت قاضی کے پاس جاتا ہے تو اس کے متعلق تم بہتری کی شہادت نہ دو (اور یہ نہ کہو کہ وہ اچھا آدمی ہے)، اور نہ اسے سلام کرو، بلکہ اسے بددین خیال کرو۔

ضحاک بن مزاحم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں تمام رات ایسی بات تلاش کرتا رہا جس سے بادشاہ خوش رہے اور خدا ناراض نہ ہو، مگر مجھے کوئی بات نہ ملی (مقصود یہ ہے کہ بادشاہ کو خوش رکھ کر خدا کو ناخوش نہ کرنا، نہایت دشوار ہے، اس لئے اس سے الگ ہی رہنا بہتر ہے)۔

اصمعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بدتر حکام وہ ہیں جو علماء سے دور ہیں، اور بدتر علماء وہ ہیں جو امراء کے یہاں تقرب رکھتے ہوں (لہٰذا امراء کا فرض ہے کہ وہ علماء سے ملتے رہیں، اور علماء کا فرض ہے کہ وہ تقرب امراء کی کوشش نہ کریں)، اور کچھ

حدیثیں جو امراء کے قرب سے احتراز کی ہدایت کرتی ہیں، ہم نے ''عہود محمدیہ'' میں بیان کی ہیں اس کو دیکھ لینا چاہئے، القصہ تم اپنے اندر غور کرو کہ آیا جس طرح تمہارے سلف اخلاق حسنہ کے ساتھ متخلق تھے اس طرح تم بھی ان سے متخلق ہو یا نہیں (اگر نہ ہو تو اس کی کوشش کرو۔) والحمدللہ رب العالمین۔

حقوق العباد کا لحاظ

۸۰-اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی کہ جب ان کے پاس ذاتی مال نہیں ہوتا، اور ان کے نان ونفقہ وغیرہ کا بار دوسروں پر ہوتا ہے تو وہ دوسرے لوگوں کو کپڑا اور کھانا وغیرہ نہیں دیتے (کیونکہ یہ حلوائی کی دکان پر نانا جی کی فاتحہ ہے) بلکہ وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو ان کے معتقدین پر ان کا بار نہ رہے (بعض بزرگوں کی عادت ہے کہ لوگ جو کچھ ان کی خدمت کرتے ہیں، اس میں سے وہ دوسروں کی خدمت کرتے ہیں) اور اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ (جہاں تک ممکن ہوتا ہے) کسی کو ننگا یا بھوکا نہیں چھوڑتے اور میرا مسلک بھی یہ ہی تھا مگر (یہ غلطی ہے اور) میرے شیخ سیدی محمد بن عبداللہ و نیز میرے شیخ سیدی نورالدین نے مجھ سے اس مسلک سے توبہ کرائی۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ اگر سائل مجھ پر خدا اور رسول کی قسم کھالے (اور کہے کہ خدا کی یا رسول کی قسم میں تم سے ضرور لوں گا) تو اس وقت میں کیا کروں؟ تو انہوں نے فرمایا تب بھی نہ دو، اور صرف یہ کہہ دو جل اللہ العظیم یا صل علی رسول اللہ ﷺ، کیونکہ کسی کی قسم پورا کرنا اس وقت مستحب ہے جبکہ خود اس کے پاس مال ہو، اور جس کا خرچ دوسرے لوگ اٹھاتے ہوں اس کو قسم کے پورا کرنے کا حکم نہیں، بجز مشروع طریقہ کے مثلاً کہ اس کے دے دینے میں کوئی مانع نہ ہو جو قسم پورا کرنے سے زیادہ نقصان رساں ہو۔ (ایسی حالت میں مضائقہ نہیں کہ دے دیا جائے اور قسم پوری کر دی جاوے)۔ اور جب میرے احباب نے دیکھا کہ میں اپنا چوغہ یا پوستین یا عمامہ سائل کو دے دیتا ہوں اور اس میں کچھ بھی پس و پیش نہیں کرتا تو انہوں نے یہ کارروائی کی کہ جو

کپڑے وہ مجھے دیتے تو بعض تو ان کو مجھ پر وقف کر دیتے اور بعض بطور عاریت کے دیتے، اور بعض یہ قسم کھالیتے کہ اگر تم ہماری بلا اجازت کسی کو دو تو ہماری بیوی پر طلاق، غرض جس طرح ممکن ہوتا وہ مجھے پابند کرنے کی کوشش کرتے، بس یہ وجہ ہے کہ تم مجھے دیکھتے ہو کہ میں کسی کو کچھ دینے میں (بظاہر بخل کرتا ہوں ورنہ اگر کوئی مجھ سے میرا ذاتی مال مانگے تو میں دینے میں ہرگز دریغ نہ کروں گا اگرچہ میرا نیا چوغہ یا اسی دن کا بنا ہوا صوف ہو۔ پس تمہیں چاہئے کہ جب تم یہ دیکھو کہ کوئی سائل کسی شیخ طریق سے کوئی کپڑا وغیرہ مانگتا ہے اور وہ نہیں دیتا تو اس سے فوراً بدگمان نہ ہو جاؤ، اور یہ نہ کہو یہ درویشوں کے مسلک کے خلاف بات ہے، بلکہ اس سے پہلے واقعہ کی تحقیق کرلو، کیونکہ ممکن ہے کہ اس شیخ کے لئے بھی کوئی اس قسم کا عذر ہو جس کو میں نے بیان کیا ہے، اورانہوں نے بخل کے سبب اس کے دینے سے دریغ نہ کیا ہو۔ والحمدللہ رب العالمین۔

اخفاء کرامت

۸۱- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ حضرات اپنی ان کرامات کو ظاہر نہیں کرتے جن پر ان کے ہمعصر انکار کریں، کیونکہ اس اظہار میں کوئی فائدہ نہیں۔ ہاں اگر اس پر کوئی مصلحت شرعی مرتب ہو تو کرامت ان سے پہلے نہ کسی نبی سے صادر ہوئی نہ غیر نبی سے، (پس اس عام کا خصوص امکان سے نکل کر وقوع میں آ گیا، اب اس عام سے احتجاج صحیح نہیں)۔

میں نے سیدی علی خواص سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ [1] کسی شخص کی اس وقت تک ولایت محمدیہ تک رسائی نہیں ہوتی، جب تک وہ جناب رسول اللہ ﷺ و خضر و الیاس علیہما السلام کے ساتھ اجتماع کا شرف نہ حاصل کرے اور پہلے تمام سچے لوگ اسی روش پر چلے ہیں، اس لئے بعض محجوبین کا اس سے انکار کرنا اس کی واقعیت میں قادح نہیں ہوسکتا۔

---

(۱) احقر کو ان دعاوی میں کلام ہے اللہ تعالیٰ مجھ پر حق واضح فرما دے اگر میں اپنے خیال میں غلطی پر ہوں ۱۲ مترجم۔

سیدی شیخ ابوالعباس مرسی رحمۃ اللہ علیہ اپنے احباب سے فرماتے تھے کہ کیا کوئی تم میں ایک بھی ایسا ہے کہ جب وہ جناب رسول اللہ ﷺ کو سلام کرے تو اس کا جواب اپنے کانوں سے سنے، اس کے جواب میں وہ انکار کرتے اور کہتے کہ ہم میں کوئی ایسا نہیں جس کو یہ واقعہ پیش آتا ہو، اس پر فرماتے کہ تم اپنے دلوں کی حالت پر روؤں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محجوب ہیں، پھر فرماتے کہ بخدا اگر میں تھوڑی دیر کے لئے بھی جناب رسول اللہ ﷺ سے محجوب ہو جاتا تو اپنے کو مسلمانوں میں شمار نہ کرتا، اھ، میں کہتا ہوں کہ درویش کے مقام میں اور اس شخص کے مقام میں جو جناب رسول اللہ ﷺ سے فیض حاصل کرتا اور ان کے سلام کے جواب کو سنتا ہے، ایک لاکھ سینتالیس ہزار نو سو نناوے مقام کا فصل ہے۔ اب اگر کوئی اس مقام کا دعویٰ کرے تو ہم اس سے درمیانی مقامات کی شرح کا مطالبہ کریں گے، اور جب ہم یہ دیکھیں گے کہ وہ ان کو نہیں جانتا تو ہم اس کی تکذیب کریں گے، چنانچہ کچھ لوگوں نے شیخ علی مرصفی کی حیات میں اس مقام کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ نے ان کو اپنے سامنے بلوایا اور جب ان کو دیکھا تو کہا کہ میرا مقصد یہ ہے کہ جن مقامات کے متعلق تمہارا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ مقامات عطا فرمائے ہیں، میں ان کی تفصیل سننا چاہتا ہوں، مگر اس کا کسی کو جواب نہ آیا۔ پس آپ نے ان کو ڈانٹا، اور حکم دیا کہ ان کو ہمارے پاس سے نکال دیا جاوے، پس وہ نہایت بری حالت میں مرے۔ پناہ بخدا پس تم کو چاہئے کہ کبھی کسی ایسے مقام کا دعویٰ نہ کرو جس تک تم نہیں پہونچے ورنہ اس کی سزا میں تم محروم کر دیئے جاؤ گے۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں لوگوں نے مقام اجتماع مع رسول اللہ ﷺ سے کنارہ کشی اختیار کر کے پاشا اور دفتر دار اور قاضی وغیرہ کے ساتھ اجتماع کو مقام عالی قرار دیا ہے، اور جب وہ کسی مجلس میں ہوتے ہیں تو فخراً کہتے ہیں کہ میں نے پاشا سے کہا، اور پاشا نے مجھ سے یہ کہا، دفتر دار نے مجھ سے یہ کہا وغیرہ وغیرہ، (گویہ لوگ بھی برے ہیں، مگر ان لوگوں سے کم ہیں جو غلط طور پر کہتے ہیں کہ مجھ سے جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا، اور وہ فرمایا۔ پس اس کو خوب سمجھ لو۔ والحمدللہ رب العالمین۔

عہدہ قضا سے بچنا

۸۲- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی کہ وہ اپنے معتقدین میں سے کسی کو عہدہ قضا یا اور کسی امانت کے کام کو اپنے ذمہ نہیں لینے دیتے جن میں اکثر گناہوں وغیرہ سے چھٹکارا نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر بقاعدہ شرعی اس کام کے لئے وہ لوگ متعین ہوجاویں تو مجبوری ہے، اور وجہ اس کی ممانعت کی یہ ہے کہ احادیث میں ایسے امور سے بچنے کی ترغیب وارد ہوئی ہے۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس زمانہ میں نہ تم مؤذن بنو، اور نہ امام، اور نہ چودھری، اور نہ کسی سے فقیروں پر تقسیم کرنے کے لئے روپیہ لو۔

محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، کہ سب سے پہلے جو حساب کے لئے بلائے جائیں گے، وہ قاضی ہوں گے، اور ان میں سے بہت کم نجات پائیں گے، اور اکثر کو سزا ہوگی، اور ان کے معاونین بھی اس سختی میں ان کے شریک ہوں گے۔

ایک مرتبہ ہرم بن حیان قاضی بنادیے گئے، تو انہوں نے اپنے چاروں طرف آگ جلادی جس نے لوگوں کو اس روز ان تک پہنچنے سے روک دیا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اس سے استعفا دے دیا، اور جبکہ لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ کو قضا کے لئے مجبور کیا، اور ان کو قید کردیا، تو ان کا قاعدہ تھا کہ چند روز تک ان کو جیل خانہ سے نکال کر مارتے تھے، تاکہ وہ قاضی ہونا قبول کرلیں، مگر انہوں نے کسی طرح اسے قبول نہیں کیا، حتی کہ ایک روز بچوں کی طرح رونے لگے، اور فرمانے لگے بہت سے حق ایسے ہوتے ہیں جن کو قاضی باطل کردیتا ہے، اور بہت سے باطل ایسے ہوتے ہیں جن کو وہ حق کردیتا ہے (پھر میں کیسے قاضی بن سکتا ہوں) اور جس نے ان کو قید کیا وہ ابن ہبیرہ وزیر تھا۔

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، کہ میں[1] ایک روز کسی کو جبل قیس پر یہ اعلان کرتے ہوئے سنا، کہ ہر کالے گورے کے لئے خدا کی امان ہے، بجز سفیان

---

(۱) اس ملفوظ کی حقیقت میں اور اس امر میں کہ مؤلف اس کو خلق میں کیوں لائے غور کرلینا چاہئے۔ ۱۲ منہ۔

بن عیینہ اور فلاں زندیق کے۔

مسروق رحمۃ اللہ علیہ حق تعالیٰ کے ارشاد واکالون للسحت (یعنی یہود نرے حرام کھانے والے ہیں) کی تفسیر فرماتے کہ قاضی کا ہدیہ بھی سحت میں داخل ہے، اور جو شخص یہ چاہے کہ ان کو حکام غلام نہ بنا سکیں اسے چاہئے کہ سرکہ اور نمک پر قناعت کرے (اور مرغن کھانوں کی ہوس نہ کرے۔)

میں نے سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے، وہ فرماتے تھے، کہ اس زمانہ میں حکومتوں کا حاصل جور اور ظلم ہے، اور اگر کوئی انصاف کرنا چاہے، تو وہ انصاف کر نہیں سکتا، کیونکہ آدمی اپنی بداعمالیوں کے سبب عدل کے مستحق نہیں (اسی وجہ سے حق تعالیٰ ان پر ظالم حکام مسلط فرماتے ہیں)۔

شیخ موصوف کے واقف کاروں میں سے ایک شخص قاضی ہو گئے، آپ نے اسے ملامت کی، (اور فرمایا کہ تو نے بہت برا کیا، اور تجھے ایسا نہیں چاہئے تھا، اس نے عرض کیا کہ (میری نیت اس میں نیک ہے اور) میں محض اس لئے قاضی ہوا ہوں کہ لوگوں کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کروں، اس پر شیخ نے اس سے فرمایا کہ یہ شیطان نے تجھے دھوکا دیا ہے، کیونکہ تجھ سے پہلے قاضیوں سے یہ امر نہیں ہو سکا۔

حالانکہ وہ زمانہ نصیحت کے قابل تھا، رہا یہ زمانہ کہ جس کی یہ حالت ہے کہ حکام خود ولایت اور بزرگی کے مدعی ہیں، اور کہتے ہیں کہ اصل ولی تو ہم ہیں، کیونکہ لوگ ہمارے محتاج ہیں، اور ہم انکے محتاج نہیں (اور جب ان کی کوڑ مغزی، خود رائی جرات و بیباکی کی حالت ہے، تو تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیسے کر سکے گا۔

میں نے خود سنا ہے کہ بعض مشائخ کسی افسر کے یہاں گئے، اور ان سے کسی کی سفارش کی، اس نے صاف انکار کر دیا، اور اس نے قبول نہیں کیا (شیخ صاحب تو واپس تشریف لے آئے) اور وہ کہنے لگا کہ یہ مدعیان صلاح ہمارے یہاں جس کی سفارش کرتے ہیں، اس کی مصلحت ومحبت مقصود نہیں ہوتی، بلکہ ان کا مقصود محض اپنی شہرت ہوتی ہے، ان کا نفس ان کو یہ سمجھاتا ہے کہ جب وہ کسی کی سفارش کریں گے اور

مقبول ہوگی تو لوگ کہیں گے کہ فلاں بزرگ مسلمانوں کے بہت غمخوار اور ان پر نہایت مہربان ہیں، اور ان کے سوا مصر میں اور کوئی ایسا نہیں، جب یہ خبر مشہور ہوگی، تو سلاطین اور وزراء کے کانوں تک بھی پہنچے گی، اور وہ ان کے لئے جاگیریں، اور روزینہ مقرر کردیں گے، یہ وجہ تھی کہ میں نے ان کی سفارش قبول نہیں کی، اور اس میں خود ان کی مصلحت تھی کیونکہ مجھے ان پر اندیشہ ہوا، کہ مبادا یہ حضرت خود پسندی میں مبتلا ہو جاویں، اوران کا رہا سہا دین بھی غارت ہو جاوے۔ آہ۔

میں نے بعض قاضیوں کو دیکھا ہے کہ جس روز ان کے یہاں آمدنی کم ہوتی اس روز آپنے گھر کا سامان بیچ کر سرکاری خزانہ میں داخل کرتے، اور فرماتے کہ ایسا نہ ہو میرا افسر مجھے معزول کردیے (کہ قاضی نا قابل ہے) نوبت بایں جارسید کہ اپنے گھر کا سارا سامان اسی طرح عہدہ قضا کی نذر کردیا، اور خود سامان دنیا سے خالی ہاتھ رہ گئے، اور میں نے بعض قصبات کے قاضیوں سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ جب کسی روز میرے یہاں آمدنی کم ہوتی ہے، تو کسی دولتمند پر جھوٹا دعویٰ کرادیتا ہوں، تاکہ آمدنی ہو جاوے (اور سرکار میں بدنامی نہ ہو) اب تو غور کرو، کہ ایسے لوگ کیسے حق کو حق اور باطل کو باطل کر سکتے ہیں، پس خلاصہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں سلامتی کی بات یہی ہے کہ آدمی حکومتوں کو اپنے ذمہ نہ لے بجز اس صورت کے کہ یا تو وہ شرعاً اس کام کے لئے متعین ہو، یا اس پر اس بارہ میں جبر کیا جاوے۔ والحمدللہ رب العالمین۔

تفقد احباب

۸۳- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے احباب کے حالات پوچھتے رہتے ہیں، مگر فضول نہیں بلکہ اس غرض سے کہ کھانا، کپڑا، روپیہ پیسہ قرضہ ادا کرنا یا کسی کی فکروں کا بار اپنے سر لینا وغیرہ وغیرہ امور میں سے جس کسی چیز کی انہیں ضرورت ہو اس میں ان کی اعانت و ہمدردی کریں، اس خلق کے لوگ اس زمانہ میں نادر ہو گئے ہیں، کیونکہ آجکل عام طور پر لوگوں کی حالت اس کے خلاف ہے چنانچہ اکثر

ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنے ساتھی سے کہتا ہے کہ میاں تمہارا کیا حال ہے، اور اس کے جواب میں وہ اپنی حالت بیان نہیں کرتا، بلکہ کہہ دیتا ہے کہ اچھا ہوں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا دل میری ہمدردی سے خالی ہے (اس لئے اس سے اپنی حالت بیان کرنا بے سود ہے) اور یہ حال پوچھنا محض بے فائدہ اور صرف رسمی طور پر ہوتا ہے، چنانچہ مشاہدہ اس کا گواہ ہے، بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص جاتے جاتے دوسرے سے پوچھتا ہے، کہو میاں کیا حال ہے، اور نہ پوچھنے والا جواب کے لئے ٹھہرتا ہے (بلکہ صرف کہہ کر آگے چل دیتا ہے) اور نہ جس کی حالت دریافت کی گئی ہے وہ کچھ جواب دیتا ہے (کیونکہ سمجھتا ہے کہ اس نے محض رسم پر عمل کیا تھا)۔

اسی طرز عمل کو دیکھ کر سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی اپنے بھائی کی غمخواری کرنے اس کی فکروں کا بار اپنے سر لینے یا اس کے لئے دعا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو، اسے ہرگز ہرگز نہ چاہئے کہ وہ یہ کہے کہ تمہارا کیا حال ہے کیونکہ یہ نفاق ہے (اس لئے کہ سوال سے ہمدردی و غمخواری ظاہر ہوتی ہے اور دل سے نہیں تو ایسا سوال ضرور نفاق ہوگا۔)

حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، کہ جب تم اپنے ساتھی سے کہو کہ کہئے صبح کس حالت میں ہوئی، اور وہ جواب میں کہے کہ مجھے کچھ ضرورت ہے اور یہ ٹن کر اڑا جاوے اور اسے کچھ نہ دے تو اس کا یہ پوچھنا کہ صبح کس حالت میں ہوئی اس کے ساتھ مذاق ہے اور یہی بات اس زمانہ کے لوگوں پر غالب ہے۔

میں نے سیدی علی خواص سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ پہلے جو لوگ ایک دوسرے کی حالت پوچھتے تھے، ان کا مقصد یہ ہوتا تھا، کہ غافل شخص کو خدا کے شکر پر متنبہ کریں، تاکہ وہ خدا کی نعمتوں کو یاد کر کے اس پر شکر کرے اور اس سے اس کو بھی فائدہ ہو، اور ان کو بھی (اور یہ عرف کہ مسئول سائل کے جواب میں خدا کا شکر ہے یا بحمداللہ اچھا ہوں، وغیرہ کہتا ہے، شیخ علی خواص رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید کرتا ہے، مگر جس طرح آجکل سائل کا مقصود ادائے رسم ہوتی ہے یونہی مسئول کا شکر رسمی اور اتباع محاورہ

کے طور پر ہوتا ہے۔ مترجم)۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے کس حالت میں صبح کی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس حالت میں صبح کی کہ میں ان لوگوں سے بہتر ہوں جنہوں نے نہ کسی مریض کی عیادت کی، اور نہ وہ کسی جنازہ کے ساتھ گئے (مطلب یہ تھا کہ میں نے آج عیادت بھی کی اور جنازہ کے ساتھ بھی گیا، اور اس عنوان سے سائل کو، اور دوسروں کو ان کاموں کی ترغیب مقصود تھی۔)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ نے کس حالت میں صبح کی، تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اس حالت میں صبح کی کہ میں خدا کا ایک ذلیل بندہ اور اس کے احکام کا مامور تھا۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا آپ نے کس حالت میں صبح کی، تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اس حالت میں صبح کی کہ میں تمام ادیان باطلہ سے پھرا ہوا تھا اور احکام خدا کو ماننے والا تھا اور کسی کو اس سے ساتھ شریک نہ کرتا تھا۔

مالک بن دینار سے پوچھا گیا کہ آپ نے کس حالت میں صبح کی، تو آپ نے فرمایا کہ میں اس حالت میں صبح کی کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ میں جنت کی طرف پلٹوں گا یا دوزخ کی طرف۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا، کہ آپ نے کس حالت میں صبح کی، انہوں نے (افسوس کے ساتھ) فرمایا کہ میں نے اس حالت میں صبح کی کہ خدا کا رزق کھاتا ہوں اور اس کا شکر انجام نہیں دیتا۔

عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا، کہ آپ نے کس حالت میں صبح کی، تو آپ نے فرمایا کہ میں اس حالت میں صبح کی کہ نہ جن چیزوں کی مجھے امید ہے ان کے نفع پر مجھے اختیار ہے، اور نہ جن چیزوں کا مجھے ڈر ہے، اور اس لئے ان سے بچنا چاہتا ہوں ان کے دفع پر مجھے قدرت ہے، اور میں اپنے عمل کی عوض میں رہن ہوں، اور معاملہ دوسرے کے اختیار میں ہے اور مجھ سے زیادہ کوئی محتاج نہیں۔

ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ آپ نے کس حالت میں صبح کی؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس حالت میں صبح کی کہ میں کمزور ہوں گنہگار ہوں، اور اس کی نافرمانی کرتا ہوں۔

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ آپ نے کس حالت میں صبح کی، انہوں نے فرمایا کہ اگر دوزخ سے بچ جاؤں تو اچھی حالت میں صبح کی ورنہ بری حالت میں ہے۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ سے کہا گیا، کہ آپ نے کس حالت میں صبح کی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے ایسی عمر میں صبح کی کہ وہ گھٹتی جاتی ہے، اور ایسے گناہوں میں صبح کی جو بڑھتے جاتے ہیں۔

حامد نصاف رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ آپ نے کس حالت میں صبح کی، انہوں نے فرمایا بخیر و عافیت، اس پر حاتم نے اصم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اے حامد خیر و عافیت پل صراط سے گذرنے اور جنت میں داخل ہونے کے بعد ہوگی (آج خیر و عافیت کہاں) حامد نے کہا کہ بجا ارشاد ہے (واقعی میری غفلت تھی) پس ان باتوں کو خوب سمجھ لینا چاہئے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

شیطان کا مقابلہ

۸۴- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ شیطان کی جنگ اور اس کے مکروں اور جالوں کے پہچاننے کی فکر اور کھود کرید سے غافل نہیں ہوتے اور یہ وہ خلق ہے جس کو اکثر لوگوں نے آجکل بالکل بھلا رکھا ہے (مگر ایسا نہ چاہئے) کیونکہ جس طرح شیطان ایک دم ہماری طرف سے غافل نہیں ہوتا، ہمیں بھی اس سے غافل نہ ہونا چاہئے، وہ ہر وقت گھات میں لگا رہتا ہے اور پورے طور پر اس کا خواہاں رہتا ہے کہ آدمی خدا کی ناخوشی میں مبتلا ہو جاوے۔

حدیث شریف میں ہے کہ شیطان اپنا تخت پانی پر قائم کرتا ہے، اور لوگوں کے

گمراہ کرنے کے لئے اپنے چھوٹے اور بڑے لشکر بھیجتا ہے، اور سب سے بڑا مرتبہ اس کے نزدیک اس کا ہوتا ہے، جو سب سے زیادہ لوگوں کو فتنہ میں ڈالے۔ آھ۔

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، کہ ہم کو یہ خبر پہنچی ہے، کہ ابلیس ملعون نے عرض کیا کہ اے اللہ آپ اپنے بندوں کی یہ عجیب حالت نہیں دیکھتے کہ وہ آپ سے محبت کرتے ہیں، اور باوجود محبت کے آپ کی نافرمانی کرتے ہیں، اور مجھ سے عداوت رکھتے ہیں، اور باوجود عداوت کے وہ میرا کہنا مانتے ہیں، اس پر حق تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف وحی بھیجی، کہ میں نے ان کی کثرت نافرمانی کو اپنی محبت کی وجہ سے معاف کر دیا، اور ان کی اطاعت ابلیس کو اس کی عداوت کے سبب بخش دیا۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، کہ جب شیطان آدمی کے متعلق تین باتوں میں سے ایک بات میں کامیاب ہو جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ بس میرے لئے یہ کافی ہے اور اس کے سوا میں اس سے اور کچھ نہیں چاہتا، ان تین میں سے ایک خود پسندی ہے، اور دوسری اس کا اپنے عمل کو بہت سمجھنا، اور تیسری اس کا اپنے گناہوں کو بھول جانا، ان میں سے جو بات بھی آدمی کے اندر پیدا ہوگئی، شیطان سمجھتا ہے کہ بس میں کامیاب ہو گیا۔ اور ایک روایت میں بجائے تین میں سے ایک کے چار میں سے ایک ہے، اور چوتھی بات بہت پیٹ بھر کر کھانا، اور یہ بات (گو بادی النظر میں معمولی معلوم ہو، مگر حقیقت میں) ان تینوں سے بڑی ہے، کیونکہ وہ تینوں اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔

وہب بن منبہ فرماتے تھے کہ خبردار ایسا ہرگز نہ کرنا کہ ظاہر میں شیطان کے ساتھ دشمنی کرو اور پوشیدہ طور پر اس کی اطاعت کرو، کیونکہ جو شخص خدا کی نافرمانی میں رات گذارتا ہے اس کی وجہ سے شیطان ایسا خوش ہوتا ہے جیسا کہ دولہا نئی دلہن سے۔

محمد بن واسع رحمہ اللہ کا قاعدہ تھا کہ وہ منہ اندھیرے مسجد میں تشریف لے جاتے تھے ایک شب شیطان نے بوڑھے آدمی کی صورت بنائی اور چراغ لے کر ان کے آگے آگے ہولیا، سردی کی اندھیری رات تھی اتفاق سے ایک عورت نے اپنے دریچہ

سے یہ واقعہ دیکھا اور کہا کہ یہ جوان بھی کس قدر سنگ دل ہے کہ ایسی رات میں بڈھے کو چراغ لے کر چلنے کی تکلیف دیتا ہے محمد بن واسع نے جب یہ بات سنی تو فرمایا کہ اسے مرنے دے خدا اس کو اور مارے تب شیطان نے سمجھا کہ انہوں نے مجھے پہچان لیا (اور اب میرا فریب چلنا مشکل ہے) لہٰذا وہ چراغ گل کر کے بھاگ گیا۔

نیز ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ شیطان ملعون آدمی کی صورت بنا کر ایک گدڑی پہنے ہوئے اور گلے میں تسبیح ڈالے ہوئے اور کمر میں خدا والے مشائخ کی طرز کا پٹکا باندھے ہوئے حضرت جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں حضور کی خدمت کرنا چاہتا ہوں شاید حضور کی برکت کا مجھے بھی کچھ حصہ مل جائے (آپ نے اس کی درخواست کو منظور فرمالیا) اور وہ بیس برس تک آپ کی خدمت کرتا اور وضو کراتا رہا، مگر ان کو بھکانے کا اس کو کوئی رستہ نہ معلوم ہوا ایک روز کسی وقت رخصت ہونے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا جب وہ رخصت ہونے لگا تو اس نے کہا کہ کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے تو اسی وقت پہچان لیا تھا جب تو میرے پاس آیا تھا تو ابومرہ ابلیس ہے، اس پر ابلیس نے کہا کہ حضرت میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ آپ کے قدم پر ہو، یہ سن کر حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ او ملعون میرے سامنے سے دور ہو تو چاہتا ہے کہ جاتے جاتے مجھے ایسی بلا میں پھنسا تا جاوے جو میرا دین برباد کرے یعنی اپنی حالت پر نازاں ہونا۔

محمد بن واسع ہر روز نماز فجر کے بعد یہ دعا مانگتے تھے اے اللہ آپ نے ہم پر ایک ایسا دشمن مسلط فرمایا ہے جو ہمارے عیوب سے واقف ہے ہماری شرم ناک باتوں سے آگاہ ہے اور وہ مع اپنے قبیلہ کے ہم کو ایسی جگہ سے دیکھتا ہے جہاں سے ہم اس کو نہیں دیکھ سکتے پس اے اللہ اسے ہم سے ناامید کردے جیسا کہ تو نے اسے اپنی رحمت سے ناامید کردیا اور ہم سے اس کی آس توڑ دے جیسے تو نے اپنی عفو سے اس کی آس توڑ دی ہے اور ہمارے اور اس کے درمیان دوری کردے جس طرح تو نے اس کے اور اپنی مغفرت و جنت کے درمیان دوری کردی ہے، بیشک آپ ہر چیز پر قادر ہیں، اس پر

شیطان آدمی کی صورت بن کر آیا اور کہا کہ اے محمد یہ دعا تو کسی کو نہ سکھانا اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب کبھی تم سے برائی کے ساتھ تعرض کرنے نہ آوں گا، اس کے جواب میں محمد نے کہا کہ میں کسی شخص سے اس کو نہ روکوں گا، اور تیرا جو جی چاہے کر لے۔

ایک روز ابلیس ملعون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نظر آیا اور کہا کہ اے روح اللہ کہو لا الہ الا انہوں نے فرمایا کہ لا الہ الا اللہ بالکل حق بات ہے اور میں اسے کہتا بھی ہوں مگر تیرے لا الہ الا اللہ کہنے کی وجہ سے نہ کہوں گا (کیونکہ اس میں تیرا اتباع ہے)۔

سیدی علی خواص فرماتے تھے کہ ابلیس کا مقصود یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو توحید میں اپنا شاگرد بنالے مگر عیسیٰ علیہ السلام نے ایسا نہیں کیا اور عصمت ان کو ایسا کرنے سے مانع ہوگئی۔

کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ خدا کا ذکر شیطان کے حق میں ایسا ہے جیسا کہ آدمی کے حق میں گوشت کھانے والا زخم (یعنی جس طرح زخم مشکور آدمی کو نقصان پہنچاتا ہے یوں ہی ذکر اللہ شیطان کو نقصان پہنچاتا ہے)۔

عبدالعزیز بن ابی رواد فرماتے تھے کہ میں نے ساٹھ (۶۰) حج کئے اور بہت سے نیک کام کئے مگر جب کبھی میں نے اپنے نفس کی جانچ پڑتال کی تو میں نے ان میں شیطان کا حصہ خدا کے حصہ سے قوی تر پایا بس کاش کہ میں دنیا سے برابر سرابر چلا جاؤں کہ نہ مجھے ان پر اجر ملے اور نہ مجھے سزا ملے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ تم خوف فقر کے پاس نہ جانا، کیونکہ شیطان کے پاس کوئی ہتھیار جس سے وہ آدمی سے جنگ کرے خوف فقر سے سخت نہیں ہیں کیونکہ جب آدمی فقر سے ڈرے گا تو باطل طریق سے روپیہ حاصل کرے گا اور جائز طور پر صرف کرنے سے اسے روکے گا اور خواہش نفسانی کے موافق کام کرے گا، اور خدا کے ساتھ برا گمان رکھے گا اور اس طرح اس کو ہر قسم کی برائی حاصل ہوگی۔

امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہ مجھ پر خدا کی نعمت ہے کہ میں کبھی فقر سے نہیں ڈرا۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ شیطان کی کمر ایسی کوئی نہیں توڑتا جیسی وہ شخص توڑتا ہے، جو خوبی کے ساتھ عمل کرتا ہے (خواہ کثرت نہ ہو کیونکہ) حق تعالیٰ (کو کثرت مطلوب نہیں بلکہ خوبی مقصود ہے چنانچہ) فرماتے ہیں لیبلوکم ایکم احسن عملا، یعنی تاکہ وہ تمہارا امتحان کرے کہ اچھے اعمال کون کرتا ہے سو یہاں اس نے حسن اعمال کا ذکر فرمایا ہے) اور (بجائے احسن عملا کے) اکثر عملا نہیں فرمایا (تو معلوم ہوا کہ اعمال میں حسن مطلوب ہے نہ کہ کثرت)۔

نیز وہ فرماتے تھے کہ جب آدمی کی عمر چالیس (۴۰) برس کی ہو جائے اور تمام گناہوں سے توبہ نہ کرے تو شیطان اسکی پیشانی پر پیار سے ہاتھ پھیرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اس مکھڑے کے قربان جو کبھی کامیاب نہ ہوگا، میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید طبرانی وغیرہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو انہوں نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جب آدمی چالیس برس کا ہو جاوے اور اس کی بھلائی اس کی برائی پر غالب نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

مجاہدؒ فرماتے تھے کہ میرے نزدیک مصیبت اور لغزش کے موقع پر ابلیس کی کمر توڑنے والی لا الہ الا اللہ کہنے سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ جب تم اس پر لعنت کروگے تو وہ اس سے متاثر نہ ہوگا اور کہے گا (میں تو پہلے ہی سے ملعون تھا) تو نے ایک مورد لعنت پر لعنت کی (اس سے تجھے کیا فائدہ اور مجھے کیا نقصان ہوا، مترجم کہتا ہے کہ اس زمانہ میں عرف تھا کہ کسی تکلیف کے پہنچنے یا گرنے کے وقت شیطان پر لعنت کرتے تھے مجاہد اس کی اصلاح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بجائے لعنت کے ایسے موقع پر لا الہ الا اللہ کہنا چاہئے تاکہ شیطان کے چوٹ لگے لعنت بے سود ہے۔ واللہ اعلم۔

سفیان بن عیینہ فرماتے تھے کہ شیطان کے پاس تین سو ساٹھ چک ہیں جن میں اس کا بنی آدم کے لئے دھوکا اور ان کے ساتھ مکر درج ہیں اور وہ ان کو ہر روز ایک ایک کر کے قلوب بنی آدم پر پیش کرتا ہے تاکہ آدمی کسی نہ کسی دھوکہ اور مکر کو قبول کرے پس ہمیں بہت ہوشیار رہنا چاہئے۔

محمد بن سیرینؒ فرماتے تھے کہ شیطان کے پاس کوئی مکراس سے بڑا نہیں کہ آدمی اپنے کو دوسروں سے بڑھ کر سمجھے کیونکہ اگر آدمی اسی حالت میں مرجاوے، تو وہ ایسی حالت میں مرے گا کہ خدا تعالیٰ اس سے ناخوش ہوگا اور اس کا کوئی عمل اس کے لئے نافع نہ ہوگا (بایں معنی کے اس کو دوزخ میں جانا ہی نہ پڑے، ایسا نہ ہوگا بلکہ وہ دوزخ میں ضرور جاوے گا اور سزا کے بعد اس کی مغفرت ہوگی، لیکن یہ ایک ضابطہ ہے اور خدا تعالیٰ کو یہ بھی اختیار ہے کہ اپنے فضل سے اس کا یہ گناہ معاف کردے اور دوزخ میں اسے جانا ہی نہ پڑے اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے)۔

میمون بن مہرانؒ فرماتے تھے کہ بڑا دشمن وہ ہے جس کو تو نہ دیکھ سکے تاکہ اس سے مکر کرے (یعنی شیطان سے بڑا دشمن ہے کیونکہ اور دشمن دکھلائی دیتے ہیں اس لئے ان کے مکر سے بچنا اور اپنے مکر سے ان کو نقصان پہنچانا آسان ہے برخلاف شیطان کے کہ وہ دکھلائی نہیں دیتا اس لئے اس کے مکر سے بچنا اور اس پر اپنا داؤ چلانا مشکل ہے۔

حبیب عجمیؒ فرماتے تھے کہ اگر حق تعالیٰ مجھے اپنے سامنے کھڑا کر کے یہ فرمائیں کہ تم صرف ایک سجدہ ایسا لے آؤ جس میں نہ نفس کا حصہ ہو اور نہ شیطان کا تاکہ میں تمہیں جنت میں داخل کردوں تو مجھے ایک سجدہ بھی نہ ملے گا۔ آہ۔

پس تمہیں ہوشیار ہوجانا چاہئے اور جب تم دیکھو کہ تم پیہم عبادت کررہے ہو تو یہ ہرگز نہ سمجھا جانے کہ اب شیطان کا تعلق تم سے منقطع ہوگیا ہے بلکہ اس میں اچھی طرح غور کرنا چاہئے اور پورے طور پر تفتیش کرنی چاہئے (کہ اس میں شیطان کا تو کچھ دخل نہیں) والحمد للہ رب العالمین۔

تکبر سے اجتناب

۸۵- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی کہ وہ اسے امور سے نہایت بچتے ہیں جن میں لوگوں کے مقابلہ میں تکبر کی بو بھی ہو مثلاً ان کے بچوں یا خادموں یا

غلاموں کے جنازوں میں نہ شریک ہونا، اور جب وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرنا کیونکہ درویشوں کو دین و دنیا میں لوگوں پر سرداری محض ان کے تذلل اور فروتنی کی بدولت ملی ہے (پھر وہ اس کو چھوڑ کر تکبر کیوں اختیار کر سکتے ہیں، پھر جب وہ جنازہ میں شریک ہوتے ہیں تو اس وقت ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ ان کوتاہیوں پر جوان سے حق سبحانہ کے باب میں واقع ہوئی ہیں مغموم اور نادم ہوتے ہیں، اور (موت سے عبرت حاصل کرتے ہیں کیونکہ) حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ آدمی کے لئے موت کافی واعظ ہے (اور اس کے بعد آدمی کو کسی واعظ کی ضرورت نہیں) اور نہ کوئی ان میں سے جنازہ کے رستہ میں دنیا کی بات کرتا تھا اور نہ کوئی مباح گفتگو کرتا تھا، چہ جائیکہ بری باتیں کرے، اور یہ خلق اس زمانہ میں لوگوں میں بہت کمیاب ہو گیا ہے، کیونکہ اکثر کی یہ حالت ہے کہ وہ جنازہ میں شریک ہی نہیں ہوتے لیکن) اگر بالفرض کوئی شریک بھی ہوتا ہے تو وہ اس وقت قصہ گو بن جاتا ہے (اور فضول قصہ شروع کر دیتا ہے) بلکہ بعض لوگ تو یہاں تک کرتے ہیں کہ مردہ کی چار پائی کے پاس ہنسانے والے قصے بیان کرتے ہیں چنانچہ میں نے اس واقعہ کے صدور کا ایک ایسے شخص سے مشاہدہ کیا ہے جو صوف کا عمامہ باندھتے ہیں خدا ہمیں بھی معاف کرے اور انہیں بھی اور حضرات سلف جنازوں میں معمولی کپڑوں سے شریک ہوتے تھے (بن ٹھن کر نہ جاتے تھے) کیونکہ وہ میت کے لئے شفاعت ہے اور جو حالت تذلل سے اقرب ہوگی وہ قبول شفاعت سے بھی اقرب ہوگی جیسا کہ علماء نے استسقاء یا دفع وبا نے کے لئے جانے کے باب میں بیان کیا ہے پس شرکت جنازہ کے وقت عمدہ کپڑوں سے اجتناب چاہئے بالخصوص اگر ان میں خوشبو لگی ہوئی ہو تب تو اور بھی اجتناب چاہئے اس سے معلوم ہوا کہ جو درویش جنازوں میں شریک ہو اور بلا کسی صحیح غرض کے کپڑے عمدہ پہنے ہوئے ہو وہ احوال صوفیہ سے دور اور موت کی یاد سے غافل ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو شخص طالب آخرت ہوگا وہ دنیا کو چھوڑ دے گا (اور ان لوگوں نے دنیا نہیں چھوڑی تو معلوم ہوا کہ یہ طالب آخرت نہیں پس ضرور موت سے غافل ہیں اور یہ ہی مطلوب تھا)۔

نیز حدیث میں ہے کہ بیماروں کی عیادت کرو اور جنازوں کے پیچھے چلو کیونکہ وہ تمہیں آخرت کی یاد دلائیں گے، مقصود یہ ہے کہ جب تم آخرت کو یاد کرو گے تو دنیا کی رغبت تمہارے دل سے نکل جاوے گی (اور ان لوگوں کے دل سے دنیا کی رغبت نہیں نکلی پس ثابت ہوا کہ یہ لوگ آخرت سے غافل ہیں) اور جب سلف جنازہ میں شریک ہوتے تھے تو موت اور ان احوال کی یاد کے سبب جو آدمیوں پر قبروں میں طاری ہوتے ہیں سوچ میں ڈوب جاتے تھے حتیٰ کہ بعض حضرات تو متواتر کئی روز تک مغموم رہتے تھے اور لوگ غم کے آثار ان کے چہروں پر پاتے تھے۔

یحییٰ بن ابی کثیرؒ جب کسی جنازہ کے ساتھ جاتے تو لوگ ان کو مردہ کی چارپائی پر واپس لاتے تھے کیونکہ نہ وہ پیدل چل سکتے تھے اور نہ سوار ہو سکتے تھے اور ان کے شدت خوف کے سبب لوگوں کی یہ حالت ہوتی تھی کہ ان سے بات نہ کر سکتے تھے اور پہلے زمانہ کے لوگ جنازہ کے موقع پر آواز پست رکھنے کو پسند کرتے تھے اور جو آواز بلند کرتا اسے ڈانٹتے تھے اور فرماتے تھے کہ تو نہایت سرکش ہے تجھے موت کو دیکھ کر نصیحت نہیں ہوتی، میں کہتا ہوں کہ علماء جنازہ میں بلند آواز سے ذکر اللہ کرتے اور درود شریف پڑھنے کی اجازت نہ دیتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے دیکھا کہ لوگ بک بک کرتے ہیں اس وقت انہوں نے سمجھا کہ ذکر اللہ دنیا کی باتوں سے اولیٰ ہے (اور ذکر اللہ و درود شریف کے ساتھ آواز بلند کرنے کی اجازت دے دی، اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے حکم شرعی کو بدل دیا بلکہ) محض اس وجہ سے کہ بعض ظلم بعض سے کم ہوتے ہیں (اس لئے گو اس موقع پر بلند آواز سے ذکر اللہ کرنا اور درود شریف پڑھنا بھی زیادتی ہے مگر فضول بکواس کی نسبت غنیمت ہے لہٰذا بغرض تقلیل معصیت انہوں نے اس کی اجازت دے دی)۔ واللہ اعلم۔

عبداللہ بن مسعودؓ ایک شخص کو جنازہ میں ہنستے دیکھا تو آپ نے اسے ڈانٹا اور چند روز کے لئے اس سے بولنا بات کرنا چھوڑ دیا۔

حسن بصریؒ نے ایک شخص کو قبرستان میں کھاتے دیکھا تو آپ نے اسے ڈانٹا

اور فرمایا کہ تو منافق ہے۔

اعمشؒ فرماتے تھے کہ ہم لوگ جنازہ میں شریک ہوتے تو لوگوں پر اس قدر غم اور گریہ کا غلبہ ہوتا تھا کہ ہم یہ نہ معلوم کر سکتے کہ (کس کے یہاں میت ہوئی ہے، اور ہم کس کی تعزیت کریں)۔

حاتم اصمؒ فرماتے تھے کہ جنازوں میں شریک ہوکر دل کا علاج فرض ہے۔

ابراہیم زیاتؒ فرماتے تھے کہ جنازہ میں روتے دیکھتے تو فرماتے تھے کہ بھائی اپنی حالت پر روؤ (مردہ پر نہ روؤ بلکہ) اس کے لئے دعا رحمت کرو کیونکہ یہ مردہ تین (۳) معرکوں سے نجات پاچکا ہے ایک یہ کہ اس نے ملک الموت کو دیکھ لیا، دوسرے موت کی گرمی کا مزہ چکھ لیا، تیسرے سوء خاتمہ سے بے کھٹکے ہوگیا بخلاف تمہارے (کہ تمہارے لئے یہ تینوں مرحلے باقی ہیں) اور آئندہ اس کے متعلق مزید گفتگو آئے گی (تم کو منتظر رہنا چاہئے) والحمد للہ رب العالمین۔

نفاق سے احتراز

۸۶- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو ایمان و نفاق کے اس مرتبہ پر رکھتے ہیں جس پر کہ وہ ہیں اور اس لئے ان کے یہاں منافق کا مرتبہ اس سے کم ہوتا ہے جو نفاق سے محفوظ مسلمان کا اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ وہ منافق کو کیوں کر پہچانتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ وہ ان کو ان علامات کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے جو جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق بیان فرمائی ہیں مثلاً آپ نے فرمایا ہے کہ منافق کی تین علامتیں ہیں جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو اس کو پورا نہیں کرتا اور جب وہ کسی معاملہ میں امین بنایا جاتا ہے تو خیانت کرتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ چار علامتیں ہیں اور چوتھی یہ ہے کہ جب وہ لڑتا جھگڑتا ہے تو گالی گلوچ بکتا ہے نیز آپ نے فرمایا کہ منافقین کی چند علامتیں ہیں، پس تم ان کے ذریعے سے انہیں منافق کہو، اور وہ علامتیں یہ ہیں وہ مساجد میں محض اس کو چھوڑنے کے

لئے آتے ہیں یعنی وہ مساجد میں بہت کم ٹھہرتے ہیں اور نماز میں سب سے پیچھے آتے ہیں اور نہ تکبر کی وجہ سے وہ خود کسی سے میل میلاپ انس ومحبت رکھتے ہیں اور نہ ان سے کوئی رکھ سکتا ہے' رات کے وقت مردار ہوتے ہیں یعنی پڑے سوتے ہیں اور دن کو بداعمال، ان کے علاوہ اور احادیث بھی ہیں جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ منافق کی علامت ایک یہ ہے کہ وہ کہتا ہے بہت کچھ اور کرتا ہے بہت کم۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ منافق کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کی ان اوصاف سے تعریف کریں جو اس میں نہیں ہیں اور اس کو ناپسند کرتا ہے کہ لوگ ان اوصاف سے مذمت کریں جو اس میں ہیں اور جو اس کے عیب اسے دکھلاتا ہے اس سے عداوت کرلیتا ہے، اور جب اپنے ہمعصروں میں سے کسی کا کوئی عیب سنتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔

یونس بن عبیدؒ فرماتے ہیں کہ جو منافق کو دیکھنا چاہے وہ مجھے دیکھ لے لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ منافق کیوں کر ہیں آپ نے فرمایا کہ میں بسا اوقات سو (۱۰۰) عمدہ خصلتیں منتخب کرتا ہوں تو اپنے اندر ان میں سے ایک بھی نہیں پاتا اور سو (۱۰۰) بری خصلتیں چھانٹتا ہوں تو سب کو اپنے اندر پاتا ہوں (اور بظاہر مقدس پارسا ہوں یہ نفاق نہیں تو کیا ہے) پھر افسوس فرماتے اور کہتے کہ ارے میری بدبختی قیامت میں میری کیسی رسوائی ہوگی۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ جب صلحاء کا ذکر ہو تو ہم ان سے الگ ہوتے ہیں اور ہم کو ان سے کچھ بھی نسبت نہیں ہوتی اور جب ست اعمال لوگوں کا ذکر ہو تو ہم ان کے اندر ہوتے ہیں (مطلب یہ ہے کہ ہم صلحاء کے گروہ میں نہیں بلکہ ہمارا شمار ست اعمال لوگوں کے زمرہ میں ہے)۔

مالک بن دینارؒ فرماتے تھے کہ منافق کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ کل کے لئے رزق اٹھا کر رکھے گا اور لوگوں سے دنیا کے بارہ میں مزاحمت کرے گا (اور چاہے گا

کہ کسی کو نہ ملے سب میں ہی لے لوں) اور یہ چاہے گا کہ صرف میرا ہی شہرہ ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ منافق کی علامت یہ ہے کہ وہ لوگوں پر حسد کرتا ہے اور اس کے دل میں ان لوگوں کی طرف سے کینہ اور برائیاں بھری ہوتی ہیں جو اسے ستائیں یا جاہ میں اس سے بڑے ہوئے ہوں پس تم اپنے نفس کو دیکھو اور اسے خوب ٹٹولو، پھر اگر اس میں نفاق پاؤ تو اس کو اس سے پاک صاف کرو۔ **والحمد للہ رب العالمین۔**

قلت اکل

۸۷- اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تا کہ نماز میں خشوع پیدا ہو، اور پیٹ بھر کر کھانے سے دل سخت ہو جاتا ہے اس لئے اگر کوئی پیٹ بھر کر کھانا کھاوے اور چاہے کہ نماز میں خشوع پیدا ہو تو اس نے غلط راستہ اختیار کیا ہے (کیونکہ اس طرح کبھی خشوع نہیں پیدا ہو سکتا)۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی یہ حالت تھی کہ آپ کئی کئی دن اور کئی کئی رات بھوکے رہتے اور شدت گرسنگی سے شکم مبارک پر پتھر باندھتے اور جب آپ نماز پڑھتے تو آپ کے شکم مبارک میں سے ایسی آواز سنائی دیتی جیسی آگ کے اوپر رکھی ہوئی ہانڈی میں سے نکلتی ہے چنانچہ یہ مضمون حدیث میں وارد ہوا ہے۔

عبداللہؓ بن عباس فرماتے تھے کہ دو رکعتیں جو سوچ بچار کے ساتھ ہوں وہ تمام رات اس کے قیام سے بہتر ہیں جس میں دل خدا سے غافل ہو، میں کہتا ہوں تدبر سے مراد آدمی کا وہ تدبر ہے جو آداب متعلقہ صلوۃ و حضرت حق سبحانہ سے تعلق رکھتا ہو، اور استنباط احکام میں غور و فکر مراد نہیں ہے جیسا کہ بادی النظر میں خیال ہوتا ہے، کیونکہ نماز اس غور و خوض کا محل نہیں اسی لئے بعض علماء نے اس کی کراہت کی تصریح کر دی ہے (اور صاف فرما دی ہے کہ نماز میں مسائل استنباط کرنا مکروہ ہے)۔

ابن مسعودؓ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو سکون کی یہ حالت ہوتی تھی

کہ ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے کوئی کپڑا پڑا ہوا اور استغراق کی یہ حالت ہوتی کہ جب وہ نماز پڑھنے کھڑے ہوتے اور اپنے گھر کے لوگوں کو یہ کہتے سنتے کہ بات چیت موقوف کردو کیونکہ عبداللہ نماز پڑھ رہے ہیں تو فرماتے کہ جس قدر تمہارا جی چاہے باتیں کرو میں نماز پڑھنے کی حالت میں تمہاری باتیں نہیں سنتا۔

حکم بن عتیبہؒ فرماتے تھے کہ جو شخص نماز میں دائیں بائیں دیکھے اس کی نماز نہیں ہوتی (بایں معنی کہ وہ نماز نماز کہلانے کی مستحق نہیں ہے اور یہ مطلب نہیں کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے)۔

جب ابراہیم علیہ السلام نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو غلبہ خوف سے اس قدر دل دھڑکتا کہ وہ دو میل سے دھڑکنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔

سلمان فارسیؓ فرماتے کہ جس کی نماز میں حضور قلب نہ ہو وہ مطففین میں داخل ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کے حق میں جو کچھ فرمایا ہے تمہیں معلوم ہی ہے چنانچہ فرمایا ہے **ویل للمطففین** الخ (پس اس سے ان نمازیوں کی حالت معلوم ہوگئی جو بلا حضور قلب نماز پڑھتے ہیں، اب تمہیں چاہئے کہ بے حضور قلب نماز نہ پڑھو) کیونکہ جس معیار پر آدمی نماز پڑھے گا اسی معیار پر اسے اجر دیا جاوے گا (یاد رکھو کہ مطففین ان لوگوں کو کہتے ہیں جو دیتے وقت کم ناپتے یا کم تولتے ہیں، اور لیتے وقت پورا لیتے ہیں، اور چونکہ ان کی مذمت کا مدار دوسرے کی حق تلفی ہے اس لئے بلا حضور قلب نماز پڑھنے والوں کو بھی ان کے حکم میں شامل کر لیا گیا کیونکہ وہ بھی حق تعالیٰ کے حق میں کمی کرتے ہیں۔۱۲ مترجم)۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یعقوب قاری چادر اوڑھے نماز پڑھ رہے تھے، اسی حالت میں کسی نے اس کے شانے پر سے چادر اتار لی لوگوں نے چور کو گرفتار کر لیا اور دھمکا کر چھوڑ دیا اور چادر یعقوب کے گلے میں ڈال دی یہ سب کچھ ہوا مگر انہیں خبر بھی نہ ہوئی۔

میں کہتا ہوں کہ یہی واقعہ ہمارے زمانہ میں سیدی محمد بن عنانؒ کو پیش آیا،

وہ جامع بجیر میں نماز پڑھ رہے تھے اور گلے میں چادر پڑی تھی، چور نے گلے میں سے چادر نکال لی، چور گرفتار ہوا اسے مار پیٹ کر نکالا گیا اور ایک شور عظیم برپا ہوا یہ سب کچھ ہوا اور انہیں خبر بھی نہ ہوئی یہ ان اہل خشوع میں آخری شخص تھے جن کو ہم نے پایا ہے۔

سعید تنوخیؒ نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو مینہ کی طرح ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے تھے۔

رابعہ عدویہ نماز پڑھ رہی تھیں اسی حالت میں ان کی آنکھ میں لکڑی گھس گئی اور سلام پھیرنے تک ان کو اس کا احساس نہ ہوا جب سلام پھیر چکیں تو کہا دیکھنا میری آنکھ میں یہ خشونت کیسی ہے لوگوں نے جو دیکھا تو لکڑی گھسی ہوئی تھی، اور چونکہ مضبوطی کے ساتھ گڑی ہوئی تھی اس لئے لوگوں نے اسے بدقت نکالا۔

مجاہدؒ فرماتے تھے کہ ہم نے علماء کو اس حالت میں پایا ہے کہ جب ان میں سے کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا تو خوف خدا کا اس قدر غلبہ ہوتا کہ نہ وہ کسی شے پر نظر جما سکتا اور نہ اس کے دل میں کوئی دنیاوی خیال آتا۔

ایک مرتبہ مسلم بن یسار جامع مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے اتفاقاً مسجد کا کوئی حصہ شہید ہو گیا، اس پر جتنے لوگ مسجد میں تھے سب بازار میں بھاگ گئے اور ایک شور برپا ہو گیا مگر مسلم کو خبر بھی نہ ہوئی۔

خلفؒ بن ایوب نماز پڑھتے ہوئے اور مکھیاں ان کی آنکھ میں سے کیچ وغیرہ کھاتی ہوتیں تو آپ انہیں نہ اڑاتے تھے کسی نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ رند لوگوں کو جس وقت مارتے ہیں تو ان پر کوڑے پڑتے ہوتے ہیں مگر وہ اف تک نہیں کرتے تاکہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص بہت صابر ہے اور اس صفت پر وہ لوگ فخر کرتے ہیں، پس جب رندوں کا حکام کے کوڑوں کے ساتھ یہ برتاؤ ہے تو میں حق سبحانہ کے سامنے کھڑا ہو کر مکھیوں کے سبب سے کیسے حرکت کر سکتا ہوں۔

سمیط بن عجلانؒ فرماتے تھے کہ تم لوگ نماز میں خدا کے سامنے حاضر ہونے کا کیسے دعویٰ کرتے ہو جبکہ تمہاری حالت یہ ہے کہ اگر ایک پسو کاٹ لیتا ہے تو اس کے

کاٹنے کا تمہیں احساس ہوتا ہے حالانکہ سلف کی یہ حالت تھی، کہ ان میں سے بعض کے نیزے یا تیر کی بھال بھونک دی گئی اور ان کو خبر تک نہ ہوئی حتی کہ خون کے نکل جانے سے ان کی روح اندر اتر جاتی اور وہ کمزور ہو کر زمین پر گر پڑتے۔

امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی یہ حالت تھی کہ جب نماز کا وقت آتا تو ان کی حالت بدل جاتی چہرہ پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا، تمام جسم میں لرزہ پڑ جاتا کسی نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ یہ اس کی امانت کے ادا کرنے کا وقت ہے جس کو آسمانوں اور زمین کے سامنے پیش کیا گیا مگر انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور میں نے نادانی سے اٹھالیا، اب مجھے معلوم نہیں کہ جس امانت کا بار میں نے اپنے اوپر لیا ہے، اس کا حق اچھی طرح ادا کر دیا یا نہیں (یہ وجہ ہے میری حالت کے تغیر وغیرہ کی)۔

حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ دنیا سے محبت کرنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھو اور سلف کی یہ حالت تھی کہ جب وہ یہ سنتے کہ کسی نے نماز میں ادھر ادھر دیکھا ہے تو اس کو اس قدر عجیب سمجھتے کہ اگر وہ اپنے گھر بھی ہوتا تب بھی اس کے پاس جاتے اور کہتے کہ ہم نے سنا ہے کہ تم نے نماز میں ادھر ادھر دیکھا تھا اس کا کیا سبب ہے اور وجہ اس تعجب کی یہ تھی کہ وہ حق تعالیٰ کی عظمت سے واقف تھے، (اور اس لئے سمجھتے تھے کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی خدا کے سامنے کھڑا ہو کر ادھر ادھر دیکھے) ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک امام کے پیچھے نماز پڑھی اسے غلط پڑھتے سنا اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر فضیلت جماعت کا خیال نہ ہوتا تو میں تیرے پیچھے نماز نہ پڑھتا تو علماء سے عربیت کیوں نہیں پڑھ لیتا تاکہ قرآن میں غلطی نہ کرے۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ مجھے ان لوگوں کی حالت پر تعجب ہوتا ہے (کہ ان کی سمجھ کیسی اوندھی ہے اور ان کے افعال کس قدر بے قاعدہ ہیں) کیونکہ اگر میرا کوئی بچہ مر جائے تو ہزار آدمی سے زیادہ اس میں میری تعزیت کرتے ہیں اور میری جماعت قضا ہو جاتی ہے تو اس بارہ میں ایک شخص بھی میری تعزیت نہیں کرتا حالانکہ

میرے نزدیک جماعت کا فوت ہو جانا (چھوٹا بچہ درکنار) میرے عاقل بالغ عالم اور صالح بیٹے کے مرجانے سے بڑھ کر ہے۔

محمد بن واسعؒ فرماتے تھے کہ مجھے دنیا میں دو چیزوں کی خواہش ہے ایک یہ کہ مجھے ایک خدا کے لئے محبت رکھنے والا نیک آدمی مل جاوے جس کی یہ شان ہو کہ جب میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو وہ مجھے سیدھا کر دے۔ دوم یہ کہ جب تک میں زندہ رہوں کبھی میری جماعت قضا نہ ہو۔

شفیق بلخیؒ فرماتے تھے کہ شیطان آدمی کی دو باتوں سے بہت خفا ہوتا ہے ایک تو یہ کہ وہ اس کے وسوسہ کی پرواہ نہ کرے اور دوسرے یہ کہ آدمی خدا کی ذات میں خوض چھوڑ دے۔ آہ۔

اب تم اپنے نفس کو دیکھو اور اپنی حالت میں غور کرو کہ جس طرح ان حضرات کو نماز میں خشوع ہوتا تھا آیا تم کو بھی کسی وقت ہوتا ہے یا تم اس معاملہ میں ان کے بالکل خلاف ہو (چونکہ ظاہر شق ثانی ہے اس لئے تم کو چاہئے کہ حتی الامکان اس کو حاصل کرو) اور حق تعالیٰ سے رات دن بکثرت استغفار کرتے رہو۔

والحمد للہ رب العالمین۔

تمت بالخیر۔

آدابِ بندگی

تصوف کی نادر کتاب، اولیاء اللہ کے علوم و معارف کا مجموعہ

تالیف

حضرت العلام امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و تشریح

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و عنوانات از

مولانا شفیع اللہ صاحب

استاذ جامعہ دار العلوم کراچی

ادارہ اسلامیات

کراچی، لاہور